بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انوارِ ولایت

مجموعۂ مضامین
و
تشریحات فرامین امامنا مہدی موعود علیہ السلام

از

حضرت مولوی سید افتخار اعجاز صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
محمد محمود الحسن خان صوفی
خلف
لسان القومؔ مسیح ملّت حضرت محمد نعمت اللہ خاں صوفی رحمۃ اللہ علیہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : انوارِ ولایت

مؤلف : حضرت مولوی سید افتخار اعجاز صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت : ذیقعدہ ۱۴۴۲ھ م جون ۲۰۲۱ء

ناشر : محمد محمود الحسن خان صوفی

خلف لسان القوم، مسیح ملّت حضرت محمد نعمت اللہ خاں صوفی رحمۃ اللہ علیہ

کمپیوٹر کتابت : SAN کمپیوٹر سنٹر، صوبیدار امیر علی خاں روڈ، چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔

سیل فون نمبر۔ 9959912642

طباعت : ایس۔ایم پرنٹرس، چھتہ بازار، حیدرآباد۔ سیل فون نمبر 9885214979

صفحات : 224

ہدیہ : -/150 روپئے

ملنے کا پتہ

(۱) محمد محمود الحسن خاں صوفی لطیف منزل 16-4-113/A چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔ 500024

فون نمبرات: 040-24529112 / 6301008924

(۲) ادارۃ العلم مہدویہ اسلامک لائبریری

عمارت مرکزی انجمن مہدویہ چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔ 500024۔

سیل فون نمبر 9959912642

فہرست باب اول (مضامین)

سلسلہ	مضمون	صفحہ	سلسلہ	مضمون	صفحہ
1	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	9	22	ہلال	93
2	عقیدۂ مہدیت	13	23	اصحابِ کرامؓ	97
3	مقصودِ بعثت	15	24	نصرت دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم	100
4	مقصدِ بعثتِ مہدیؑ	24	25	احسان	103
5	دافع ہلاکت (اُمّتِ محمدیہؐ)	29	26	ہجرت	106
6	ختم ولایت	32	27	ترکِ دنیا	108
7	ختمِ ولایتِ اورمہدیت	43	28	عشق	111
8	ختمِ ولایتِ محمدیہؐ	47	29	ہرچہ است از ولایت است ظہور	113
9	ناصرِ دین	49	30	دعوتِ توحید	116
10	طریقتِ مہدویہ	53	31	اور شیطان مسلمان ہوگیا	119
11	مہدی بادشاہ عالم	55	32	اہلِ دانش	122
12	رمضان اور علامتِ مہدیؑ	61	33	تبلیغ حضرت شاہ نعمتؓ	124
13	ماہ رمضان اور مہدوی	65	34	دیدارِ جونپور	125
14	شب قدر	68	35	شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ	130
15	قدر کی رات	73	36	حضرت بندگی ملک برہان الدینؓ	133
16	دعوتِ ہدایت	76	37	بندگی میاں سید محمودؓ (مولف کتاب معارج الولایت)	138
17	نظامِ دائرہ	80	38	لسان الاُمّت	140
18	مدعیانِ مہدیت	82	39	جلسے کیوں کامیاب نہیں ہوتے؟	144
19	اقامتِ دین	85	40	مقرر کے اوصاف	151
20	عہدِ حاضر اور مہدویت	89	41	قوتِ حافظہ	154
21	مخالفت کیوں......؟	91			

فہرست باب دوم

(تشریحات فرامین امامنا علیہ السلام)

سلسلہ	مضمون	صفحہ	سلسلہ	مضمون	صفحہ
1	نقلیات	159	12	تصدیق اور بینائی	190
2	فرمودات	160	13	بندہ کون ہے............	191
3	تعارف	163	14	صفائی قلب	193
4	عشق۔سلوک مہدویہ کا اہم مرحلہ	168	55	ہیارانتی پکھران تُو	194
5	مراداللہ	175	16	رسم، عادت اور بدعت	196
6	کوچۂ عشق	179	17	ابتدائے ماازشدنی است	202
7	مشاہدہ	181	18	سخنِ بلیغ	205
8	شدنی	183	19	تعلیم امام علیہ السلام (شرح نقل)	207
9	غربت دوم	185	20	نقلیات معہ مختصر شرح نقول	210
10	دھنیے جونپور	187	21	شرح دیگر	219
11	عشق از جونپور	189	22	شرح دیگر	222

☆☆☆☆☆☆☆

پیش گفتار

حامداً و مصلیًا

ہر دور میں تبلیغ واشاعت مذہب کی ضرورت واہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا بلکہ تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔خصوصاً بے دینی اور مذہب بیزاری کے موجودہ دور میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔علم خصوصاً علم دین کا حاصل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

مذہب کی بنیادی معلومات کا فقدان اور امور دینی سے عدم واقفیت کی وجہ سے بے حسی، بے عملی اور راہِ حق سے انحراف وارتداد کا رجحان تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے اور بعض اضلاع کی صورت حال تو انتہائی افسوسناک ہے۔ کیونکہ فرائض اور امور دینی کی انجام دہی سے لاعلم ہیں۔عموماً یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ علم دین کا حاصل کرنا اور امور دین انجام دینا صرف علماء ومشائخ کی ذمہ داری ہے اور بے عملی وبدعملی کے باوجود وہ لوگوں کو جنت میں پہنچادیں گے۔اس لئے صرف انہیں خوش رکھنا لوگوں کو تمام ذمہ داریوں سے بری کردیتا ہے۔ حالانکہ جنت اور مغفرت صرف مرضی ومنشائے الٰہی پر منحصر ہے جس کے لئے رضائے الٰہی ضروری ہے۔لیکن افسوس کہ ہمیں خدا کی ناراضگی کا کوئی خوف نہیں ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ آج تباہ کن حالات سے دوچار ہے۔

مولوی سید افتخار اعجاز صاحب کے مذہبی محافل میں تقریروں کے علاوہ مختلف جرائد میں مضامین بھی شائع ہوتے رہے اور پچاس سال سے زائد عرصہ موصوف نے فرامین امامنا علیہ السلام کی تشریح وتوضیح مختلف مقامات پر بیان فرمائی ہیں۔جن میں سے کچھ آڈیو کیسٹ کی شکل میں محفوظ ہیں۔ مرکزی انجمن مہدویہ حیدرآباد میں بحیثیت معتمد عمومی کام کے آغاز کے ساتھ ہی میں نے مرکزی انجمن مہدویہ میں جو بیان برسوں سے جاری تھا اُس کو بند کردیا گیا تھا جس کا احیاء عمل میں لایا۔

۲۰۰۵ء میں احقر نے بحیثیت معتمد عمومی مرکزی انجمن مہدویہ حیدرآباد موصوف سے خواہش کی کہ رمضان کے بعد شوال المکرّم میں جب انجمن میں آپ کا بیان شروع ہوگا تو اس بار صرف ''ثبوت مہدیؑ قرآن وحدیث کی روشنی میں'' بیان فرمائیں۔ چنانچہ اس عنوان پر موصوف نے تیرہ اتوار یعنی تیرہ (۱۳) گھنٹے بیان فرمایا جو ریکارڈ کرلیا گیا اور CD وویڈیو کی شکل میں محفوظ ہے۔اس کے علاوہ ارباب انجمن کی خواہش پر سیرت امامنا علیہ السلام پر تاریخی حیثیت سے موصوف نے تحقیقی کام انجام دیا تھا۔اس میں سے جو کچھ بھی دستیاب ہوسکا ہے وہ بھی انشاءاللہ زیورطباعت سے آراستہ کیا جائے گا۔

اعجاز صاحب کے مضامین اور فرامین امامنا مہدی موعود علیہ السلام کی تشریحات وتوضیحات جو ماہنامہ تصدیق، نور پاک، نور حیات، نور ولایت، مہر ولایت، فضیلت اور میلاد امامناؑ کے موقع پر روزناموں کے خصوصی شماروں میں شائع شدہ مضامین کو جمع کرکے اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔مضامین کی تلاش وترتیب کے لئے جناب شیخ چاند ساجد صاحب اور جناب شاہ نور محمد نظامی کی جستجو اور محنت ناقابل فراموش ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں اور جن حضرات نے مالی تعاون فرمایا ہے انہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور اس کتاب کو ہماری ہدایت وعلم افزونی کا ذریعہ بنائے۔آمین۔

احقر العباد

محمد محمود الحسن خاں صوفی

مختصر تعارف

مولوی سید افتخار اعجاز صاحب

نام سید عبدالرزاق ابن سید یوسف ابن سید محمد حسین ۔تخلص اعجازؔ، قلمی نام سید افتخار اعجاز۔ ولادت ۱۲/شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ م ۱۳/امرداد ۱۳۳۴فصلی مطابق ۸/مارچ ۱۹۲۵ء بروز شنبہ۔ وفات بتاریخ ۲۷/ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹/جولائی ۲۰۲۰ء بروز یکشنبہ۔ مدفن حظیرہ حضرت بندگی میراں شاہ ابراہیمؒ کاچی گوڑہ، حیدرآباد۔

آپ بیتی کے مطابق ان کے آباء واجداد تقریباً دو یا ڈھائی سو سال قبل بیجاپور سے حیدرآباد منتقل ہوئے تھے۔ والدین کی وفات کے بعد **اعجاز صاحب** اور ان کے علاتی برادر کلاں سید عبدالقادر صاحب تایا سید قاسم صاحب کے زیرِ پرورش رہے۔ بعد ازاں **اعجاز صاحب** چونکہ خاندان میں سب سے چھوٹے تھے اپنے بردار کلاں کے زیرِ سایہ رہے جن کی اولاد آج بھی سعید آباد میں مقیم ہے۔

تعلیم کا سلسلہ مدرسہ کاچی گوڑہ میں شروع ہوا۔ ابتدائی جماعتوں سے ہی مطالعہ اور تحریر و تقریر کا شوق رہا۔ مدرسہ میں اردو، فارسی کے علاوہ عربی بطور مضمون اختیار کیا اور بی اے میں سنسکرت۔ اس طرح موصوف کو اردو، عربی، فارسی، انگریزی، ہندی اور سنسکرت پر عبور حاصل تھا۔ مضمون نگاری، ڈرامہ، افسانہ نگاری اور شاعری کا شوق بھی رہا۔ ان کے افسانے مدرسہ کے قلمی جریدے میں شائع ہوا کرتے تھے۔ موصوف کو خان علامہ سعادت اللہ خاں صاحب مندوزئی سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا۔

قومی و دیگر محافل میں تقاریر کے علاوہ مختلف رسالوں میں مضامین بھی شائع ہوتے رہے۔ عرصہ دراز تک نقلیات کا بیان فرمایا۔ ۱۹۴۹ء کا ایک رسالہ ''پاسبان'' دیکھنے کا موقع ملا جس کے مدیر اعلیٰ جناب حسن چشتی تھے اور افتخار اعجاز صاحب مجلس ادارت میں شامل تھے۔ بزم ادب کاچی گوڑہ کے زیر اہتمام فن خطابت کی تربیت دی جاتی تھی۔ اور ادبی اجلاس منعقد ہوتے تھے۔ اس بزم کی جانب سے ایک قلمی رسالہ ''مینائے ادب'' جاری کیا جاتا تھا۔ اس کی جلد چہارم شمارہ دوم میں **اعجاز صاحب** پر ایک تفصیلی مضمون ہے۔ اور ماخذ میں آپ بیتی، سوانح عمری از جناب سید علی صاحب برترؔ، فسانہ ہائے اعجاز، مضامین اعجاز،

ڈرامے ڈائریاں اور مکاتیب اعجاز کا ذکر ہے۔

زمانہ طالب علمی میں دارلعلوم میں تقریری مقابلہ منعقد ہوا جس کے پرنسپل خان علامہ مولانا سعادت اللہ خاں مندوزئی رضی اللہ عنہ تھے اور محفل میں نواب بہادر یار جنگ اور دیگر مشائخ حیدرآباد شامل تھے۔ **اعجاز صاحب** کو انعام اول دیا گیا اور نواب صاحب نے رات کے کھانے کے لئے حضرت کو اپنی دیوڑھی میں مدعو کیا عشاء کی نماز کا وقت آیا تو **اعجاز صاحب** نے مسئلہ اقتداء کو پیش نظر رکھتے ہوئے اجازت طلب کی لیکن نواب صاحب نے روک دیا اور نماز میں خود امامت فرمائی۔

ایک بار احمد نگر میں کسی مخالف مولوی نے عقائد مہدویہ پر اعتراضات کئے تو وہاں کے برادران ملت کی خواہش پر حضرت مولانا ابوسعید سید محمود صاحب تشریف اللّٰہی رضی اللہ عنہ اور مسیح ملت لسان القوم حضرت مولانا محمد نعمت اللہ خاں صوفی رضی اللہ عنہ کے ساتھ **مولوی افتخار اعجاز صاحب** بھی مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے لیکن ان کے پہنچتے ہی وہ مولوی فرار ہوگیا۔

ایک اور روایت کے مطابق جناب سید امام صاحب مہتمم پولیس کے **اعجاز صاحب** سے قریبی مراسم تھے۔ چنانچہ ان کے مکان پر مخالف علماء اور اعجاز صاحب کے درمیان مناظرہ منعقد ہوا تھا جس میں **اعجاز صاحب** کا پلّہ بھاری رہا۔

موصوف نے منتخب نقلیات کا ایک مجموعہ بھی شائع کیا تھا۔ مرکزی انجمن مہدویہ کی خواہش پر سیرت امامنا علیہ السلام کو جدید انداز میں مدون کیا تھا لیکن مکمل مواد دستیاب نہ ہوسکا۔ غرض موصوف کی وفات ایک عظیم نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ اور اپنے دیدار سے مشرف فرمائے۔ آمین۔

شیخ چاند ساجد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید ٥
اللھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید ٥

باب اول

مضامین

سیرت نبی ﷺ

جزیرہ نمائے عرب کا قدیم شہر مکہ، حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی اولاد و نسل کے افراد کے لئے مرکز و مسکن تھا۔ آپؑ کے فرزندوں میں سے قیدارؔ اور ان کی اولاد میں عدنانؔ اور عدنانؔ کے فرزندوں میں قصیؔ بہت مشہور ہیں۔ یہی قصی چار واسطے سے نبی کریم ﷺ کے دادا ہیں۔ بنو جُرہم نے قصیؔ کے اجداد کو ۲۰۷ء میں مکہ سے بیدخل کر دیا تھا، لیکن انہوں نے (قصیؔ نے) پھر سے مکہ پر قبضہ کر کے ۴۴۰ء میں ایک مشترکہ حکومت قائم کر دی اُن کے بعد ان کے فرزند عبد منافؔ پھر ان کے فرزند ہاشمؔ اور ہاشم کے صاحبزادے عبد المطلبؔ اپنے اپنے زمانوں میں سرداری کے فرائض انجام دیتے تھے۔

سردار عبد المطلب نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کی۔ دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے۔ اتفاق سے عبد اللہ کا نام نکلا۔ یہ ان کو لے کر قربان گاہ کو چلے۔ عبد اللہ کی بہنیں، جو ساتھ تھیں، رونے لگیں۔ اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجئے۔ ان کو چھوڑ دیجئے۔ عبد المطلب نے پجاری سے کہا کہ عبد اللہ پر اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو۔ اتفاق یہ کہ عبد اللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ عبد المطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیئے۔ یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہنچی تو اونٹوں پر قرعہ آیا۔ عبد المطلب نے سو اونٹ قربانی کئے۔ اور عبد اللہ بچ گئے۔ یہ واقدیؔ کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اونٹوں کے معاوضہ کی تدبیر روسائے قریش نے تجویز کی تھی۔

عبد اللہ قربانی سے بچ گئے تو عبد المطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا، قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں۔ اُس وقت اپنے چچا وہب کے پاس رہتی تھیں۔ عبد المطلب، وہب کے پاس گئے اور عبد اللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ انہوں نے منظور کیا اور عقد ہو گیا۔ حسب دستور عبد اللہ تین دن سسرال میں رہے۔ اور پھر گھر چلے آئے۔ اس وقت ان کی عمر سترہ برس سے کچھ زیادہ تھی۔ عبد اللہ تجارت کے لئے ملک شام گئے۔ اور واپس ہوتے ہوئے مدینہ میں ٹھیرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ عبد المطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ وہ مدینہ پہنچے تو عبد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کا تمام خاندان کو صدمہ ہوا۔ عبد اللہ نے ترکہ میں اونٹ، بکریاں، اور ایک لونڈی چھوڑی، یہ سب چیزیں رسول اللہ ﷺ کو ترکہ میں ملیں۔ لونڈی کا نام اُم ایمن تھا۔ (سیرۃ النبی مولفہ شبلی نعمانی صفحہ ۱۲۲)

خاتم الانبیاء، ہادی دو عالم، واقعہ عام الفیل سے ۵۵ یوم بعد ۹ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء گریگورین۔ کو مکہ معظّمہ میں یوم دوشنبہ صبح صادق (۴ بج کر ۲۰ منٹ) کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے عالم قدس سے تشریف فرمائے عالم امکان ہوئے۔

بہار کا موسم تھا اور آفتاب اس وقت برج حمل سے ۳۱ درجہ ۲۰ دقیقے پر تھا۔ ولادت مبارک کی اطلاع سنتے ہی عبدالمطلب گھر میں آئے اور اس مبارک مولود کو خانہ کعبہ لے گئے اور دعا مانگ کر واپس لائے۔ سب سے پہلے آپؐ کو آپؐ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا۔ اور دو تین روز بعد ثوبیہ (ابولہب کی لونڈی) نے آپؐ کو دودھ پلایا۔

ساتویں دن عبدالمطلب نے قربانی کی اور تمام قریش کو دعوت دی۔ دعوت کھا کر لوگوں نے پوچھا کہ آپؐ نے بچے کا نام کیا رکھا؟ عبدالمطلب نے کہا ''محمدؐ'' (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے اپنے خاندان کے سب مروجہ ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا؟ جواب دیا میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ دنیا بھر کی ستائش اور تعریف کا شایان قرار پائے۔

حضرت حسان بن ثابت المو ید بروح القدس رضی اللہ عنہ نے اپنے مشہور قصیدہ میں لکھا ہے۔

وشق لہ من اسمہ لیجلہ

فذو العرش محمود وھذا محمد

(خدا نے اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا۔ دیکھو رب العرش تو محمود ہے۔ آنحضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) والدہ ماجدہ نے خواب میں ایک فرشتے سے بشارت پا کر آپؐ کا نام احمد رکھا۔ (حدیث میں ہے کہ زمین پر میرا نام محمدؐ اور آسمان پر احمدؐ ہے)

ترا محمد واحمد زمین خواند وزماں

فزوں ترا ز تو کسے رانہ مدح گفت وزماں

حمید باشد ومحمود ذات ربانی

نہ برتر از تو کسے گفت حمد سبحانی

شرفائے مکہ کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو جبکہ وہ آٹھ دن کے ہو جاتے تھے۔ دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے کسی اچھی آب وہوا کے مقام پر باہر بھیج دیا کرتے تھے۔ یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرتے تھے۔ اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھیں۔ سرتاج دو عالم ﷺ کی ولادت کے بعد قبیلہ ہوازن کی چند عورتوں میں حلیمہ سعدیہ بھی مکہ آئی تھیں۔ اتفاق سے انہیں کوئی بچہ نہ مل سکا تھا۔ بی بی آمنہ نے انہیں مقرر کرنا چاہا۔ مگر وہ آنحضرتؐ کے یتیم ہونے کے خیال سے پس وپیش کر رہی تھیں۔ لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جا سکتی تھیں۔ اس لئے اس دُرِ یتیم کو بہر حال اپنے گود میں لے ہی لیا۔ وہ ہر چھٹے مہینے لا کر والدہ ماجدہ (بی بی آمنہ) اور دوسرے اقرباء کو دکھا جاتی تھیں۔ حلیمہ سعدیہ کی ایک صاحبزادی جن کا نام حذاقہ اور لقب شیماء تھا آپؐ کو کھلایا کرتی تھیں۔ اُن کو حضرت رسالت مآبؐ سے بے حد انس ہو گیا تھا۔ حذاقہ کے علاوہ تین رضاعی بھائی بہن تھے۔

(۱) عبداللہ (۲) انیۃ (۳) حذیقہ

جب آنخضرتؐ دو برس کے ہوئے تو آپؐ کا دودھ چھڑایا گیا اور حلیمہ سعدیہ آپ کو بی بی آمنہ کے سپرد کرنے لائیں۔لیکن اُس زمانے میں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔اس لئے آپؐ کو حلیمہ سعدیہ کے ساتھ کچھ اور مدت کے لئے دیہات روانہ کیا گیا۔ بہ اختلاف روایت ۴ یا ۶ برس بعد آپؐ اپنی والدہ مکرمہ کے ساتھ رہنے لگے۔آپؐ کی عمر شریف کے چھٹے سال آپؐ کی والدہ محترمہ آپؐ کو ساتھ لئے مدینہ گئیں اور خاندان بنونجار میں ٹھیریں۔یہ خاندان آپؐ کے دادا عبدالمطلب کی ننہیال تھا۔اس سفر میں ام ایمن بھی ساتھ تھیں دیگر مورخین کا بیان ہے کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں جو مدینہ میں مدفون تھے۔بہرحال ایک مہینہ تک مدینہ میں مقیم رہی واپس آتے ہوئے جب مقام ابواء میں پہنچیں تو ان کا انتقال ہوگیا۔اور یہیں مدفون ہوئیں۔ام ایمن آنخضرتؐ کو لے کر مکہ واپس ہوئیں رسول اللہ ﷺ کو قیام مدینہ کی بہت سی باتیں یاد رہ گئی تھیں جب آپؐ قیام مدینہ کے زمانے میں ایک دفعہ بنوعدی کے منازل پر گزرے تو فرمایا کہ اسی مکان میں میری والدہ ٹھیری تھیں۔یہی وہ تالاب ہے جس میں' میں نے تیرنا سیکھا تھا۔اسی میدان میں' میں انیہ نامی لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔(سیرۃ النبی ۱۲۷)

جب آپؐ کی والدۂ محترمہ کا انتقال ہوگیا تو عبدالمطلب نے آپؐ کی نگرانی اور پرورش اپنے ذمہ لے لی وہ ہمیشہ آپؐ کو اپنے ساتھ رکھتے اور بے حد شفقت سے پیش آتے تھے۔لیکن یہ سایۂ شفقت بھی زیادہ دنوں تک باقی نہ رہ سکا۔جب آپؐ کی عمر آٹھ برس دس دن کی ہوئی تو عبدالمطلب نے ۸۲ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ان کا جنازہ اُٹھا تو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ساتھ تھے اور فرطِ محبت سے روتے جاتے تھے۔عبدالمطلب نے مرتے وقت آپؐ کی ذمہ داری ابوطالب کو سونپی۔عبدالمطلب کے انتقال سے بنو ہاشم کا اقتدار گھٹ گیا اور اُمیّہ کا بیٹا حرب اس اقتدار کا مالک ہوگیا۔اب عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے عباس حجاج کو پانی پلایا کرتے تھے۔

ابوطالب' آپؐ کے والد عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے۔وہ آپؐ سے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت رکھتے تھے۔چنانچہ اپنے ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں آپؐ بکریاں چرایا کرتے تھے۔اور یہ بکریاں مکہ والوں کی ہوتی تھیں۔

ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔اور سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے ملک شام کو جایا کرتے تھے۔جس زمانے میں آپؐ کی عمر بارہ برس کی ہوئی اُس دنوں ابوطالب سفر شام کو تیار ہوئے۔لیکن سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے آپ کو ساتھ لے جانے کا ارادہ نہ کیا۔جب وہ چلنے لگے تو آپؐ اُن سے لپٹ گئے۔ابوطالب نے آپؐ کی دل شکنی گوارا نہیں کی اور اپنے ساتھ لے لیا۔آپؐ ابوطالب کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے۔اسی سفر کے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے کہ جب ابوطالب بصریٰ پہنچے تو

ایک عیسائی راہب بحیرا کی خانقاہ میں اُترے۔ اُس نے آپؐ کو پہچان لیا کہ آپؐ ہی نبی موعود ہیں۔ اور ابو طالب سے کہا کہ آپ کو یہودیوں کے ملک میں نہ لے جاؤ وہ آپؐ کو نقصان پہنچائیں گے۔ غرض آپؐ کو بصریٰ ہی سے واپس بھیج دیا گیا۔ یہ واقعہ سرے ہی سے نا قابل اعتبار ہے۔ کیونکہ اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں وہ سب مرسل ہیں۔ یعنی راوی اول واقعہ کے وقت خود موجود نہ تھے اور نہ اُس راوی کا نام بیان کرتا ہے جو شریک واقعہ تھا۔

جب آپؐ سن رشد کو پہنچے تو ان ہی دنوں میں قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان جنگ ہوئی۔ قریش کا سپہ سالار اعظم حرب بن اُمیہ تھا اور خاندان ہاشم کی علم برداری، آپ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کر رہے تھے۔ اس صف میں آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے۔ لیکن دوران جنگ میں آپؐ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ بالآخر خاندان قریش کو فتح ہوئی۔ آپؐ نے جنگ میں صرف اسی وجہ سے شرکت کی کہ قریش حق پر تھے اس لڑائی کو حرب فجار کہتے ہیں۔

ملک عرب میں اکثر جنگ ہوا کرتی تھی جس کا نتیجہ سوائے تباہی و بربادی کے کچھ نہ ہوتا تھا۔ اسی لئے جنگ فجار کے بعد زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر مکہ کے بعض قبائل نے ایک معاہدہ کیا کہ مکہ میں امن قائم کریں گے۔ اور مسافروں کی حفاظت اور غریبوں کی امداد کریں گے۔ اس معاہدہ کو حلف الفضول کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ بھی اس معاہدہ میں شریک تھے۔ اور اس قدر پسند فرماتے تھے کہ عہد نبوت میں بھی ارشاد ہوتا تھا کہ معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ اونٹ بھی دئے جاتے تو میں نہ بدلتا۔ اور آج بھی اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو میں تیار ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے ذریعہ معاش کی حیثیت سے تجارت کو اختیار کیا۔ آپ کے خاندان اور خصوصاً آپ کے چچا ابو طالب کا شغل بھی تجارت ہی تھا۔ آپ ابو طالب کے ساتھ لڑکپن میں کئی سفر بھی تجارت کے لئے کر چکے تھے۔ جس سے ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ اور آپ کے حسن معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی۔ اس زمانے میں لوگ کسی دیانت دار اور تجربہ کار شخص کو اپنا سرمایہ دے کر منافع میں اُس سے شرکت کر لیتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی خوشی سے ان معاہدات میں شرکت گوارہ فرماتے تھے۔ ایک صحابی عبداللہ بن ابی الحمساء کہتے ہیں کہ قبل بعثت انہوں نے آنحضرت ﷺ سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا جس کا کچھ حصہ باقی تھا۔ پھر آنے کا وعدہ کر کے عبداللہ چلے گئے۔ اتفاق سے تین دن تک انہیں اپنا وعدہ یاد نہ آیا۔ اور جب تیسرے دن اُس مقام پر پہنچے جہاں انہوں نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی تھی۔ تو آپ کو وہیں منتظر پایا۔ اُن کی اس وعدہ خلافی پر آپؐ کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا۔ صرف اس قدر فرمایا کہ ''تم نے مجھے زحمت دی میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں'' (سنن ابوداؤد) اور دیگر صحابی بھی بیان کرتے ہیں کہ وہ لوگ آپؐ کے ساتھ تجارتی کاروبار میں شریک ہوتے تھے۔ اور آپؐ ہمیشہ حسن معاملت کو اختیار فرماتے تھے۔ تجارت کی غرض سے شام، بصریٰ اور یمن کے کئی سفر آپؐ نے فرمائے تھے۔

آپ اپنی دیانت اور صداقت کے باعث صادق وامین کہلاتے تھے۔ بی بی خدیجہ نے بھی آپؐ کی شہرت اور تجارت میں تجربہ دیانت کا حال سنا تھا۔ انہوں نے آپ کے ہاں کہلا بھیجا کہ مال تجارت لے کر آپؐ ملک شام جائیں اور خدیجہ آپؐ کو اوروں کی بہ نسبت مضاعف معاوضہ دیں گی۔ آپؐ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور مال تجارت لے کر بصریٰ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں بی بی خدیجہ کا غلام میسرہ بھی آپؐ کے ساتھ تھا۔ اس نے آپؐ کے اخلاق و عادات خود مشاہدہ کئے اور واپس آ کر بی بی خدیجہ سے آپؐ کی بے مثل صفاتِ حسنہ کا تذکرہ کیا۔ وہ پہلے ہی آپؐ کی شہرت سن چکی تھیں اور اپنے غلام کے بیان سے اور زیادہ متاثر ہوئیں۔ اس واقعہ کے تین مہینے بعد بی بی خدیجہ نے آپؐ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ اُن کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور چچا عمرو بن اسد زندہ تھے۔ لیکن بی بی خدیجہ نے عرب کے دستور کے موافق خود ہی تمام مراتب کو طئے کیا۔ تاریخ مقررہ پر ابوطالب، حمزہ بن عبدالمطلب اور دیگر اکابر خاندان، بی بی خدیجہ کے مکان پر آئے اور پانچسو طلائی درہم مہر پر ابوطالب نے نکاح پڑھا دیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر شریف ۲۵ سال تھی۔ اور حضرت خدیجہؓ چالیس سال کی تھیں۔ حضرت خدیجہ اُس وقت بیوہ تھیں۔ اُن کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''تصدیق'' نومبر ۱۹۵۵ء)

عقیدۂ مہدیت

حضرت افضل المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی نبوت جس طرح مکمل ومنفرد ہے اسی طرح آپ کی لائی ہوئی شریعت بھی مکمل ومنفرد ہے۔ اس شریعت کے عقائد واعمال سب کے سب، حضرت خاتم الرسل ﷺ کے ارشادفرمودہ ہیں کہیں سے بھی کوئی عقیدہ یا عمل مستعار لیا ہوا نہیں ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مہدیت کا عقیدہ یہودیت یا عیسائیت سے لیا گیا ہے وہ عقائد اسلام سے بے خبر ہیں، مہدیت کا عقیدہ راست طور پر احادیث نبویہ سے ماخوذ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے احادیث مہدیؑ کو آنحضرت صلعم سے روایت کیا ہے اور تابعین رحمۃ اللہ کو پہنچایا، پھر ان حضرات نے آنے والوں کو سنایا، غرض اصحابؓ رسولؐ اور تابعین وغیرہ میں ان احادیث مبارکہ کا چرچا ہوتا رہا۔ جن اصحاب کرامؓ سے یہ احادیث مروی ہیں ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

حضرت عثمانؓ بن عفان، علیؓ بن ابی طالب، طلحہؓ بن عبیداللہ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حسینؓ ابن علیؓ، ام سلمہؓ ام حبیبہؓ عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عمرؓ ابوسعید خدریؓ جابرؓ بن عبداللہ، ابوہریرہؓ انسؓ بن مالک، عمارؓ بن یاسر، عوفؓ بن مالک، ثوبان مولی

رسول اللہ صلعم وغیرہ۔

ائمہ حدیث نے ان احادیث کو اپنی صحاح، سنن، معاجم، مسانید وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، امام احمد نے اپنی مسند میں ابن حبان نے اپنی صحیح میں حاکم نے مستدرک میں مصنف ابن ابی شیبہ میں کتاب الفتن میں نعیم بن حماد نے حلیہ میں، حافظ ابونعیم معاجم طبرانی، دار قطنی، ابوالعلی، بزار، ابن عساکر نے تاریخ میں ویلمی، بیہقی ابن سعد ابوعوانہ وغیرہ۔ بعض محدثین اور علمائے اہل سنت نے ان احادیث کے خاص مجموعے تیار کئے ہیں۔ مثلاً العقد الدرر فی احادیث المہدی المنتظر مولفہ فاضل العلامہ یوسف بن یحییٰ بن علی المقدسی الشافعی، العُرف الوردی فی اخبار المہدی مولفہ علامہ حافظ جلال الدین سیوطی، القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر علامہ شیخ ابن حجر ہیتمی الشافعی، البرہان فی علامات مہدی آخر الزماں مولفہ ملا علی متقی، المشرب الوردی فی مذہب المہدی مولفہ ملا علی قاری وغیرہ۔ ان تمام احادیث پر نظر کرنے کے بعد علماء اہل سنت نے بتایا کہ مہدی علیہ السلام کے متعلق جو جو احادیث حضرت رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں وہ تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ باب الساعۃ میں لکھتے ہیں۔" **قد وردت فيه الاحاديث كثيرة متواتره المعنى** "یعنی مہدی علیہ السلام کے متعلق متواتر المعنی کثیر احادیث وارد ہیں۔

علمائے حدیث اور علمائے اصول کا مقررہ ضابطہ ہے کہ خبر متواتر سے ایسا قطعی ویقینی علم حاصل ہوتا ہے کہ آدمی اس کے ماننے پر مجبور ہے۔ اس کا رد کرنا ممکن نہیں ہے۔ اصول الشاشی میں لکھا ہے کہ" **ثم المتواتر يوجب العلم القطعي ويكون رده كفر** " (ترجمہ) متواتر موجب علم قطعی ہے اور اس کا رد کرنا کفر ہے۔ اصول حدیث کا ایک ضابطہ ہے کہ اخبار متواتر کے راویوں کے ضعف وقوت سے بحث نہیں کی جاتی۔ چنانچہ شرح نخبۃ الفکر میں مذکور ہے کہ" **والمتواتر لا يبحث عن رجاله بل يجب الحمد به من غير بحث لا يجا به اليقين** " (ترجمہ) متواتر کے راویوں کے اوصاف سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ بغیر بحث کے اس پر عمل کرنا واجب ہے کیونکہ وہ موجب یقین ہے۔ اس تصریح سے ظاہر ہوا کہ حضرت مہدی علیہ السلام سے متعلق احادیث، تواتر معنوی رکھتی ہیں۔ اور حسب اصول حدیث، حدیث متواتر کے راویوں سے بحث نہیں کی جاتی اور حدیث متواتر سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے جو موجبِ یقین وعمل ہے۔ لیکن عقیدۂ مہدیت پر بحث کرنے والے علمائے اہل سنت کے اصول وضوابط کو نظر انداز کردیتے ہیں۔

ہندوستان میں علمائے متاخرین میں سے شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی نے" رسالہ علاماتِ قیامت" مرتب فرمایا۔ اس رسالہ میں مہدی علیہ السلام کے متعلق احادیث کو اپنی ترتیب پر بیان کیا ہے۔ لکھا ہے کہ عیسائی حکومت خیبر (مدینہ منورہ کے قریب) تک پہنچ جائے گی۔ تب خود مسلمان حضرت مہدی کو تلاش کریں گے۔ مہدی مکہ معظمہ چلے جائیں گے، مسلمان آپ کو پالیں گے۔ فوج جمع کریں گے۔ اور فتوحات حاصل کریں گے وغیرہ۔ لیکن زمانہ حال کے محدث بدر عالم صاحب میرٹھی ثم مدنی تلمیذ خاص محدث انور شاہ

صاحب کشمیری نے رسالۂ علامات قیامت میں حضرت مہدیؑ کے متعلق احادیث کی ترتیب وغیرہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

''یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ شاہ صاحب موصوف نے (مہدیؑ کی) تمام سرگذشت کو حدیثوں کی روشنی ہی میں مرتب فرمائی ہے۔ جیسا کہ احادیث کے مطالعہ سے واضح ہے۔ مگر واقعات کی ترتیب اور بعض جگہ ان کی تعین' یہ دونوں باتیں خود حضرت موصوف ہی کی جانب سے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث وقرآن میں جو قصص وواقعات بیان کئے گئے ہیں خواہ وہ گذشتہ زمانہ سے متعلق ہوں یا آئندہ سے ان کا اسلوب بیان تاریخی کتابوں کا سا نہیں...... قرآن وحدیث کا اسلوب بیان ہی وہ نہیں جو آج ہماری تصانیف کا ہے۔ تو پھر حدیثوں میں اسکو تلاش ہی کیوں کیا جائے؟ نیز جب ان متفرق ٹکڑوں کی ترتیب صاحب شریعت نے خود بیان ہی نہیں فرمائی تو اس کو صاحبِ شریعت کے سر کیوں رکھ دیا جائے؟ لہٰذا اگر اپنی جانب سے کوئی ترتیب قائم کرلی گئی ہے تو اس پر جزم کیوں کیا جائے؟ ہوسکتا ہے کہ جو ترتیب ہم نے اپنے ذہن سے قائم کی ہے حقیقت اس کے خلاف ہو...... امام مہدی کی حدیثوں کے سلسلہ میں نہ تو ہر گوشہ کی پوری تاریخ معلوم کرنے کی سعی کرنی صحیح ہے اور نہ صحت کے ساتھ منقول شدہ منتشر ٹکڑوں میں جزم کے ساتھ ترتیب دینی صحیح ہے۔'' (ترجمان السنۃ مطبوعہ دہلی جلد چہارم صفحہ ۳۷۶)

خلاصۂ تحریر یہ ہے کہ عقیدۂ مہدیت اسلامی عقیدہ ہے' علمائے اہل سنت نے احادیث مہدی کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ تواتر کی وجہ سے علم قطعی اور یقینی حاصل ہوتا ہے۔ احادیثِ مہدی کا بیان متفرق طور پر ہوا ہے۔ واقعات کی ترتیب محدثین کی قیاسی اور ظنی ہے۔ اس ترتیب پر جزم نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بھی ضابطہ ہے کہ ضعیف روایتوں کے اخبار مغیب' جب واقعات کی صورت میں ظاہر ہوجائیں تو وہ روایت قوی ہوجاتی ہے۔ مشیت ایزدی کے مطابق ملک عرب (اور ہندوستان) کے مشرق میں شہر جونپور میں شرقیوں کی اسلامی سلطنت میں حضرت سید محمد بن سید عبداللہ کا ظہور ہوا۔ آپ نے بادشاہ حسین شرقی کے ساتھ گوڑ کے جہاد میں شرکت فرمائی۔ پھر فیضان ولایت محمدی تقسیم کرتے ہوئے ہندوستان سے ملک عرب تشریف لے گئے۔ حج ادا کر کے دعوئ مہدیت کیا پھر ہندوستان واپس ہوئے۔ گجرات میں ۹۰۵ھ میں دعویٰ موکد کیا۔ پھر سندھ وخراسان تشریف لے گئے۔ اپنے سارے سفر کے دوران مخلوق کو توحید باری کی تعلیم دی۔ دیدار خالق کی طرف بلایا۔ فرہ علاقۂ افغانستان میں واصل بالحق ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ ''منصف'' ۱۵؍جنوری ۱۹۸۷ء ونورحیات فبروری ۱۹۸۷ء)

مقصود بعثت

امام آخرالزماں خلیفۃ الرحمٰن حضرت میراں سید محمد جونپوری ہدی موعود صلوٰۃ اللہ علیہ کا پانچسو ستاون واں یوم ولادت ۱۴؍جمادی الاول ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۷؍فبروری ۱۹۸۴ء جمعۃ المبارک کو واقع ہوا ہے۔ آپ کا یہ ظہور تمام طالبانِ ذات مطلق کے لئے نہایت مبارک

ومسعود ہے کیونکہ آپ نے تمام تشنگانِ دیدار محبوب ازلی کو اپنی ربانی رشد وہدایت سے واصل بالحق اور بہرہ ولایت محمدی سے سیراب کیا اوراسی دنیا میں حسن مطلق یعنی جمال رب ذوالجلال سے روشناس کیا۔آپ نے اپنی بعثت کا مقصدان الفاظ میں بیان فرمایا تھا کہ

آمدن بندہ بردلھا شدہ است

نہ بر کیوت ونہ بر گفتار

(نقلیات میاں سید عالمؒ صفحہ ۴۵)

یعنی بندہ کا آنا دلوں کی اصلاح کے لئے ہوا ہے لباس اور گفتار (یعنی ظاہر کوسنوارنے کے لئے) نہیں۔مطلع الولایت میں مذکور ہے کہ وقت وصال اپنے علاقہ مندوں میں سے حضرت ملک گوہر مہاجرؓ سے فرمایا ہے۔

ملک گوھر بندہ را خدا تعالیٰ برائے پاک کردن دل فرستادہ است ھیچ قرار وآرام مگیرید (صفحہ ۱۱۱) یعنی ملک گوہر بندے کوخدا تعالیٰ نے دل پاک کرنے کے لئے بھیجا ہے۔کچھ قراراور آرام نہ لو(تاوقتیکہ اپنے دل کودنیا کی گندگی سے پاک نہ کرلو) آپؑ کے کلام صداقت التیام کی تائید میں ذیل کی حدیث حضرت رسول انام صلوٰۃ اللہ علیہ ایک دلیل روشن ہے۔

عن ابی عبد اللہ النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال سمعت رسول اللہ یقول الا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسدا الجسد کلہ الا وھی القلب (رواہ البخاری ومسلم) ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خودسنا ہے کہ خوب سن لوکہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے کہ اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔وہ گوشت کا لوتھڑا انسان کا دل ہے۔(متفق علیہ)

دل کی اہمیت اسی لئے ہے کہ اعمال کا مداراحکام قلب پر ہے دل جس بات کی (چاہے اچھی اور نیک ہو یا بری اور بد ہو) خواہش کرے۔اعضاء جسم اسی کی تعمیل وتکمیل میں فوراً لگ جاتے ہیں۔آنکھیں اسی کو دیکھنا چاہتی اورکان اسی کی آواز کوسننا چاہتے ہاتھ اسی کو لینے کے لئے بڑھتے اوراسی کی طرف پاؤں بھی روانہ ہونا چاہتے ہیں۔دل کی خواہش ان اعضاء کواس کے کرنے پر مجبور کردیتی ہے۔ایمان واعتقاد جو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔دل ہی سے متعلق ہیں۔اسی طرح کفروانکار بھی دل کی کجی سے پیدا ہوتے ہیں جیسی نیت دل میں آئے گی عمل اسی کے مطابق ہوگا۔اسی لئے حدیث میں ارشاد ہورہا ہے کہ ایمان وعمل کا سدھر جانا دل ہی پر منحصر ہے۔اسی طرح کفراور بدعملی کا ارتکاب بھی دل کے بگڑنے کا نتیجہ ہے۔

دنیا میں جس قدرعمل کئے جاتے ہیں ان کا یوم حشر حساب ہوگا۔لیکن حق تعالیٰ اس عمل کے مرتکب کی صورت اور مال پر توجہ نہیں فرمائیں گے بلکہ اس کے قلب اورعمل پرنظر ڈالی جائے گی جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہورہا ہے۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم ولکن انما ینظر الی قلوبکم و اعمالکم (رواہ مسلم عن ابی ہریرہؓ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں (اوراعمال ظاہری) اوراموال کونہیں دیکھتے لیکن تمہارے قلوب اوراعمال کودیکھتے ہیں۔

اسی مضمون کوحضرت مہدی موعودعلیہ السلام نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ

خدا تعالیٰ ہم چناں نخواھد پرسید کہ پسر احمد است یا محمد است حق تعالیٰ عمل بامحبت خواھد پرسید (انصاف نامہ)

ترجمہ: خداتعالیٰ اسی طرح نہ پوچھے گا کہ احمد کابیٹا ہے یامحمد کابیٹا ہے حق تعالیٰ عمل بامحبت کاسوال کرے گا۔

سعادت ازلی کی موافقت میں جب حق تعالیٰ کسی بندے کی ہدایت فرماتے ہیں تو اسلام کے لئے اس کا سینہ کھول دیتے ہیں۔اس حقیقت کوحضرت خاتم الانبیاءؑ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام فقال رسول اللہ ﷺ ان النورا ذا دخل الصدر انفخ . فقیل یا رسول اللہ ھل لتلک من علم یعرف بہ قال نعم التجا فی من دار الغرور و الانابۃ الی دار الخلود و الامتعدا دللموت قبل نزولہ (شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے یہ آیت تلاوت کی کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے۔اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ پھراس کی یہ تفسیر فرمائی کہ نور ایمانی جب مسلمان کے سینہ میں داخل ہوجاتا ہے تو وہ پھیلنا شروع ہوتا ہے۔آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ اس کی کوئی علامت بھی ہے جس سے یہ معلوم ہوسکے فرمایا ہے دنیا سے بیزاری، آخرت کی طرف توجہ اورموت کے لئے اس کی آمد سے قبل تیاری

حدیث شریف میں آیت قرآنی **فمن یرد اللہ** الخ میں بندے کی بھلائی کے لئے اسلام کی رغبت کی توفیق دیئے جانے کا ذکر ہے۔لیکن اسی کی مفصل آیت بھی نہایت قابل غور ہے جس میں ارشاد ہورہا ہے کہ **وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا** (سورہ انعام آیت ۱۲۶) اورجس کے لئے ارادہ کرتا ہے کہ اس کوگمراہی میں چھوڑدے اس کا سینہ تنگ اورگھٹا ہوا کردیتا ہے۔ان آیات شریفہ سے ظاہر ہوا کہ اسلام یا کفر دونوں کا تعلق بھی قلب انسانی سے ہے۔ایک کوقبول کرنے سے قلب میں کشادگی پیدا ہوتی ہے اوردوسرے کواختیار کرنے سے تنگی اور جیسا کہ حدیث شریف میں واضح فرمایا گیا ہے کہ کشادگیٔ قلب کا نشان دنیا سے بیزاری ہے۔اسی طرح تنگی صدراورکفر کی علامت دنیا سے محبت ثابت ہوتی ہے۔جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ **مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝** (سورہ نحل آیت ۱۰۶۔۱۰۷)

ترجمہ: وہ جس کا سینہ کفر پر کھل جائے تو ان پر اللہ کی طرف سے غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حیات دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے دراصل اس کا سینہ کفر اختیار کرنے کے لئے کشادہ ہوجاتا ہے۔ پھر اسے ربانی ہدایت نہیں ملتی اور وہ سخت عذاب کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اسی حقیقت کو امام آخرالزماںؑ نے نہایت جامع الفاظ میں بیان فرمایا کہ

وجود حیات دنیا کفر است (انصاف نامہ) ترجمہ: حیات دنیا کا وجود کفر ہے۔

مطلب یہ کہ اگر انسان اس کفر میں مبتلا ہے تو آخرت میں اس کو خسارہ ہوگا۔ لہٰذا وہ ترک حیات دنیا کرے تاکہ آخرت کے نقصان سے بچ جائے۔ اس ترک کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے قلب کے رجحان کی اصلاح کرے کیونکہ ایمان' اعتقاد اور عمل کا دارومدار قلب پر ہی ہے۔

روح' قلب اور نفس تینوں جسد انسانی کے اندر موجود ہیں۔ روح حکم حق ہے اور قوت فاعلہ ہے قلب ایک طرف روح سے مفصل ہوکر اس سے فیوض حاصل کرتا رہتا ہے۔ اور پھر یہی قلب' روحی تاثیرات کو نفس تک ارسال کرتا ہے۔ کیونکہ دوسری طرف قلب نفس سے متصل ہے۔ نفس ان تمام احکام کو اعضاء وجوارح جسم پر منتقل کرتا ہے اور جسم' حسب احکام بالاتعمیل امور میں مصروف ہوجاتا ہے۔ جس طرح روح اثر آفرین ہے اسی طرح جسم بھی تاثیر انگیز ہے۔ لیکن اس جسد انسانی کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ مثلاً تقاضہ غذا' آرام کی طلب' لباس کی ضرورت وغیرہ۔ جسم کی بقاء کے لئے غذا کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس لئے قدرت نے بھوک پیدا کردی تاکہ انسان غذا فراہم کرکے جسم کو باقی رکھے پھر تشفیٔ اشتہاء میں ایک لذت بھی رکھ دی تاکہ انسان غذا کی فراہمی کی دقتوں کو خوشی سے برداشت کرے اسی طرح آرام بھی ضروری ہے اور حق تعالیٰ نے رات کا وقت پیدا کردیا تاکہ انسان نیند لے لے تو تازہ دم ہوکر اٹھے۔ اسی طرح جسم کو سردی گرمی سے بچانے کے لئے لباس اتارا گیا اور اس میں ایک زینت بھی رکھی گئی تاکہ انسان خوشی خوشی جسم کو ڈھانکنے کا سامان حاصل کرے۔

غذا میں لذت آرام میں راحت' لباس سے زینت حاصل ہوتی ہے۔ اور ان سب کو فوائد فی الفور حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے انسانی توجہ اپنی چیزوں کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل ہوجاتی ہیں۔ پس یہیں سے آفت شروع ہوتی ہے۔ ضرورت تو انسان کو سادہ غذا کی ہے لیکن اس نے لذت کے لئے طرح طرح کے مرغن طعام' ایسے ایجاد کئے کہ ہر روز ان ہی سے شکم پری بعضوں کا مقصد زیست بن گیا۔ حالانکہ سعدی شیرازی نے فرمایا تھا کہ

خوردن برائی زیستن وذکر کردن است

تو معتقد کہ زیستن از بھر خوردن است

(کھانا کھانا زندہ رہنے اور خدا کا ذکر کرنے کے لئے ہے۔لیکن تو اعتقاد رکھتا ہے کہ زندگی محض کھانا کھانے کے لئے ہے۔)

آرام پسندی اس قدر بڑھی کہ فرائض الٰہیہ پس پشت پڑ گئے۔لباس کا معیار اس قدر بڑھا یا کہ عزت وذلت کا معیار ہی خوش پوشی یا زشت پوش ہو گیا۔ان سب کی تکمیل کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔اس لئے زندگی کی ساری جدوجہد کا مقصود روپئے قرار پایا۔روپیہ کی طلب' ضرورت سے بڑھ کر عشق وجنون کی حد تک پہنچ گئی اور اس روپئے کے حصول کے ہر جائز وناجائز ذرائع اختیار کرنے میں کوئی جھجھک نہیں رہی۔

اس ساری تگ ودو کا نتیجہ یہ نکلا کہ جسم کی تاثیر میں اضافہ ہو گیا اور نفس وقلب دونوں بھی اس تاثیر کی زد میں آ گئے۔ چونکہ انسانی مٹی سے بنا ہے۔اس لئے خاک کی تاثیر نے اندھیرے اور تاریکی کو بڑھانے کا عمل کیا اور نفس میں تاریکی پھیل گئی اور یہی ظلمت بڑھ کر قلب پر چھانے لگی اور روح مجبوراً قلب ونفس کا ساتھ دینا پڑا۔نتیجہ یہ نکلا کہ انسان یہ بھول گیا کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔اس کی روح' کس نور کی کرن ہے۔پھر اسے کہاں لوٹ کر جانا ہے؟ یعنی انسان نے خدا کو بھلا دیا۔نیک اور مخلصانہ عمل کی اہمیت باقی نہ رہی' انسان صرف دنیا کا بندہ بن کر رہ گیا۔

قرآن مجید اسی حقیقت کو یوں آشکار فرماتا ہے کہ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا ۝ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا ۝ جس نے اپنے نفس کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے نفس کو خاک میں ملا دیا وہ خسارے میں رہا۔(سورہ شمس آیت ۱۰۔۹)

اس حکم الٰہی کی متابعت میں نفس کو پاک کرنا فرض قرار پایا اور نفس کی وہ عادتیں جن سے انسانی دنیاوی لوث میں مبتلا ہونے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔عمداً ترک کرنے کے قابل ہوتی ہیں۔اس **نفس امارہ بالسوء** (برائی کا شدت سے حکم دینے والا) سے لڑنا اور جہاد کرنا ضروری ہے تا کہ انسان آخرت کے خسارے میں نہ رہے۔حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے۔

عن فضالہ الکامل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المجاھد من جاھد من نفسہ فی طاعۃ اللہ (مشکوٰۃ) ترجمہ: حضرت فضالہؓ کامل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔نفس کی مخالفت مجاہدہ ہے اور یہ رفتہ رفتہ عمل میں لائی جاتی ہے۔اور نفس کی مخالفت کا ثمرہ ایک مدت گذرنے پر برآمد ہوتا ہے۔یعنی نفس پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

محدث بیہقی نے کتاب الزہد میں حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک جماعت غازیوں کی آئی۔آپؐ نے فرمایا تمہارا آنا بہت خوب ہے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف۔عرض کیا گیا کہ جہاد اکبر کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا بندہ کا مجاہدہ کرنا اپنی نفسانی خواہش کے ساتھ۔

اس حدیث میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ جہاد نفس' جہاد کفار سے بھی افضل ہے کیونکہ کافروں سے لڑنا جہاد نفس پر مبنی ہے۔

گذشتہ سطور سے ظاہر ہے کہ مطالبات جسم میں مبالغے سے سب سے پہلے نفس متاثر ہوتا ہے پھر قلب۔ نفس میلا ہو جاتا ہے اور قلب پر زنگ چڑھ جاتا ہے۔ ان کو آفتوں سے بچانے کے لئے اسوۂ رسولؐ وصحابہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضور کے ساتھ نکلے۔ آپؐ انصار کے کسی باغ میں تشریف لے گئے اور آپؐ نے کھجور چننا اور کھانا شروع کیا اور مجھ سے فرمایا اے ابن عمر، تمہیں کیا ہوا کہ تم نہیں کھاتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے خواہش نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے تو اس کی خواہش ہے اور اگر میں چاہوں تو اللہ پاک سے دعا کروں کہ وہ مجھے کسریٰ اور قیصر جیسا ملک دیدے۔ اے ابن عمر تیرا کیا حال ہوگا جب کہ تم ایسی قوم میں باقی رہو گے جو اپنے سال بھر کا رزق ڈھانپ کر رکھیں گے؟ اور یقین کمزور پڑ جائے گا (حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں) بس خدا کی قسم ابھی ہم وہاں سے نہیں نکلے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ٥ (سورہ عنکبوت آیت ٦٠) ترجمہ: اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی ان کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ پاک نے مجھے دنیا کو جمع کرنے کا اور خواہشات کے اتباع کا حکم نہیں دیا۔ جس آدمی نے دنیا کو باقی زندگی کے لئے جمع کیا (اسے معلوم ہونا چاہئے) حیات اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے سن لو کہ میں ایک دینار اور ایک درہم کو بھی جمع نہیں کرتا اور کل کے لئے رزق چھپا کر نہیں رکھتا۔ (ترغیب)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس ایک پیالہ لایا گیا جس میں دودھ اور شہد تھا آپؐ نے فرمایا کہ تم نے اس دو پینے کی چیز کو ایک بنا دیا اور دو سالن ایک پیالے میں؟ (یعنی ان میں سے ہر ایک پینے اور سالن کے کام آسکتا ہے) فرمایا۔ مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں سن لو میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ حرام ہے۔ لیکن مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن مجھ سے دنیا سے بچے ہوئے کے بارے میں سوال کریں۔ میں اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہوں اور جس نے اللہ کے لئے فروتنی اختیار کی اللہ اسے بلندی دے گا۔ اور جس نے تکبر کیا اللہ اسے گرائے گا۔ اور جس نے میانہ روی اختیار کی اسے اللہ بے پروائی بخشے گا اور جو موت کو زیادہ یاد کرے گا اللہ اس کو دوست رکھے گا۔ (طبرانی)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار چٹائی پر سو رہے تھے جب آپؐ اٹھے تو آپ کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑ گئے تھے یہ دیکھ کر ابن مسعودؓ بولے یا رسول اللہ اجازت ہو تو ہم آپ کے لئے ایک بچھونا تیار کرلیں۔ آپ نے فرمایا مالی والدنیا وما انا والدنیا الا کراکب استظل تحت شجرة ثم راح وترکھا ترجمہ: مجھے دنیا سے کیا کام۔ میری اور دنیا کی مثال بس اس مسافر سوار کی سی ہے جو درخت کے سائے کے نیچے ذرا سی دیر بیٹھے پھر اس کو چھوڑ کر چل دے (احمد وغیرہ)

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے جسم کا بعض حصہ (شفقت کے انداز میں) پکڑ کر فرمایا کن فی

الدنیا کانک غریب او عابر سبیل بدنفسک فی اھل القبور ترجمہ: دنیا میں اس طرح (زندگی) بسر کرو جیسے تم ایک مسافر ہو اور مسافر بھی وہ جو منزل طئے کر رہا ہو اور نفس کو ایسا سمجھو جیسے قبر کا مردہ (بخاری شریف)

حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے پانی طلب کیا۔ آپ کے پاس پانی اور شہد لایا گیا جب آپ نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا تو آپؓ رو دیئے اور بڑی بلند آواز سے روئے۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ کو کچھ ہو گیا ہے۔ ہم لوگوں نے آپ سے پوچھا نہیں۔ جب آپؓ فارغ ہو گئے تو ہم نے عرض کیا کہ اے خلیفہ رسول اللہ آپ کو کس چیز نے اس رونے پر آمادہ کیا۔ فرمایا۔ ایک مرتبہ میں حضورؐ کے ہمراہ تھا۔ اچانک میں نے آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ اپنے پاس سے کسی چیز کو دفع کر رہے ہیں اور مجھے کوئی چیز دکھائی نہ دی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ وہ کیا چیز ہے کہ میں آپؐ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس کو دفع فرما رہے ہیں اور مجھے کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ آپؐ نے فرمایا دنیا نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے کہا ہٹ! مجھ سے دور ہو تو دنیا نے کہا۔ لیکن آپ تو مجھے پکڑنے والے نہیں (دوسری روایت) حضور نے فرمایا دنیا مجھ سے ایک جانب ہٹ گئی اور دنیا نے کہا۔ اگر آپ مجھ سے چھوٹ گئے ہیں تو آپ کے بعد والے مجھ سے نہ چھوٹ سکیں گے حضرت ابوبکر نے فرمایا مجھ پر بڑا بار گذرا اور میں ڈرا (اس کے پینے سے) ایسا نہ ہو کہ میں نے امیر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور دنیا مجھ سے ملی ہو۔ (ترغیب)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھا۔ دریافت فرمایا یہ درہم کیا ہے؟ میں نے عرض کیا میں ارادہ کر رہا ہوں کہ اپنے گھر والوں کے لئے اس کا گوشت خریدوں۔ ان لوگوں کو گوشت کھانے کی بڑی خواہش پیدا ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کیا یہی بات ہے؟ کہ جب کبھی تم کو کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے تم اس کو خریدتے ہو تم سے یہ آیت کہاں چلی گئی؟ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (سورہ الاحقاف آیت ۲۰) ترجمہ: تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے ہو۔ (حاکم و بیہقی)

شرجیل بن مسلم فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ لوگوں کو تو خلافت کے مطابق کھانا کھلاتے تھے اور خود گھر میں جاتے سرکہ اور روغن زیتون سے کھانا تناول فرماتے (احمد)

حضرت مجمع بن سمعان تیمیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنی تلوار لے کر بازار گئے اور فرمایا کون مجھ سے میری یہ تلوار خریدتا ہے؟ اگر میرے پاس چار درہم ہوتے جس سے میں ازار خرید لیتا تو اسے نہ بیچتا (فی البدایہ)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام صفا پہاڑی پر تھے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اے جبرئیلؑ اس ذات کی قسم! جس نے تم کو حق دے کر بھیجا آج شام کو محمد کے گھرانے میں اتنا آٹا بھی نہیں جسے کوئی پھانک لے اور نہ کوئی مٹھی جو کی ہے۔ ابھی آپؐ کی یہ بات ختم ہونے نہ پائی تھی کہ آپؐ نے آسمان سے ایک دھماکہ کی آواز سنی اس آواز نے

آپ کو گھبرادیا۔آپؐ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے قیامت کے قائم ہونے کا حکم دے دیا؟ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا نہیں۔لیکن جب اللہ پاک نے آپ کی وہ بات سنی حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا ہے وہ آپؐ کی طرف آرہے ہیں۔اتنے میں حضرت اسرافیلؑ آئے اور کہا۔اللہ پاک نے جو کچھ آپ نے فرمایا ہے سن لیا ہے اور مجھے آپؐ کی خدمت میں زمین کے خزانوں کی چابیاں دے کر بھیجا ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں آپؐ پر یہ بات پیش کروں کہ آپ کے لئے تہامہ کے پہاڑوں کو زمرد یاقوت' سونے اور چاندی سے بدل دوں۔اگر آپ چاہیں تو ایسا کردوں۔اب آپؐ کو اختیار ہے۔آپؐ نبی اور بادشاہ ہونا چاہتے ہیں یا آپ یہ چاہتے ہیں کہ نبی اور بندے رہیں۔حضرت جبرئیلؑ نے آپ کی طرف اشارہ کیا کہ آپ تواضع اختیار کیجئے۔تب آپؐ نے فرمایا میں تو نبی اور اللہ کا بندہ رہنا چاہتا ہوں اور یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔(ترغیب)

حضرت عمرو بن عوف انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو بحرین اس لئے روانہ کیا کہ وہاں سے جزیہ وصول کریں۔ چنانچہ یہ وہاں سے جزیہ کا مال وصول کر کے لائے۔انصار کو حضرت ابوعبیدہؓ کی آمد کا پتہ چلا تو سبھی فجر کی نماز میں حضورؐ کے ساتھ جمع ہوگئے۔ جب آپؐ نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو یہ حضرات آپؐ کے سامنے آئے آپ نے جب انہیں دیکھا تو مسکرادیئے پھر فرمایا۔میرا گمان ہے کہ تم لوگوں نے سن لیا ہے کہ ابوعبیدہؓ بحرین سے کچھ لائے ہیں۔حضرات صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ آپؐ نے فرمایا۔تم لوگوں کو بشارت دیتا ہوں اور تم لوگ اس چیز کی امید رکھو جو تمہیں خوش کردے گی پس خدا کی قسم میں فقر کا تم لوگوں پر اندیشہ نہیں کرتا۔لیکن مجھے اندیشہ ہے اس بات کا کہ دنیا تمہارے اوپر پھیل جائے گی۔جس طرح کہ تم سے پہلوں پر دنیا پھیلی اور تم بھی دنیا کی طرف مائل ہوجاؤ گے جس طرح کہ پہلے لوگ اس کی طرف مائل ہوئے۔پس یہ دنیا تم کو ہلاک کردے گی جیسا کہ ان لوگوں کو ہلاک کردیا۔

حضرت عوفؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابؓ میں کھڑے ہوکر فرمایا۔فقیری سے تم لوگ ڈرتے ہو۔یا دنیا نے تم کو مبتلائے رنج کررکھا ہے۔بے شک اللہ پاک تمہیں فارس وروم پر فتح دے گا اور دنیا تمہارے اوپر بھی پھرے گی یہاں تک کہ میرے بعد اگر تم لوگ کج رفتار ہوئے تو (اس) کج رفتاری (مخالف سنت) پر سوائے اس دنیا کے کوئی اور چیز نہ لگائے گی۔(طبرانی)

ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جب کہ قومیں تم پر حملہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی جیسا کہ دعوت پر دسترخوان والے ایک دوسرے کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں۔اس پر ایک شخص نے بڑے تعجب سے پوچھا۔کیا اس لئے کہ اس وقت ہماری تعداد بہت کم ہوگی؟ آپ نے فرمایا نہیں۔تمہاری تعداد بہت بڑی ہوگی مگر اس طرح بیکار ہوگے جیسے پانی کے رو کے سطح پر جھاگ ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ تمہاری ہیبت تمہارے دشمنوں کے دلوں سے نکال دے گا۔اور تمہارے دلوں

میں الوھن ڈال دے گا۔ایک شخص نے پوچھا یارسول اللہ الوھن کیا چیز ہے۔فرمایا دنیا کی محبت اور موت کی نفرت۔(ابوداؤد' بیہقی)

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **ماذئبان جائعان ارسلا فی غنم ما فسوا من المرود علی المال و الشرف لدینه** (ترمذی)

ترجمہ: دوبھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلے پر چھوڑ دیئے جائیں تو اس گلے کو اتنا تباہ نہیں کرتے جتنا مال کی حرص اور جاہ اس کے دین کو تباہ کردیتے ہیں۔

واضح ہو کہ لوگوں کے دلوں کا مسخر ہو جانا جس سے وہ لوگ اس کی تعظیم کریں' جاہ کہلاتا ہے۔یعنی جاہ دوسروں کی نظروں میں معزز ہو جانے کا نام ہے۔ایک جاہ تو وہ ہے جو خدا کی طرف سے ہو لیکن دوسری جاہ' جو مضر ہے وہ انسان کی اپنی خواہش کے تحت ہے۔ اس سے دین اور دنیا دونوں میں نقصان ہوتا ہے۔دینی ضرر تو یہ ہے کہ جب آدمی دیکھتا ہے کہ دنیا مجھ پر فدا ہے تو اس میں عجب وکبر پیدا ہو جاتا ہے۔آخر کار اسی عجب (خود پسندی) اور تکبر کی وجہ سے برباد ہو جاتا ہے۔دنیا کا ضرر یہ ہے کہ مشہور آدمی کے حاسد بہت پیدا ہو جاتے ہیں اور اسے خطرات میں مبتلا کردیتے ہیں۔جو لوگ حب جاہ سے دور رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بشارت دی ہے کہ آخرت میں ان کو اعلیٰ مقام ملے گا۔چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ **تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ** o ترجمہ: وہ جو دارالآخرت ہے ہم اس کو ان ہی لوگوں کے لئے (مخصوص) کریں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد انجام کار متقیوں کے لئے ہے۔(سورہ القصص آیت ۸۳)

آیت شریف سے متقیوں کی یہ علامت بھی واضح ہوئی کہ وہ **علو فی الارض** (دنیا کی بڑائی) نہیں چاہتے اور یہ بھی معلوم کئی ہوا کہ جو شخص دنیا کی بڑائی چاہتا ہے وہ کسی نہ کسی درجے میں عوام میں فساد ضرور کراتا ہے۔حالانکہ قرآن میں ارشاد ہو چکا ہے۔ **الفتنة اشد من القتل** (فتنہ وفساد ایک انسان کو قتل کردینے سے زیادہ شدید ہے) کیونکہ فسادات میں سینکڑوں بے گناہ زندگی سے محروم کردیئے جاتے ہیں لیکن عوام میں اپنا مقام حاصل کرنے والے کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی وہ فریقین کو لڑاتا پھر صلح وامن کے لئے آگے آتا ہے اس طرح وہ عوام کا لیڈر بن جاتا ہے اور دنیا میں اونچا مقام حاصل کرلیتا ہے۔لیکن اس بات کو بالکل بھول جاتا ہے کہ دنیا میں بڑائی کی طلب میں اس نے اپنی آخرت خراب کرلی ہے۔

علو اور جاہ کے برخلاف اسوہ نبوی میں تواضع کا سبق ملتا ہے۔چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ بازار گئے تاکہ پاجامے کے لئے کپڑے خریدیں۔ایک پاجامہ آپ نے چالیس درہم کا خریدا۔تاجروں کے پاس تولنے والا تھا آپؐ نے اس سے فرمایا تول اور جھکتا تول۔تولنے والے نے کہا یہ ایسا کلمہ ہے کہ میں نے اس کو کسی نے نہیں سنا۔تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے اس سے کہا۔تیرے دین کے بارے میں جہالت اور سختی کی یہی بات کافی ہے تو اپنے نبی ﷺ کو نہیں پہچانتا۔یہ سن کر اس

نے ترازو ڈال دی اور حضورؐ کے دست مبارک کی طرف جھپٹا۔ اس کا ارادہ تھا کہ آپؐ کے ہاتھ کو چومے۔ آپؐ نے اس سے اپنا ہاتھ علیحدہ کرتے ہوئے فرمایا یہ کیا ہے؟ ایسا کام تو عجم کے لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ میں بادشاہ نہیں ہوں میں تو تمہیں میں سے ایک ایک انسان ہوں۔ (ہیثمی)

سیرت حضرت خاتم النبیین ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے اسوۂ سے یہ امر اچھی طرح ظاہر ہوگیا کہ نفس اور قلب کو آلودگی سے بچانے کے لئے کیسی جدوجہد کی جاتی تھی۔ کیونکہ قلب کے بگاڑ سے ایمان بگڑ جاتا ہے اور نفس کی خرابی سے اعمال خراب ہوجاتے ہیں اور انہی دونوں کے ذریعہ شیطان انسان کو گمراہ کردیتا ہے۔ جنت سے خارج ہوتے ہوئے شیطان نے دعویٰ کیا تھا کہ

لَاُ زَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ o اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ o (سورہ حجر آیت ۳۹۔۴۰)

ترجمہ: میں زمین میں دنیاوی زندگی کو خوبصورت بنا کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔

اخلاص کا مطلب پاکی اور تزکیہ ہے۔ پس اللہ کے جو بندے اپنے نفس کو میل کچیل اور قلب کو زنگ سے پاک کرلیں۔ وہ شیطان کے حملے سے محفوظ رہیں گے ورنہ شیطان دنیا کو خوب صورت بنا کر دکھائے گا اور اس میں مبتلا ہونے کے لئے غلط استدلال پیش کرے گا اور ایک عام انسان شیطان کی دلیلوں کو قبول کرکے مبتلائے دنیا اور عذاب ہوگا۔ اس لئے امام آخرالزماں خلیفۃ الرحمٰن سید محمد مہدی موعود علیہ السلام نے نہایت شدت سے دنیا میں مبتلا ہونے سے روکا اور دل کو خالص کرکے خدا سے وابستہ ہونے کی تعلیم دی اور حقیقت میں یہ وہ راستہ ہے جو سیرۃ نبویؐ سے بخوبی ظاہر ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' فبروری، مارچ ۱۹۸۴ء)

مقصد بعثتِ مہدیؑ

انبیاء علیہم السلام، مخلوق کو راہ حق بتانے کے لئے مبعوث ہوتے رہے۔ یہ رہنمائی بنیادی طور پر تو ایک ہی تھی لیکن ملک، زمانہ اور قوم کے حالات کے لحاظ سے اس عام تعلیم میں بھی ایک خصوصیت ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح امام مہدی خلیفۃ اللہ کی بعثت بھی ایک مخصوص مقصد رکھتی ہے۔ اور جب تک اس مقصد بعثت کو کوئی سمجھ نہ لے۔ اس وقت تک اس پر حضرت سید محمد مہدی موعودؑ جونپوری کی مہدیت اور صداقت ظاہر نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ذیل میں حضرت الامامؑ کی تشریف آوری کے مقصد کو آپ ہی کے مبارک الفاظ (نقلیات) میں پیش کیا جاتا ہے۔

جس زمانہ میں حق تعالیٰ نے آپؑ کو مہدی موعود کے منصب پر فائز کرکے روانہ فرمایا۔ اس وقت اس دنیا کی جو کچھ حالت تھی

اُسے آپؑ نے خود ہی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ

نقلست میراں علیه السلام فرمودند خدائے تعالیٰ بنده را آن وقت فرستاد که در جهاں عمل دین برائے دنیا شده بود' نماز' روزه' حج وقرآن خواندن' ومشائخی گران وهمه عمل کردن برائے نصیب ونیا شده بود۔ برائے خدا هیچ کس عمل نه کردندے بنده را خدائے تعالیٰ برائے آن فرستاده که مردمان را راه خدا بنمائد۔ همه خلق تکذیب کردند ومومناں تصدیق کردند (صفحہ ۱۴۔ نقلیات میاں سید عالمؒ)

ترجمہ: نقل ہے حضرت مہدیؑ نے فرمایا خدائے تعالیٰ نے بندہ کو اس وقت بھیجا کہ تمام جہاں میں دین کے کام دنیا کے لئے ہو رہے تھے۔ نماز، روزہ، حج، قرآن خوانی اور مشائخی اور سب کام دنیا میں حصہ (مال وزر) پانے کے لئے ہو گئے تھے۔ خدا کے واسطے کوئی شخص عمل نہ کرتا تھا۔ بندہ کو خدائے تعالیٰ نے اس لئے بھیجا کہ لوگوں کو خدا کا راستہ دکھلائے۔ بہت سارے لوگوں نے جھٹلایا اور مومنوں نے تصدیق کی۔

اس نقل کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بعثت مہدیؑ کے زمانہ میں حصول دنیا ہی مقصد زندگی بن چکا تھا۔ سب سے بڑی عبرت ناک بات یہ ہے کہ اعمال مذہبی کا اجر بھی، دنیاوی معاوضہ کی شکل میں حاصل کرنے کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ مشائخین بھی باطنی رہنمائی کو دنیاوی دکانداری بنا چکے تھے۔ مختصر یہ کہ خدا کے واسطے کوئی شخص عمل نہ کرتا تھا جب یہ حالت انتہا کو پہنچ گئی تو دین صرف مجذوبوں میں باقی رہ گیا۔ (کیونکہ وہ دنیا سے بے تعلق ہوتے ہیں)

ونیز فرمودند که بنده را حق تعالیٰ بر خلق فرستاددر اعلام کرد که تمام عالم که دعویٰ دین اسلام می کند برسم وعادت وبدعت مشغول شده است وحقیقت و مقصود دینِ اسلام در ایشاں نمائده است مگر در مجذوبان (نقلیات بندگی میاں سید عبدالرشید رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: فرمایا کہ بندہ کو حق تعالیٰ نے مخلوق پر بھیجا اور اعلان کیا کہ تمام عالم جو دین اسلام (کی اتباع) کا دعویٰ کرتا ہے رسم وعادت وبدعت میں مشغول ہو چکا ہے۔ دین اسلام کی حقیقت اور مقصود ان میں باقی نہیں رہے اور ہے بھی تو صرف مجذوبوں میں۔

اہل اسلام کی اس بے راہ روی کے باوجود حق تعالیٰ نے ان پر بڑا احسان فرمایا اور دین کی نصرت کے لئے امام آخرالزماں خلیفۃ الرحمٰن کو مبعوث فرمایا۔ اور جیسا کہ مندرجہ بالا نقل (اول) میں مذکور ہے۔ آپ کی بعثت کا مقصد خداوند قدوس کی طرف مخلوق کی رہنمائی تھی۔

لیکن یہ رہنمائی مخصوص قسم کی تھی، یعنی حضرت مہدی موعودؑ نے دین کے باطنی احکام کی رہنمائی کی اور باطن کی انتہا کو طالبانِ مولیٰ کے لئے ابتداء قرار دیا یعنی دیدار خدا کی طلب فرض قرار پائی۔

نقلست حضرت میران فرمودند که خدائے تعالیٰ این بندہ را مہدی کردہ فرستادہ است برائی این راہ کہ حق تعالیٰ مر نبی را امر کردہ است کقولہ تعالیٰ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (سورۂ یوسف رکوع ۱۲)

ترجمہ:نقل ہے حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے اس بندہ کومہدی کر کے بھیجا ہے۔اس راستہ (کی دعوت) کے لئے جس کا حق تعالیٰ نے خاص کر نبیؐ کوحکم کیا ہے۔مانند اللہ تعالیٰ کے قول کے۔کہد واے محمدؐ یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں مخلوق کو خالق کی طرف بینائی پر میں اور میرا تابع (تام) (انصاف نامہ مطبوعہ صفحہ ۳۱۵)

اس نقل سے حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی بعثت کا مقصد ظاہر ہورہا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو منصب مہدیت پر فائز کرنے کے بعد اسی دعوت کو عام کرنے کا حکم دیا' جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص تھی۔قرآنی الفاظ میں وہ دعوت دعوت بصیرۃ ہے۔اس طرح معلوم ہوگیا کہ حضرت سید محمد مہدی علیہ السلام جونپوری کی بعثت دعوت بصیرۃ کے لئے ہوئی۔

مقصدِ بعثتِ مہدیؑ:

اس عنوان پر بہت کچھ خامہ فرسائی ہوچکی ہے لیکن ذیل میں بطریق دیگر اسی عنوان پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ مسلمانوں میں ایسے بھی ہیں جو وجود مہدی کے قائل نہیں' فی الحال اُن سے ہمیں بحث نہیں ہے۔البتہ قائلین وجود مہدیؑ کے بنیادی اعتقادات سے بحث کی جاتی ہے۔

قائلین میں تین جماعتیں ہیں۔(۱) مہدوی (۲) اہل سنت والجماعت (۳) شیعہ۔اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ آئندہ زمانے میں کسی وقت مہدیؑ پیدا ہوں گے۔مہدوی حضرات کہتے ہیں کہ حضرت مہدی موعودؑ۔قد جاء ومضٰی۔آمد وگذشت۔ شیعہ کہتے ہیں کہ مہدی پیدا ہوکر غار میں پوشیدہ ہوگئے ہیں کسی وقت ظاہر ہوں گے۔

(۱) اہل سنت حضرت مہدی کی بعثت اور اُن کے کارناموں کے بارے میں حسب ذیل اعتقاد رکھتے ہیں۔یہ اعتقاد محدث دہلوی کے رسالہ پر مبنی ہے۔

چنانچہ عمدۃ المفسرین سند المحدثین حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رسالۂ علاماتِ قیامت میں تحریر کرتے ہیں کہ''ایک زمانے میں مسلمانوں کا بادشاہ شہید ہوجائے گا اور عیسائی ملک شام پر قبضہ کرلیں گے۔اس کے بعد مسلمان امام مہدیؑ کی تلاش میں مشغول ہوجائیں گے۔حضرت امام مہدیؑ مدینہ منورہ میں ہوں گے مگر اس ڈر سے کہ مبادا لوگ مجھ جیسے ضعیف کو اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کی تکلیف دیں مکہ معظّمہ چلے جائیں گے۔اور اس درمیان میں کہ حضرت مہدی علیہ السلام رکن اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ہوں گے۔مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کو پہچان لے گی اور جراًوکرہاً آپ

سے بیعت کرلے گی۔ اس واقعہ کی علامت یہ ہے کہ اس سے قبل رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن لگ چکے گا۔ زبان مہدی میں قدرے لکنیت ہوگی جس کی وجہ سے تنگ دل ہوکر کبھی کبھی ران پر ہاتھ مارتے ہوں گے۔ آپ کی خلافت کے مشہور ہونے پر مدینہ کی فوجیں آپ کے پاس مکہ چلی آئیں گی۔ آپ اس خزانہ کو جو کعبہ میں مدفون ہے' جس کو تاج الکعبہ کہتے ہیں' نکال کر مسلمانوں پر تقسیم فرمائیں گے۔ ایک سفیانی مہدی علیہ السلام کے مقابلے کے لئے فوجیں بھیجے گا لیکن اس کی یہ فوج زمین میں دھنس جائے گی اس کے بعد عیسائی فوجیں لے کر آئیں گے۔ مہدی علیہ السلام مکہ سے شام کو روانہ ہوں گے تاکہ مقابلہ کریں۔ غرض کئی معرکوں کے بعد حضرت مہدیؑ کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر آپ قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے جائیں گے اور فتح کرلیں گے پھر دجال نکل آئے گا اُس سے مقابلہ کے لئے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

محدث صاحب نے کتب حدیث' ابوداؤد شریف اور مسلم شریف کا حوالہ دے کر اوپر کی روداد لکھی ہے اور تمام اہل سنت یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے مہدی علیہ السلام کے ظہور کے بارے میں اعتقاد کا خلاصہ ہے کہ وہ مدینہ میں پیدا ہوں گے کعبہ میں مجبوراً بیعت لیں گے۔ سفیانی اور پھر عیسائیوں کی فوج سے مقابلہ کریں گے' قسطنطنیہ کو فتح کریں گے اوان کے زمانے میں دجال ظاہر ہوجائے گا۔ وغیرہ۔

شیعہ حضرات کا اعتقاد ہے کہ حضرت مہدی بارہویں امام' ۱۵/شعبان ۲۵۵ھ مطابق ۸۷۰ء شہر شرمن رائے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حسن عسکری اور والدہ نرجس خاتون ہیں جن کو سوسن' ریحانے اور مریم بھی کہا جاتا ہے۔ جب آپ کی عمر پانچ سال ہوئی آپ کے والد انتقال کرگئے۔ شیعہ کہتے ہیں یہی منتظر' قائم اور مہدی ہیں۔

(تاریخ ائمہ صفحہ ۳۶۰' مولفہ حجۃ الاسلام مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ)

بادشاہ وقت آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے آپ پوشیدہ ہوگئے۔ مزید کہ آپ کی غیبت اس لئے واقع ہوئی کہ خداوند عالم ایک وقت معین پر آل محمد پر جو مظالم کئے گئے ہیں ان کا بدلہ امام مہدی کے ذریعہ لینا چاہتا ہے۔ یعنی آپ عہد اول سے لے کر بنی اُمیہ اور بنی عباس کے ظالموں سے مکمل بدلہ لیں گے۔ (صفحہ ۵۶۹۔ چودہ ستارے مولفہ نجم الحسن کراروی)

ظہور مہدی کے سلسلے میں علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب ''حق الیقین'' میں امام باقر سے ذیل کی روایت نقل کی ہے۔

''جوں قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیرون آید خدا اُو را یاری کند بملائکہ واول کسے که با اوبیعت کند محمد باشد بعد ازان علی (حق الیقین مطبوعہ ایران صفحہ ۱۳۹)

ترجمہ: جب قائم آل محمدؐ (یعنی مہدی) ظاہر ہوں گے تو خدا فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد کرے گا' اور سب سے پہلے اُن سے

بیعت کرنے والے محمد ہوں گے اور آپ کے بعد دوسرے نمبر پر علی اُن سے بیعت کریں گے۔

دوسری بات جو مہدی کے ذریعہ ہوگی علامہ مجلسی حق الیقین تحریر کرتے ہیں کہ

’’وقتی که قائم علیه السلام ظاهر فی شود' پیش از کفار ' ابتداء به سفیان خواهد کرد با علماء وایشان ' وایشان را خواهد کشت‘‘

ترجمہ: جب مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو وہ کافروں سے پہلے سُنیوں اور خاص کر اُن کے عالموں سے کاروائی شروع کریں گے اوران سب کو قتل کر کے نیست ونابود کردیں گے۔

عقیدۂ رجعت' اہل تشیع کا مخصوص عقیدہ ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ امام مہدی جب غار سے باہر آئیں گے تو اس وقت حضرت رسول اللہؐ اور امیر المومنین علیؑ سیدہ فاطمہ زہرہؓ حضرات حسنین اور ائمہ اہل بیت اور تمام خاص مومنین زندہ ہوکر اپنی قبروں سے باہر آئیں گے اور امام مہدی سے بیعت کریں گے اور پھر قائم آل محمدؐ دشمنان اہل بیت سے انتقام لیں گے۔ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ شیعوں کے مہدی علیہ السلامؑ اہل بیت کے دشمنوں کو نابود کرنے آئیں گے۔

گروہ مہدویہ میں نقل ہے کہ ’’**نیز فرمودند که مارا حق تعالیٰ فرستاده است مخصوص برائے ایں است که آن احکام وبیان که تعلق با ولایت محمدی دارد بواسطه مهدی ظاهر شود**‘‘

ترجمہ: نیز امامؑ نے فرمایا کہ ہم کو حق تعالیٰ نے مخصوص اس لئے بھیجا ہے کہ جو احکام و بیان کہ ولایت محمدی سے تعلق رکھتے ہیں مہدی کے واسطے سے ظاہر ہوں۔

رسالہ تسویت خاتمینؑ میں لکھا ہے کہ مصطفیٰؐ کی ذات مصطفیٰؐ کی ولایت ہے۔ مصطفیٰؐ کی ولایت سے مراد حق تعالیٰ سے کمال قرب ہے۔ یعنی ولایت محمدی سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا حق تعالیٰ سے کمال قرب ہے۔ اس کی وضاحت انصاف نامہ صفحہ ۳۲ کی نقل سے ہورہی ہے۔

ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پھر نزدیک ہوا اور پھر نزدیک ہوا پس دو کمانوں یا اس سے بھی قریب کا فاصلہ رہ گیا۔

حضرت مہدیؑ نے اپنی دونوں انگلیاں ایک دوسرے میں ملائیں اور فرمایا کہ محمد اور خدا ایسے (وصل) ہوگئے۔

حضرت سید محمد مہدی موعودؑ (جونپوری) کی بعثت کا مقصد ولایت محمدی کے فیضان سے امت محمدیہ کو بہرہ ور کرنا تھا۔ ہر مسلمان کو مصطفیٰ علیہ السلام کی ولایت کے فیضان کا طالب علم اور حصہ دار بنانا تھا کہ وہ شخص حق تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ بن جائے اور اس کو فلاح حاصل ہو۔

یہ بات منطقی اعتبار سے بھی صحیح ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ ''دین خدا'' لے کر مبعوث ہوئے تھے اور پھر مرورِ زمانہ کے لحاظ پیروانِ دین الٰہی میں انحطاط ہوجائے تو مہدیؑ کی بعثت ضروری ہوجاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہدیؑ آئے تو وہ یقیناً دین خدا کی نصرت کرے ٔ اُن کو دنیاوی فتوحات یا معاشرتی تعلقات یا مسائل اور انتقام لینا نہیں ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورولایت'' حضرت مہدی موعودؑ نمبر ۲۰۰۶ء)

دافع ہلاکت (اُمّتِ محمدیہ ﷺ)

امام مہدی علیہ السلام کی خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ آپ اُمتِ محمدیہ سے ہلاکت کو دور کریں گے۔ چنانچہ آپؑ کی یہ خصوصیت اس حدیثِ شریف میں بیان کی گئی ہے۔

کیف تھلک امة انا اولھا والمھدی وسطھا والمسیح آخرھا ولکن بین ذالک فیج اعوج لیسوا منی ولا انا منھم (رواہ رزین)

ترجمہ: وہ اُمت کیسے ہلاک ہوگی جس کی ابتداء میں، میں ہوں اور مہدی اس کے وسط میں اور مسیح اس کے آخر میں۔ لیکن اس کے درمیان غیر مستقیم لوگ ہوں گے جو نہ مجھ سے ہیں اور نہ میں اُن سے ہوں۔

کتب حدیث میں اس حدیث کی سند کو ''**سلسلة الذھب**'' کہا گیا ہے اور اس کے راوی حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ ہیں اور سنن نسائی میں یہ حدیث موجود تھی۔ اس لئے یہ صحیح حدیث ہے۔ آج مطبوعہ شکل میں جو سنن نسائی دستیاب ہے اُس میں یہ حدیث موجود نہیں ہے۔ لیکن قدیم کتب میں اس کا موجود ہونا ہمارے لئے کافی ہے۔

بہ نظرِ غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیثِ شریف میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں: (۱) ہلاکتِ اُمت (۲) اول، وسط اور آخر (۳) اور ایک ٹیڑھی جماعت کا وجود۔ ذیل میں ان تینوں باتوں پر بالاختصار بحث کی جاتی ہے۔

تاریخ الاُمم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سطح ارض پر متعدد قومیں نمودار ہوئیں اور اُن میں سے بہتوں کو ہلاکتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ان میں سے بعض قوموں کا تذکرہ تو قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ جیسے ثمود، عاد وغیرہ۔ اور ہلاک ہونے والی یہ قومیں ارضی وسماوی آفات کا شکار ہوگئیں۔ اور ان پر آفات ومصائب مختلف شکلوں میں نمودار ہوئے۔ جیسے زمین کا پھٹنا، زلزلے کا آنا، سیلاب کا اُمنڈنا، آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا برسانا، آندھیوں کا چلنا وغیرہ وغیرہ۔ غرض ان مصائب نے اکثر قوموں کو صفحہ ہستی سے مٹاڈالا۔ اور بعض قوموں کو تو اس حال میں چھوڑا کہ وہ ناقابل شمار ہوگئیں۔ خصوصاً اُن کا ورثہ بالکل باقی نہ رہا۔

لیکن تاریخ عالم میں اُمت محمدیہ کا معاملہ جداگانہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ محمدیہ کو خیرالاُمم بنایا اور شاہدِ اقوام عالم کے منصب پر فائز کیا ہے۔ اس لئے اس اُمت سے ہلاکت کو دور رکھنا لازم قرار پایا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے عین لطف وکرم سے

(۱) خیرالمرسلین، خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کو ابتدائے اُمت میں قائم فرمایا۔

(۲) امام مہدیؑ کو درمیانِ اُمت میں مقرر کیا اور اُمت کے آخر زمانہ کو

(۳) نزول مسیحؑ کے ذریعہ محفوظ کر دیا۔ الغرض بفضلہٖ تعالیٰ اُمتِ محمدیہ ہلاکت وفنا سے محفوظ وماموں ہوگئی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی ہلاکت ہے جس سے اُمّتِ محمدیہ کو تحفظ حاصل ہو چکا ہے اور وہ ہلاکتِ ظاہری تو نہیں ہوسکتی کیونکہ اُمّتِ محمدیہ جس پیام کی حامل ہے اُسے قیام قیامت تک باقی رہنا ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ یہ ہلاکت باطنی یا روحانی، مذہبی یا دینی ہے جس سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا گیا ہے۔

حدیث شریف کا دوسرے نکتہ اول۔ وسط اور آخر کے الفاظ پر مشتمل ہے اور اس نکتہ کا مطلب بھی جاننا ضروری ہے۔ ان میں سے ہر لفظ ایک خاص عہد کو بتلاتا ہے کہ جس کو عددوں میں محصور نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ عہدِ رسالت کی ضیاء پاشیاں ایک طویل دور پر چھائیں رہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ بولہبی تحریکیں بھی کام کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ تحریکِ اسلامی میں پژمردگی نمودار ہوگئی۔ پھر احیاء اسلام کے لئے حضرت مہدی موعودؑ کا ظہور ہوا۔ اس نشاۃ ثانیہ سے اسلام دوبارہ زندہ ہوگیا۔ اسی عہد کا نام عہدِ وسطیٰ ہے۔ اس بیان کی تائید ذیل کی حدیثِ شریف سے بھی ہوتی ہے۔

اذا خرج المهدی بای سیرة یسیر؟ قال یهدم ما قبله کما صنع رسول الله ﷺ و یستانف الاسلام جدیداً (عقدالدرر، سراج الابصار صفحہ ۲۱۴)

ترجمہ: جب مہدیؑ کا ظہور ہوگا تو کس سیرت پر چلیں گے تو اُنہوں نے فرمایا۔ اپنے سے پہلے کی ناسزا باتوں کی بنیادوں کو ڈھادیں گے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا، اور اسلام کو از سرِ نو قائم فرمائیں گے۔

بندگی میاں عبدالملک سجاوندی عالم باللہؒ نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ ”(مہدی موعود) بدعتوں کو دور کردیں گے اور اُن خطاؤں کو بھی جو مجتہدین سے اعمال وعقائد میں واقع ہوگئی ہیں۔ اور یہ امر اُن کی خصوصیتوں میں سے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور اس پر آنخضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ آخر زمانے میں دین کو اس طرح قائم کردیں گے جس طرح کے اول زمانے میں، میں نے اس کو قائم کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر مہدی موعود خطا کاروں کی خطا کا حکم نہیں فرمائیں گے تو وہ دین کو اس طرح قائم کرنے والے نہیں ہوں گے جس طرح کہ آنخضرت ﷺ نے قائم فرمایا تھا۔ پس معلوم ہوگیا کہ مہدی علیہ السلام جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں، مذہبوں کے درمیان بھی فیصلہ کرنے والے ہیں۔ اور منجملہ ان کے وہ روایت ہے جو مروی ہے حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے مہدی

موعودؑ کے قصہ کے ذیل میں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ مہدی موعود کسی بدعت کو بغیر مٹائے اور کسی سنت کو بغیر قائم کئے ہوئے نہ چھوڑے گا۔(عقدالدرر میں بھی اس طرح ہے)اور حضرت علیؓ کے اس ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود کرنے والا اور دوسروں کو اس کے کرنے کا حکم دینے والا ہوگا۔(صفحہ ۲۱۷' سراج الابصار) طبع اول

مندرجہ بالا مضمون پر مشتمل یہ نقل بھی بصیرت افروز ثابت ہوگی۔ **وھو ھذا**

قد نقل عن الامام المهدی الموعودؑ . ان الله بعث رسوله علی الکفار لیقلع الکفر ویظهر الاسلام فیکون الدین کله لله تعالیٰ کما قال الله تعالیٰ هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله . وبعثنا علی امة رسولنا لنکون هادیاً الی الله وعاملاً بکتاب الله وتابعاً لجیبه محمد. ویبعث عیسیٰؑ علیٰ قومنا المقرین بالهدویه ویوجد فیهم بعض البدعة فیدفع عیسیٰ البدعة فیو صلهم الی المقام المحبة والمودة بل یو صلهم الیٰ مقام المشاهدة والروية

ترجمہ: امام مہدی موعودؑ سے منقول ہے (آپ نے فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو کافروں پر مبعوث کیا تاکہ کفر کو جڑ سے اُکھیڑ دے۔ اور اسلام کو غالب کرے تاکہ سب پر اللہ کا دین غالب ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غالب کرے ہر دین پر۔ اور بھیجا ہم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی اُمت پر تاکہ ہم ہدایت کریں اللہ کی طرف' عمل کریں اللہ کی کتاب پر اور پیروی کریں اس کے حبیب محمدؐ کی۔ اور بھیجے گا اللہ تعالیٰ عیسیٰؑ کو ہماری قوم پر جو مہدوی ہونے کا اقرار کرے گی۔ ان میں بعض بدعتیں پائی جائیں گی جن کو عیسیٰؑ دور کریں گے اور اُن (مہدویوں) کو عشق ومحبتِ الٰہی کے مقام تک پہنچائیں گے۔ بلکہ اُن کو مقامِ مشاہدہ اور دیدار تک پہنچا دیں گے۔ (خلاصۃ الکلام)

الحاصل عہد اول میں یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اُمت کی تشکیل کی۔ جب اہلِ ایمان آپؐ کے اطراف جمع ہوگئے تو آپؐ نے اُن کو توحید کا سبق پڑھایا اور کفر وشرک کے ارتکاب سے ہلاکت میں پڑنے سے بچایا اور ملکِ عرب اور اطراف کے ممالک پر اسلام کو غلبہ حاصل ہوگیا۔

عہدِ دوم میں رسم وعادات وبدعت پر عمل پیرائی مسلمانوں کو ہلاک کئے دے رہی تھی۔ باوجود موحد ہونے کے مسلمانوں میں شرکِ باطنی کا بڑا زور وشور تھا۔ اس دوسرے عہد میں اللہ تعالیٰ نے مہدی موعودؑ کو مبعوث کیا تاکہ مسلمانوں کو ہدایتِ حقیقی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب (محبوب) محمد ﷺ کی پیروی کر کے لوگ ولایت مقیدہ محمدیہ کا فیضان حاصل کریں۔ لیکن تیسرا زمانہ وہ ہوگا جس میں بدعتوں کی دھوم دھام ہوگی۔ عشق ومحبت الٰہی فراموش ہو جائے گی۔ مشاہدہ روحانی اور دیدارِ الٰہی محض الفاظ کی حد تک رہ جائیں گے۔ لیکن اس ہلاکت سے روکنے کے لئے حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا اور اسلام میں نئے سرے سے جان ڈال دی جائے گی۔

حدیث شریف میں تیسرا بیان ’’ فیج اعوج ‘‘ کا ہے۔فیج کے لغوی معنوں پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے یہ وہ کاہل‘ سُست اور ناپسندیدہ لوگ ہیں جن کو معاشرہ یا سماج میں کوئی بار حاصل نہیں۔اس لفظ کے ساتھ اس کی صفت اعوج کا بیان ہوا ہے کہ یہ لوگ کج فہم اور تیڑھے مزاج کے ہیں۔ان کی خصوصیت ناپختگی ہے‘ جوان میں پائی جاتی ہے۔بہرحال یہ ایک ایسی جماعت ہے جو ناپسندیدہ ہے اور حضور رسالت مآب ﷺ نے بھی ان سے اپنی بے تعلقی کا اظہار فرمایا ہے۔یعنی وہ لوگ نہ رسول اللہ صلعم سے وابستہ ہیں اور نہ رسول اللہ صلعم نے اُن کو قبول فرمایا ہے۔مختصر یہ کہ یہ علمائے سوء کی جماعت ہے۔جو ظہورِ مہدیؑ کے پہلے ہی سے موجود رہے گی اور مہدی موعود کے مبعوث ہونے کے بعد اُن کی مخالفت کرے گی۔اور عوام کو تصدیق مہدیؑ سے روکے گی۔اسی طرح علمائے سوٗ مہدی موعود کے بعد نزولِ عیسیٰ تک رہیں گے۔اور بالخصوص مہدی علیہ السلام کی وہ وہ تعلیم‘ جن سے ولایت محمدیہ کے فیضان کا حصول ہوتا ہے۔علمائے سوء ہمیشہ عوام کو اس نعمت غیر مترقبہ سے روکیں گے اور حضرت مہدی کی روحانی تعلیم کو پوشیدہ کردیں گے۔

اللّٰھم احفظنا من ھٰولاء العلماء

(مطبوعہ ماہنامہ ’’نور ولایت‘‘ ستمبر واکٹوبر ۱۹۹۷ء)

ختم ولایت

ولایت مآب حضرت سید محمد (جونپوری) نے اپنی عمر کے اُنسٹھویں (۵۹) سال کے آغاز (جمادی الاول ۹۰۵ھ م ڈسمبر ۱۴۹۹ء) میں فرمان الٰہی سے ’’مہدیت‘‘ کا موکد دعویٰ بمقام بڑلی فرمایا اور اس واقعہ کو صاحبِ مطلع الولایت نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

در محضرۂ عام کہ دران مجمع ازمشائخ وعلماء وزُھا د وصلحاء وازکسان سلاطین و امراء وزمرہ خواتین وفقراء وجماعتھا تجار واجیران ہر کار ومقیمان ومسافران ہر دیار و بعضی مردمان از ہر اقسام دراں مقام حاضر بودند حضرت امامؑ فرمودند فرمان خدائے تعالیٰ می شود کہ ماتُرا مہدی موعود کردایم درمیان خلق اظہار بکن۔ باز بعبارت گو جری فرمودند فرمان خداے تعالیٰ می شو کہ کہلاتا ہے تو کہلا نہیں تو ظالموں میں کا کروں گا‘‘ **وفرمان می شود کہ آیت افمن کان علی بینۃ من ربہ الخ حجت تست وکلام اللہ واتباع محمد رسول شاھد تواند وما ناصر توایم**‘‘ (صفحہ ۶۰ مطبوعہ)

ترجمہ: عام لوگوں کی موجودگی میں کہ اس مجمع میں مشائخین‘ علماء وزہاد‘ صلحاء اور بادشاہوں اور امیروں سے متعلقہ لوگ‘ پٹھان امراء اور فقیروں کی جماعت‘ تاجروں اور مزدوروں کے گروہ‘ وہیں کے رہنے والے اور ہر شہر کے مسافر اور ہر قسم (پیشہ وکاروبار) کے

لوگ' سب کے سب اس مقام پر موجود تھے کہ حضرت امامؑ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ ہم نے تجھے مہدی موعود کیا ہے۔ (اپنے اس منصب کو) خلق کے درمیان ظاہر کر'' پھر گوجری زبان میں فرمایا'' خدائے تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ کہلاتا ہے تو کہلا' نہیں تو ظالموں میں کا کروں گا'' اورفرمان ہوتا ہے کہ افمن کان علی بینة من ربه الخ تیری حجت (دلیل) ہےاور کلام اللہ اور محمد رسول اللہ کی اتباع تیرے گواہ ہیں۔اور ہم تیرے ناصر (مددگار) ہیں۔

شواہد الولایت کے سترھویں باب میں دعوی مہدیت کی تفصیل کے سلسلے میں یہ درج ہے کہ

ونیز فرمودند که فرمان خدائے تعالیٰ می شود که ثم ان علینا بیانه **در حق تست ترا وارثِ ولایتِ خاصِ محمدیؐ گردانیدیم واتباع تام روزی کردیم وباز فرمان شد که علم الاولین والآخرین وبیان معانی قرآن ترا داده ام وکلید خزاین ایمان بدست تو داده ام وناصردین محمدیؐ ترا کردم ومن ناصر توام برودعوت کن''** (صفحہ۱۶۳مطبوعہ)

ترجمہ: نیز حضرتِ امامؑ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَه (پھر بے شک اس (قرآن) کا بیان ہمارے ذمہ ہے) تیرے حق میں ہےاور ہم نے تجھے ولایتِ خاص محمدی کا وارث کیا ہے۔اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع تجھے عطا کی ہے۔اور پھر فرمان ہوا کہ اولین اور آخرین کا علم اور قرآن کے معنوں کا بیان کرنا تجھے دیا ہےاور ایمان کے خزانوں کی کنجی تیرے حوالے کی ہے۔اور تجھے دینِ محمدیؐ کا ناصر (مددگار) بنایا ہے جااور دعوت کر''

مندرجہ بالا دونوں روایتوں میں مہدیت کی دلیل کے طور پر آیت شریفہ'' اَفَمَنْ کَانَ ''الخ کو پیش کرنے کا حکم ہوا ہےاور دوسری روایت میں ثم ان علینا بیانه کوبطور حجت فرمایا گیا ہےلیکن ربانی الفاظ میں مزید توضیح یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ یہ منصب' وراثتِ ولایتِ خاصِ محمدیہ کا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام علیہ السلام کا دعویٰ مہدیت' ولایت خاصِ محمدیہ کی توضیح وتشریح اوراسی کی دعوت پر مشتمل تھا۔پہلی روایت کی آیت شریفہ کی جو توضیح متقدمین مہدویہ نے ظاہر کی ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ حضرت امام علیہ السلام مبین ولایت محمدیہ ہیں یہ تو آپ کی دعوت کی کیفیت ہےاور آپؑ کا مقام خاتم ولایت محمدیہ کا ہےاور آپ مظہرِ ختم ولایت ہیں۔

بندگی میاں ولی جی رحمۃ اللہ انصاف نامہ کے پہلے باب میں افمن کان الخ کی توضیح میں ارشاد فرماتے ہیں۔

فاعلم ان المراد '' بمن کان'' المهدی وبالبینة الولایة المحمدیة التی عبرت بقوله علیه السلام '' انا من نور الله والمومنون من نوری'' '' ویتلوه شاهد منه ای یتبع هذه البینة القرآن منزل من الله بتائید ه ایضاً ای کتاب الله یشهد علی انه خاتم الولایة المحمدیة و علیٰ انه المهدی الموعود فی آخر الزمان (صفحہ۱۳مطبوعہ)

ترجمہ: واضح ہو کہ من کان میں من سے مراد مہدی ہے۔اور'' بینه'' سے مراد ولایت محمدیہ ہے۔جس کی تعبیر حضرت

رسالت مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں ہے کہ ''میں خدا کے نور سے ہوں اور مومنین میرے نور سے ہیں'' اور آیت شریف کے یہ الفاظ کہ'' یتلوہ شاھد منہ '' (اور اس کے پیچھے گواہی دینے والا آتا ہے) یعنی اس ''بینہ'' کے پیچھے پیچھے اس کی تائید میں قرآن بھی ہے جو اللہ کے پاس سے نازل ہوا ہے یعنی خدا کی کتاب اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہی خاتم ولایت محمدیہ ہے۔ اور وہی مہدی ہے کہ جس کو آخری زمانے میں بھیجنے کا وعدہ کیا گیا تھا''

آیت موصوفہ کی تفسیر 'نقلیات بندگی میاں حضرت عبدالرشیدؒ کے پہلے باب میں بھی موجود ہے کہ:

'' ومراد از من كه در افمن كان مذكور است ذات تست۔ ومراد از '' بينة'' اتباعِ ولايت حضرت مصطفى است قولاً و فعلاً وحالاً كه تعبير از ولايت محمدى دارد كه ولايتِ خاص است مر ذات مصطفىؐ را است صلى الله عليه وسلم '' (صفحہ ۳ مطبوعہ)

ترجمہ: اور افمن کان میں من جو مذکور ہے اس سے تیری ہی ذات مراد ہے۔ اور ''بینۃ'' سے مراد حضرت محمد مصطفیٰؐ کی ولایت کی اتباع ہے قولاً و فعلاً وحالاً یعنی نہ صرف اپنی زبان بلکہ عمل اور حالت سے بھی اتباع کی جائے۔ اور ولایتِ محمدیہ سے مراد وہی خاص ولایت ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات سے مخصوص ہے۔

متاخرین مہدویہ میں بندگی میاں شاہ قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''مجمع الآیات'' میں آیت مذکورہ کی توضیح میں لکھا ہے کہ:

فرموده اند كه اين '' من '' خاص است مراد ازين '' من '' ذات من است كه مهدى موعود ام۔ ومراد از '' بينة '' ولايت محمدى است كه باطنِ محمد است وعين نور الله است ۔ كما قال النبى ﷺ انا من نور الله **بدان كه اين مرتبه ايست مسمى باسامى بسيار ومخاطب به خطاب هائے بيشمار چون** ولاية الله وحجة الله و بينة الله وروح الله . ونور الله و ولاية محمدى و نور محمدى وباطن محمدى (صفحہ ۵ مطبوعہ) آگے چل کر لکھا ہے۔

پس معنى افمن كان **الخ آيا پس كسے كه باشد برولاية محمدى از پروردگار خود بے واسطه يعنى مهدى عليه السلام** (صفحہ ۷ مطبوعہ)

ترجمہ: حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ ''من'' خاص ہے اور اس من سے مراد میری ذات ہے کہ میں مہدی موعود ہوں اور ''بینۃ'' سے مراد محمدؐ کی ولایت ہے۔ جو محمدؐ کا باطن ہے اور اللہ کا عین نور ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ'' میں اللہ کے نور سے ہوں'' جان لو کہ یہ ایک ایسا مرتبہ ہے کہ بہت سے ناموں سے موسوم اور بے شمار خطابوں سے مخاطب ہے۔ مثلاً ولایۃ اللہ' حجۃ اللہ' بینۃ اللہ' روح اللہ' نور اللہ' ولایت محمدی' نور محمدی' باطنِ محمدی۔ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ''پس افمن کان الخ کے معنی یہ

ہوئے کہ کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے بغیر کسی واسطہ کے ولایتِ محمدی کے منصب پر ہوگا یعنی یہ ذات مہدی کی ہوگی'۔

ان متعدد حوالوں سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت سید محمد خاتم ولایت محمدیہ کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے۔ اور آپ کا منصب ومقصد' ولایت محمدیہ کی دعوت عام تھا۔

ولایت محمدیہ کے وارث ہونے کا اعلان واظہار نہ صرف دعویٰ موکد کے موقعہ پر ہوا ہے بلکہ عالمِ باطن سے عالمِ ظاہر میں جلوہ فرمانے کے موقعہ پر بھی ہوا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ کے خلق وبعث کی غرض وغایت یہی رکھی گئی تھی۔ چنانچہ ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۸۴۷ھ م ۹ر ستمبر ۱۴۴۳ء روز دوشنبہ بوقت صبح صادق' آپؑ تولد ہوئے تو اسی وقت خدائے تعالیٰ کی طرف سے آپؑ کو اس منصبِ عالیہ سے آگاہی بخشی گئی۔ بندگی میاں شاہ عبدالرحمٰنؒ اپنے مولود میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"از بندگی میاں دلاورؓ نقل است که فرمودند بنده از شکم مادر بیرون شد' فرمان رسید که هو الاول و الاخر و الظاهر و الباطن ودیگر۔ فرمودند که حق تعالیٰ بنده را در هماں زمان چهار کتاب تعلیم کرد بلا مثال۔ اگر بنده توریت خواندی۔ مردمان تحیر وارانی لک هذا گفتندے که باز کرتِ دیگر موسیٰ اظهار نموده۔ بنده هضم میکرد۔ واگر بنده انجیل را خواندے مردمان گفتندے که کرتِ دوم مسیح ابن مریم استهظاز کرد۔ وهمیں منوال گار بنده زبور خواندے گفتندے داؤد است۔ اگر بنده کلام الله خواندی مرد مان گفتندے هذا رجل عزیز محمد رسول الله قد عاد بمرة اخری ومرد مان در شک وارتیاب گشتے وازین وآں اقرار نبوت برآمدے۔ اما بنده به توفیق الله تعالیٰ هضم کرد زیراچه بنده را حاملِ اثقال ولایتِ محمدی حق تعالیٰ بیا فریده است (صفحہ ۷ مطبوعہ)

ترجمہ: حضرت بندگی میاں شاہ دلاورؓ سے نقل ہے کہ حضرت مہدیؑ نے فرمایا۔ بندہ ماں کے شکم سے باہر ہوتے ہی خدا تعالیٰ کا فرمان ہوا کہ "وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن ہے۔ اور نیز فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اسی وقت بندہ کو چاروں کتابوں کی تعلیم دی' بلا مثال اگر بندہ توریت پڑھتا تو لوگ حیرت سے کہتے کہ یہ تجھ کو کیوں کر معلوم ہوا۔ اور سمجھتے کہ دوسری مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے ظہور فرمایا ہے۔ مگر بندہ نے ہضم کیا۔ اور اگر بندہ انجیل پڑھتا تو لوگ کہتے کہ دوسری بار عیسیٰ ابن مریمؑ نے ظہور کیا ہے۔ اور اسی طرح اگر بندہ زبور پڑھتا تو کہتے کہ داؤدؑ ہے اگر بندہ کلام اللہ پڑھتا تو لوگ کہتے کہ مردِ عزیز محمد رسول اللہ ہے کہ دوسری مرتبہ ظہور فرمایا ہے۔ اور سب لوگ شک وشبہ میں پڑ جاتے اور عام وخاص لوگ نبوت کا اقرار کرنے لگتے۔ لیکن بندے نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہضم کیا۔ اس لئے کہ خداوند تعالیٰ نے بندہ کو محمدؐ کی ولایت کا بوجھ اٹھانے کے لئے پیدا کیا ہے۔"

اسی سلسلہ میں دوران جذب کی ایک نقل بیان کرنا ضروری ہے جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت ولایت مآب کا خاتم ولایت

کے منصب پر فائز ہونا اول سے آخر تک آپ پر روشن تھا۔ آپ کی عمر شریف ۲۸ سال ہو چکی تھی۔ ۸۷۵ھ مطابق ۱۴۷۰ء میں راجہ دلپت سے جنگ ہوئی اور آپ جذباتِ الوہیت میں مست ومستغرق ہوئے اور پورے سات سال تک جذب کامل رہا اور باقی ۵ سال کے دوران میں کبھی کبھی آپ ہوش میں آجاتے تھے۔ بندگی میاں شاہ عبدالرحمٰنؒ مولود میں لکھتے ہیں:

تا مدتِ دیگر در صحو آمدند در آن وقت نیز بی بی عرض کردند که میراں جی چه نوع است کـه ازیں عالم بے هوش می مانند و حمل وتحمل کردن نتوانند۔ حضرت در جواب فرمودند که چنان پے در پے تجلی ذاتِ حق میشود که بحرِ عمیق اگر ازیں بحر یک قطره بولی کامل یا به نبی ومرسل داده شود در تمام عمر ش هیچ آگاهی نماند۔ وفرمانِ حق تعالیٰ می شود که اے سید محمد از سبب آنکه ترا خـاتـم ولایـت مـحـمدی گردانیدم فرض ادا می کنانیم این منت و فضل ماست بعده همچناں بے هوش گشتند (صفحہ۲۴ مطبوعہ)

ترجمہ: پھر عرصۂ دراز کے بعد ہوش میں آئے اسوقت بھی بی بیؒ نے عرض کیا کہ یہ کیسا حال ہے کہ اس عالم سے بے ہوش رہتے ہیں۔ اور بالکل برداشت نہیں کرسکتے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی ذات کی تجلی پے در پے ایسی ہوتی ہے کہ بحرِ عمیق ہے۔ اگر اس سمندر سے ایک قطرہ کسی ولی کامل یا نبی مرسل کو دیا جائے تو ان کو تمام عمر کچھ ہوش نہ رہے۔ اور حق تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ اے سید محمد اس سبب سے کہ ہم نے تجھ کو محمد کی ولایت کا خاتم کیا ہے فرض (شریعت) ادا کراتے ہیں۔ یہ ہمارا احسان اور فضل ہے یہ فرما کر اسی طرح بے ہوش ہوگئے۔

حاصل یہ کہ ولایت مآب حضرت سید محمد کی ولادت سے آپ کے دعوی موکد تک اور خود دعوئ مہدیت میں بھی جو امر خاص طور پر نمایاں ہے وہ آپ کا خاتم الولایت محمدیہ ہونا ہے۔ لیکن اس منصب کی خصوصیت وتفصیلات کے لئے خود ولایت کی حقیقت جاننا ضروری ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ولایت کا مفہوم کیا ہے؟ لفظ ولایت زیر اور زبر' دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ اس کے معنی اہل لغت نے دوستی ومحبت' نزدیکی وقرب' امداد ونصرت بتائے ہیں۔ علاوہ ازیں کسی کام کو اپنے ذمہ لینا کسی امر کا متولی ہونا' حاکم ہونا' اور تصرف کرنا بھی اس کے معنی میں داخل ہے۔ ولی اسم ہے جو فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ولایت کرنے والا اور وہ جس کی ولایت کی گئی ہو یعنی موالی۔ اور ولی کے معنی دوست' مُحب' نزدیک' قریب' مقرب' ناصر' مددگار' متولی اور حاکم کے ہیں۔ ولایت سے وہ قرب ظاہر ہوتا ہے جس کے لئے ولی اور موالی میں زمانے' مقام اور عقلی وذہنی سطح میں موافقت لازمی نہیں۔

قرآن مجید نے حق تعالیٰ کی ولایت کو نہایت وسیع مفہوم میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کی اُلوہیت' ربوبیت' حکومت'

خالقیت، رحمانیت، اعانت، دستگیری، گناہ بخشی اور مغفرت بھی اسی لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں۔عبدیت کی فنا بھی ولایت الٰہیہ کے دائرہ میں محصور ہے۔

قرآن مجید نے بتایا ہے کہ اسلام اختیار کرنا دراصل ولایت الٰہیہ میں داخل ہوتا ہے اور جوشخص مسلمان ہوجاتا اور شرائط اسلام بجالاتا ہے، وہ حق تعالیٰ سے ایک مضبوط رشتہ وتعلق اختیار کرلیتا ہے۔اور حق تعالیٰ بھی اُس کا ولی (دوست وقریب) ہوجاتا ہے۔عبد مسلم کوحق تعالیٰ ظلمات (کفراور جہالت کی تاریکیوں) سے نکال باہر لاتا ہے۔چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (سورہ البقرہ آیت ۲۵۶)

ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت گمراہی (کے مقابلے میں) ممتاز ہوچکی ہے۔پس جوشخص شیطان (کے راستے) سے انکار کردے اور اللہ پر ایمان لائے (اسلام قبول کرے) تو اُس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔جس کوکسی طرح شکستگی نہیں ہوسکتی۔اور اللہ سنتا جانتا ہے۔اللہ ایمان والوں کا دوست ہے وہ ان کو (کفراور جہالت کی) تاریکیوں سے روشنی میں لاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ خلفائے الٰہی نے دین (خدا کا راستہ) بتادیا ہے۔اور گمراہی اور غلط روی کے مقابلے میں ہدایت (دین خدا کا راستہ) ممتاز ہوچکی ہے۔اب انسانوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ صحیح یا غلط جیسا چاہیں راستہ پسند کرلیں۔انہیں مجبور کرکے خدا کے راستے پر لانا نہیں ہے۔اس کے بعد جو اپنی تمیز، فہم اور اپنے اختیار سے کفر کا راستہ چھوڑدے اور خدا پر ایمان لائے، اسلام قبول کرے تو وہ اصل میں خداوند تعالیٰ سے رشتہ جوڑتا ہے۔اور ایک مضبوط حلقہ (تعلق ورشتہ) تھام لیتا ہے جس میں کسی طرح کی شکستگی نہیں ہوسکتی۔ اس اقدام اور جدوجہد کا نتیجہ نکلتا ہے کہ حق تعالیٰ بھی ایسے ہی اشخاص کا دوست بن جاتا اور اُن کی راہ میں کفر، جہالت، عدم عرفان کی جتنی مشکلیں ہیں انہیں دور کرکے (اپنی ذات کے) نور کی طرف پہنچاتا ہے۔اس طرح عبد اور حق میں قرب (ولایت) پیدا ہوجاتا ہے۔ اور یہی تقرب الٰہی اسلام کا صریحی نتیجہ ہے۔اور اس طرح اسلام ولایت الٰہیہ کا راستہ ہے گویا اسلام پر گامزن ہونا، ولایت الٰہیہ اختیار کرنے کے مترادف ہے۔ یہ بیان آیت مندرجہ بالا سے حاصل ہوتا ہے۔البتہ دوسرے مقام پر قرآن مجید نے اسی امر کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ o (سورہ الانعام آیت ۱۴)

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں خدا کے سوا کسی اور کو اپنا ولی (معبود) بنالوں۔؟ خدا ہی تو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔اور سب کو کھلاتا ہے اور کوئی اُسے نہیں کھلاتا۔آپ فرمادیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں سب سے اسلام قبول کرلوں اور تم

مشرکین میں سے نہ ہونا''

آیت بالا میں اسلام قبول کرنا اور خدا کو اپنا ولی بنانا یکساں قرار دیا گیا ہے اس کے برخلاف اسلام قبول نہ کرنا' خدا کے سوا کسی اور کو اپنا ولی بنانا' شرک ٹھیرایا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام' ولایت الٰہیہ کا حلقہ ہے جو اسلام قبول کرے' وہ دراصل ولایت الٰہیہ کے حلقے کو تھام لیتا ہے۔ اور جو ولایت الٰہیہ سے دور ہے وہ اسلام سے بھی دور ہوتا ہے۔ آیت شریفہ میں نہایت بلیغ انداز میں غیراللہ کی ولایت کی نفی کی گئی۔ اور حق تعالیٰ ہی کی ولایت اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اور استفہامی اسلوب بیان کے باعث حکم میں تاکید پیدا کی گئی ہے۔

مندرجہ بالا دونوں آیتوں سے چند امور حاصل ہوتے ہیں۔ جن کو مجموعی طور پر زیرنظر رکھنا' افادۂ مزید کا موجب ہے۔ لہٰذا انہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد مجبور کر کے دین کی طرف نہیں لایا جاتا۔

(۲) ذاتی احساس کی بناء پر کفر سے انکار اور قبول اسلام ہی کی قدر و قیمت ہے۔

(۳) اسلام قبول کرنا دراصل ایک مضبوط حلقے کو تھام لینا ہے جس میں شکستگی نہ ہوگی۔

(۴) اس حلقے (اسلام) سے وابستگی سے خدا' مومن مسلم کا ولی ہو جاتا ہے۔

(۵) عبدِ مومن کا ولی ہو کر' خدا اُسے تاریکیوں سے نکال لیتا اور اپنے نور کی طرف پہنچاتا ہے۔

(۶) نورِ ذاتِ الٰہی تک پہنچنا تقرب اور ولایت ہے گویا اسلام کا نتیجہ ولایت الٰہیہ ہے۔

(۷) غیراللہ کی ولایت اختیار کرنا ممنوع ہے۔

(۸) غیراللہ کی ولایت شرک ہے۔

(۹) حق تعالیٰ ہی ولایت کے لائق ہے۔ کیونکہ کائنات کا خالق اور پرورش کنندہ وہی ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔

(۱۰) اسم ولی اسم ذات کا مترادف معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے اس امر کو بھی بیان کیا ہے کہ اللہ کے سوائے کوئی اور ہستی ولی اور نصیر نہیں ہو سکتی اور اللہ کی ولایت کائنات پر حاوی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍo (سورہ بقرہ آیت ۱۰۷)

ترجمہ: کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہی ایسے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت خاص الٰہی ہے۔ اور تمہارا حق تعالیٰ کے سواء کوئی یار و مددگار نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (سورہ التوبہ آیت ۱۱۶)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس کی سلطنت آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہی جلاتا اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا یار و مددگار نہیں۔

مندرجہ بالا آیتوں میں صریحی طور پر بتادیا گیا ہے کہ خدا کے سوائے کوئی اور ہستی ایسی نہیں ہے جس کی ولایت انسان کو حاصل ہوسکتی ہو۔ نیز یہ بھی ہے کہ کائنات کی بادشاہت خدا ہی کو حاصل ہے۔ گویا کائنات کے گوشہ گوشہ میں خدا کا اقتدار جاری ہے۔ اور کوئی شئے اس کے احاطے سے باہر نہیں ہے۔ اس طرح ہر شئے خدا کے اقتدار، تصرف اور تولیت میں ہے۔ ہر شئے خدا سے قریب ہے اور خدا ہر شئے کے قریب ہے۔ اسی تقرب کی بناء پر خدا ہی کی ہستی انسان کے لئے ولی اور نصیر ہوسکتی۔

اللہ کی حکومت اور احاطت کائنات کو اس طرح گھیرے ہوئے ہے کہ کوئی بھی اس دائرے سے باہر نہیں ہوسکتا۔ ولایت الٰہیہ کے حاصل کرنے ہی میں اس کی فلاح ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَلَا نَصِیْرٍ (سورہ العنکبوت آیت ۲۲)

ترجمہ: تم نہ زمین پر ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور تمہارے لئے سوائے خدا کے کوئی دوست اور مددگار نہیں۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍo (سورہ الشوریٰ آیت ۳۱)

ترجمہ اور تم زمین میں ہرا نہیں سکتے اور تمہارے لئے اللہ کے سوائے کوئی دوست اور مددگار نہیں۔

چونکہ کلام الٰہی جامع و مانع ہے اس لئے اس میں یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ چونکہ کائنات زیر فرمان الٰہی ہے۔ اس لئے زمین اور آسمان میں کہیں اور کسی جگہ بھی خدا کی مرضی اور قانون الٰہی کو شکست دینے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ البتہ فلاح کی صورت صرف یہ ہوسکتی ہے کہ انسان اپنے آپ کو قانون ربانی کے مطابق گامزن کرے۔ اور چونکہ حقیقت میں انسان کا ولی اور نصیر صرف خدائے تعالیٰ ہی ہوسکتا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ صرف حق تعالیٰ ہی کو اپنا ولی بنائے۔ کیونکہ یہ ایسا قانون ہے جس کی تعمیل باعث فلاح ضرور ہے اور جس کی مخالفت اور عدم تعمیل بے سود و مضر۔ اور اس خلاف ورزی سے انسان خدا (خدا کے قانون) کو ہرا نہیں سکتا۔ چاہے انسان زمین کے کسی گوشہ ہی میں کیوں نہ پہنچ جائے اور چاہے سماء یا خلاء میں ہی کیوں نہ پرواز کرے۔ قانون الٰہی کی شکست سے نہیں ہوسکتی۔ معبود حقیقی کی ولایت و احاطت ہر جگہ ہے۔

کلام اللہ کی جامعیت بھی ایک اعجاز ہے۔ اس میں کوئی پہلو نظر انداز نہیں ہوتا۔ اس لئے بتایا گیا ہے کہ نہ صرف جسمانی اور دنیاوی زندگی ہی میں، بلکہ روحانی و اُخروی حیات میں بھی اللہ کی ولایت احاطہ کئے ہوئے ہے اور اُمور اُخروی بھی ولایت اللہ کے تحت ہیں۔ اس نکتہ کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَo

ترجمہ: اے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا ولی ہے مجھے اسلام پر موت دے اور نیکوں میں شامل کر۔ (دعا حضرت یوسف علیہ السلام پارہ ۱۳' سورۂ یوسف آیت ۱۰۱)

اَنتَ وَلِیُّنَا فَاغفِرلَنَا وَارحَمنَا وَاَنتَ خَیرُ الغَافِرِینَ o وَاکتُب لَنَا فِی هٰذِهِ الدُّنیَا حَسَنَةً وَّفِی الاٰخِرَةِ اِنَّاهُدنَآ اِلَیکَ

ترجمہ: (اے رب) تو ہمارا ولی (مالک) ہے پس ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور ہمارے اس دنیا اور آخرت میں بھلائی کردے ہم تیری طرف رجوع ہوئے ہیں۔ (دعاے حضرت موسیٰ علیہ السلام پارہ ۹' سورہ اعراف آیت ۱۵۵)

مندرجہ بالا آیات شریفہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ خداوند تعالیٰ ہی دنیا اور آخرت میں ولی ہیں۔ اور اُسی کی ولایت انسان کو اسلام پر قائم رکھ سکتی اور بعد موت صالحین میں شامل کر سکتی ہے۔ دنیا اور آخرت میں مغفرت اور رحم اسی کے ہاتھ میں ہے۔ دنیا اور آخرت کی بھلائی کرنا' ولایت الٰہیہ کے لئے آسان ہے۔ اور ایسی صورت میں جب کہ خود انسان ولایت الٰہیہ کی طرف رجوع کرے' تو پھر اللہ کے ذمہ اپنے عبد کو اپنی ذات کے نور تک پہنچانا ضروری ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اسلام میں انسان کی دنیاوی اور اُخروی دونوں زندگیوں پر زور دیا گیا ہے۔ البتہ دنیاوی زندگی ایک کھیتی ہے جس کے نتائج اور ثمرات آخرت میں حاصل ہوتے ہیں۔ اور اعلیٰ ثمرات کا انحصار اعلیٰ درجہ کی فصل اور کھیتی پر ہے۔ روح انسانی' جسم کے ذریعہ دنیا میں عمل اور آخرت میں نتائج حاصل کرتی ہے۔ اس طرح انسان کے مرتے ہی' اسلام میں روح کی زندگی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا بلکہ حیات روحانی کی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پس حیات روحانی میں بھی' روح کو مغفرت' رحم اور تقرب الٰہی کی منزلیں پیش آتی ہیں۔ ان کا حصول اور تمتع ولایت اللہ پر منحصر ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے اس پہلو کو بھی ظاہر کر دیا ہے۔

لَهُم دَارُ السَّلٰمِ عِندَ رَبِّهِم وَهُوَ وَلِیُّهُم بِمَا كَانُوا یَعمَلُونَo (سورہ الانعام آیت ۱۲۸)

ترجمہ: اُن کے لئے (رب کے سیدھے راستے پر چلنے والوں کے لئے) ان کے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہ (خدا) ان کے اعمال کے بدلے میں ان کا ولی (دوست قریب) ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَولِیَآءِ اللّٰهِ لَا خَوفٌ عَلَیهِم وَلَا هُم یَحزَنُونَo اَلَّذِینَ اٰمَنُوا وَكَانُوا یَتَّقُونَ o لَهُمُ البُشرٰی فِی الحَیٰوةِ الدُّنیَا وَفِی الاٰخِرَةِ لَا تَبدِیلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الفَوزُ العَظِیمُo (سورہ یونس آیت ۶۲ سے ۶۴ تک)

ترجمہ: آگاہ ہو جاؤ جو اللہ کے دوست ہیں نہ انہیں کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے انہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بشارت (خوشخبری) ہے اللہ کی باتیں تو بدلتی نہیں یہی بڑی کامیابی ہے (کہ دنیا و آخرت میں ولایت الٰہی حاصل رہے) (سورہ یونس رکوع ۷ پارہ ۱۱)

بشارت اور خوشخبری دنیا اور آخرت دو عالموں میں' انہیں بندوں کے لئے ہے جو اللہ کے ولی بن چکے ہیں۔ جنہوں نے

جدوجہد ذاتی سے تقرب الٰہیہ کو ڈھونڈ لیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے اللہ ان کا ولی ہے اور وہ اللہ کے ولی ہیں۔ عبد اور حق میں قرب پیدا ہو چکا ہے اور یہ قرب وہ ہے جس کے لئے مقام (دنیا یا آخرت) کی قید نہیں۔ جس کے لئے زمانہ (حیات دنیوی یا حیات اُخروی) کی شرط نہیں ورنہ عبد اور حق کے بنیادی فرق سے یہ تقرب مشکل ہوتا ہے۔

مسئلہ کی تکمیل کے لئے قرآن مجید نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ کون ہیں جو قرب الٰہی (ولایت اللہ) سے دور اور دائمی عذاب میں مبتلا ہیں۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (سورہ البقرہ آیت ۲۵۷)

ترجمہ: اور جنہوں نے کفر کیا (اسلام سے انکار کیا) ایسے کافروں کے ولی شیطان ہیں جو انہیں (کافروں کو) نور (الٰہی سے) نکال کر ظلمات (کفر اور جہالت کی تاریکی) کی طرف لے جاتے ہیں۔ پس یہی لوگ آگ (میں رہنے) والے ہیں۔ اور وہ اُسی (آگ) میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

جس طرح اسلام لانے والا ایک مضبوط حلقہ (الٰہی رشتہ و تعلق) کو تھام لیتا اور اُسی میں منسلک ہو جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلم کا ولی بن جاتا۔ اور اُس عبد مسلم و مومن کو قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلام سے انکار (کفر) کرنے والوں کا ساتھی، شیطان بن جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ قسم قسم کے شیطان اُسے راہ حق سے بھٹکاتے اور نور الٰہی (قرب ربانی) سے دور کرتے اور تاریکیوں میں لے جاتے رہتے ہیں اور تاریکیوں میں پہنچ جانا دراصل نار (آگ) میں پہنچ جانا ہے چونکہ ان طاغوتی قوتوں کا ساتھ چھوٹتا نہیں ہے۔ اسی لئے لازمی طور پر اہل کفر ہمیشہ ہمیشہ آگ میں رہتے ہیں تاریکی اور جہالت بڑی سخت آگ ہے۔ کیونکہ قرب الٰہی سے دوری اور بعد پیدا کرتی ہے۔ یہ نقصان بہت کچھ واضح ہے۔ غور کرنے والا اسے خود ہی سمجھ سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا (سورہ النساء آیت ۱۱۹)

ترجمہ: جو کوئی اللہ کے سوا، شیطان کو رفیق بنالے وہ صریح نقصان میں ڈوبا۔

یعنی غیر الٰہی طاقتوں کا قرب، واضح نقصان کا موجب ہے اور قرب شیطانی، ایک لازمی اور ضروری نتیجہ ہے قرب الٰہی ترک کرنے کا۔ اس لئے کہ جس شخص کا ذہن، یاد الٰہی سے غافل رہے اس کا دماغ یقیناً اور لازماً غیر الٰہی افکار سے معمور رہے گا۔ اور غیر الٰہی افکار کی کثرت، قرب الٰہی سے دوری کا سبب بنتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طاغوت گھر لیتا اور تاریکیوں کی طرف لے جاتا ہے اور یہی تاریکی نار میں داخل کر دیتی ہے اور دنیاوی نار تو وہ اندھا پن ہے جو اہل کفر کو لاحق ہوتا ہے۔

قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ (سورۂ رعد آیت ۱۶)

ترجمہ: کہہ دو کیا پھر بھی تم نے خدا کے سوا دوسروں کو ولی بنالیا ہے جو اپنے نفع و نقصان کے تک مالک نہیں۔ آپ کہہ دیجئے کیا

اندھا اور بینا برابر ہیں۔ یا کیا تاریکیاں اور نور مساوی ہیں۔

حاصل یہ کہ اللہ کی ولایت کو ترک کرنا اندھے پن کا سبب بنتا ہے اور اندھا پن تاریکیوں میں گرا دیتا ہے اور ولایت اللہ کا حصول بصیرت کا موجب ہوتا ہے اور یہ بصیرت نور الٰہی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اسی لئے خلفائے الٰہی کو حکم ربانی تھا کہ بصیرت کی دعوت دیں۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَo

(سورۂ یوسف رکوع ۱۲)

ترجمہ: تو کہہ۔ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بینائی پر بلاتا ہوں، میں بھی اور وہ بھی جو میرا تابع ہے اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں۔

بصیرت، نور الٰہی کے بغیر ممکن نہیں اور نور الٰہی ولایت اللہ اختیار کئے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور ولایت الٰہیہ کے لئے ترک شرک ضروری ہے اور ترک شرک کا نتیجہ ایمان باللہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے اسلام و ایمان کی دعوت دی ہے اور بتایا ہے کہ طاغوت سے انکار کر کے ایمان باللہ اختیار کرنا دراصل ایک مضبوط حلقے کو تھام لینا ہے اور اس نہ ٹوٹنے والے حلقے کو تھامنے والا کا دوست اللہ تبارک وتعالیٰ بن جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر مومن کو ولایت الٰہیہ کا حصول ہوتا ہے اور اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ عبد مومن کو نور کی طرف پہنچاتا ہے۔ غیر اللہ کی ولایت ممنوع ہے کیونکہ یہ شرک ہے۔

اللہ کی ولایت نہایت وسیع اور کائنات کی حکومت از اقسمت، حیات بخشی، اور فنائے عبد احاطتِ ارض وسماء وغیرہ پر حاوی ہے۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جس کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ ولایت الٰہیہ کی وسعت میں آخرت بھی داخل ہے۔ مغفرت اور دار السلام کی عطا، دنیا اور آخرت میں حسنة سے سرفراز کرنا بھی ولایت اللہ کا خاصہ ہے۔

اولیاء اللہ کے لئے حزن وخوف کچھ نہیں ہے دنیا اور آخرت میں انہیں فضل الٰہی کی خوشخبری حاصل ہے اور حقیقت میں یہی بڑی کامیابی ہے۔ اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کی نصرت ومدد حاصل ہوتی ہے۔

کافروں کا ولی شیطان ہوتا ہے جو انہیں تاریکی میں مبتلا کرتا ہے اور تاریکی وظلمت نار ہے اور یہی عذاب ہے جس میں اہل کفر ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔ یہ ایک صریحی نقصان ہے۔ شیطان کی ولایت انسان کو اندھا بنا دیتی ہے۔ اندھا پن ایک تاریکی ہے جو نور کی ضد ہے اس لئے اندھے افرا اور اہل بصیرت دونوں برابر نہیں لیکن خلفائے الٰہیہ بصیرت وبینائی کی دعوت دیتے ہیں یہ بصیرت ہی نور الٰہی ہے جو ولایت الٰہیہ کا نتیجہ ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نور حیات''، ڈسمبر ۱۹۶۱ء)

ختم ولایت اور مہدیت

محقق صوفیائے کرام رحمہ اللہ علیہم نے مسئلہ مہدیت کی بھی تحقیق کی ہے۔ چنانچہ بذریعہ کشف انہیں معلوم ہوا کہ خاتم ولایت محمدیہ ہی مہدی آخرالزماں ہوسکتے ہیں اور کوئی دوسری شخصیت اس منصب جلیلہ پر فائز نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ مفاتیح الاعجاز مطبوعہ صفحہ ۹۶ میں تحریر ہے کہ: ''**خاتم الاولیاء عبارت از محمد مہدی است کہ موعود حضرت رسالت است علیہ الصلوٰۃ والسلام**۔الخ

ترجمہ: خاتم الاولیاء سے مراد محمد مہدیؑ ہیں جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے موعود ہیں۔ (یعنی آنحضرت صلعم نے محمد مہدیؑ کے ظہور کا وعدہ فرمایا ہے)

نبوت ورسالت تشریعی اور غیر تشریعی کے سلسلے میں فصوص الحکم کی شرح میں لکھا ہے کہ

''تقید نبوت بر تشریعی اشار تیست بہ آنکہ نبور در رسالت غیر تشریعی می باشد وآں بین است کہ متعلق باشد باظہار حقائق الٰھیہ واسرارِ غیب وارشادِ عباد وغیر ذلک من غیر ان ینعلق بالتشریع وخاتم الاولیاء مہدی است صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ علی بنینا وعلیہ''

ترجمہ: نبوت کو تشریعی کے ساتھ مقید کرنا' اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبوت ورسالت غیر تشریعی بھی ہوتی ہے۔ اور وہ غیر تشریعی نبوت ورسالت یہ ہے کہ اظہار حقائق الٰہیہ' اسرار غیب کا بیان بندوں کے لئے رشد وہدایت وغیرہ بہرحال وہ امور جو نبوت تشریعی سے متعلق نہوں (پس ان کا بیان خاتم الاولیاء کے ذریعہ ہوگا اور) خاتم الاولیاء (مہدی ہیں ہمارے نبی پر ان (مہدی موعود) پر اللہ کا سلام ودرود ہو۔ (کحل الجواہر جلد اول)

صوفیائے محققین کے ان بیانات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خاتم الاولیاء مہدیؑ ہی ہیں۔ چونکہ خاتم الاولیاء بھی مظہر اسم جامع ہیں اس لئے مہدی خلیفۃ اللہ ہی اس منصب کے لے مبعوث ہوئے۔

ان حقائق کی روشنی میں جب ہم حضرت سید محمد جونپوری کی سیرت مبارک پر نظر ڈالتے ہیں تو شروع ہی میں ہم کو اُن علامات کا پتہ ملتا ہے جو حضرت بندگی میراںؑ کی مہدویت اور خاتم الاولیاء ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مثلاً مولود حضرت شاہ عبدالرحمٰنؒ میں مذکور ہے کہ جب بی بی آمنہ نزول شمس کے کشف سے بے ہوش ہوگئیں تو آپ کے بھائی جناب قیام الملک جو علم ظاہر وباطن کے واقف کار تھے' تشریف لائے اور بی بی موصوفہ کے ہوش میں آنے پر آپ نے کہا۔

" معلوم می شود که انشاء الله تعالیٰ در شکم خدام حق تعالیٰ خاتم الاولیاء را پیدا خواهد کرد"۔

ترجمہ: معلوم ہوتا ہے کہ انشاء اللہ حق تعالی آپ کے شکم سے خاتم الاولیاء کو پیدا کرے گا۔

غرض یہ اولین بشارت ہے کہ مولود مسعود ختم ولایت کے منصب پر فائز ہوگا لیکن اسی کے ساتھ اس واقعہ کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ: "**فی الجملہ بعد مدتِ چهار ماه گاه گاه در شکم خود بی بی آواز می شنید ند که مهدی موعود حق است**" (مولود شریف)

ترجمہ: الغرض چار مہینے کی مدت کے بعد کبھی کبھی بی بی موصوفہ خود اپنے شکم میں یہ آواز سنتی تھیں کہ مہدی موعود حق ہے۔

یعنی غیبی آواز نے بتایا کہ آں مولود مسعود، مہدی موعود ہوگا اور وہی سچا مہدی ہے۔ ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خاتم الاولیاء، ہی مہدیٔ موعود ہیں۔ آپ کا ظاہر مہدیت ہے اور باطن ولایت ہے یعنی آپ کے مہدی موعود کی بشارت اور خبر زبانِ نبوت سے دی گئی اور آپؑ کا صاحبِ ختم ہونا کشف سے ظاہر ہوا اس طرح ظاہر و باطن اور شریعت وحقیقت کا اجتماع آپؑ کی ذات مبارک میں ہو۔

مذکورہ روایت کے علاوہ خود حضرت بندگی میراں علیہ السلام کی زبان مبارک سے جو ارشاد (نقلیات) وارد ہوئے ہیں ان میں بھی ان حقائق کا بیان موجود ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ جب آپؑ شکم مادر سے باہر آئے تو حق تعالیٰ نے بے مثال آپؑ کو چاروں کتب منزلہ کی تعلیم دی وہ اس طرح کہ آپؑ ہر کتاب کو از اول تا آخر سنانے پر قادر تھے' انتہا یہ کہ لوگ آپ کو صاحب کتاب نبی تصور کرتے لیکن آپ نے الٰہی توفیق سے اس کو جذب کیا اور ظاہر نہ کیا" اس کا سبب خود حضرت مہدی موعودؑ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ " **زیرا چه بنده را حامل ثقال ولایت محمدی حق تعالیٰ بیافریده است**" (مولود صفحہ ۸)

ترجمہ: کیوں کہ حق تعالیٰ نے اس بندہ کو ولایت محمدی کے وزن کا اٹھانے والا بنا کر پیدا کیا ہے۔ یعنی آپ اپنی پیدائش ہی سے حامل ولایت محمدی تھے۔ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ منصب آپ کو پیدائش کے ساتھ مل چکا تھا' وہبی تھا' عطائی تھا' اس کے لئے کسی دعوے کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ یہ باطنی منصب ہے۔

نقل ہے کہ جب آپ بات کرنے کی عمر کو پہنچے تو سب سے پہلے الفاظ جو آپؑ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے "مہدی موعود آمد" یعنی مہدی موعود آچکا ہے۔

جب آپؑ کی عمر شریف تیرھویں سال کو پہنچی تو حضرت خضر علیہ السلام نے کھوکھری مسجد میں آپؑ کو امانت نبوی تفویض کی اور تلقین ہونے اور تصدیق کرنے کے بعد خلوت سے باہر آکر آپؑ نے حضرت میاں دانیالؒ سے فرمایا کہ:

ایں ذات مهدی موعود است من تصدیق کردم وتلقین شدم شما هم تصدیق کنید وتلقین

شوید (مولودصفحہ۲۲)

ترجمہ: (آپؑ کی) یہ ذات مہدی موعودؑ ہے میں نے تصدیق کی ہے اور تلقین ہو چکا ہوں آپؓ بھی تصدیق کر لیجئے اور تلقین ہو جائیے۔

اورخضر علیہ السلام کا ارشاد نہایت بلیغ ہے۔آپ کے اس قول میں تصدیق سے مرادحضرت بندگی میراں علیہ السلام کے مہدی موعود ہونے کی تصدیق ہے اور تلقین سے مراخاتم الاولیاء سے فیضِ ولایت پانا ہے۔یعنی حضرت سید محمد جونپوری کی ذات ستودہ صفات مہدیت اور ختمیت کی جامع ہے پس حضرت خضر علیہ السلام کی زبان مبارک سے اس حقیقت کا اظہار ساری مخلوق کے لئے ندائے ہدایت تھی،اور خلیفۃ اللہ کا تعارف۔

مولودشریف میں اس خاص واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ حضرت خضرؑ کے تعارف کے بعد، (جون پور میں) حضرت میراں علیہ السلام کی ولایت روز بروز ظاہر ہونے لگی۔یعنی آپ ولی اللہ کی طرح عوام میں مشہور ہونے لگے۔تب حضرت دانیالؒ نے آپ کوسیدالاولیاء سے مخاطب کیا۔اسوقت عمرشریف محض تیرہ سال تھی پھریہی سلسلہ جاری رہا۔

گوڑکی جنگ سے واپس ہونے کے بعدحضرت میراں علیہ السلام بارہ سال تک حالتِ جذب واستغراق میں رہےلیکن نماز فریضہ کی ادائی کا ہوش آجاتا تھا۔پس بی بی الہدائیؓ کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ

فرمان حق تعالیٰ می شود که اے سید محمد از سبب آنکه ترا خاتم ولایت محمدی گردانیدم فرض ادا کنانیم (مولودصفحہ۳۰)

ترجمہ: خدا تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ اے سید محمد! چونکہ ہم نے تجھ کو محمدؐ کی ولایت کا خاتم کیا ہے (اس لئے یہ) فرض ادا کراتے ہیں''

یہ نقل شریف نہایت اہم ہے،اس لئے کہ اس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ حضرت بندگی میراںؑ کوفرمان باری تعالیٰ ہورہا تھا کہ ہم نے تجھ کو خاتم ولایت محمدی بنایا ہے پس اسی زمانے سے آپ ولایت محمدیہ کے مظہرقرار پائے۔یہ لیکن واقعہ زمانہ استغراق کا ہے۔یعنی حالت جذب واستغراق میں آپؑ پر واضح کیا گیا کہ آپ مظہر ولایت محمدی ہیں لیکن اس جذب کے زمانے میں آپؑ کے مہدی موعود ہونے کا اظہار نہیں کیا گیا ہے۔پس وہ سارے مورخین اور اہل قلم جو دعویٰ مہدیت کو حالت جذب کا نتیجہ بیان کرتے ہیں، غلطی پر ہیں۔اس لئے کہ مہدی کی بعثت کی اطلاع شرعی طور پر دی گئی ہے یعنی احادیث نبوی سے مہدی کے وجود وظہور کا علم حاصل ہوتا ہے۔اور یہ بات عقیدۂ اسلامی میں داخل کی جاتی ہے۔اور مسلمان بھی ظہور مہدی کو شرعی اور مذہبی حیثیت سے مانتے ہیں۔مہدی کا انکار کرنے والے پر شرعی حیثیت سے ہی کفر کا حکم لگایا جاتا ہے۔پس ان وجوہ کے مدنظر حالتِ جذب کے دعویٰ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔حضرت بندگی میراںؑ پر اعتراض کرنے والوں کی نافہمی ہے یا بددیانتی ہے کہ حالتِ جذب کے زمانہ میں ختمیت ولایت کے اظہار کو

دعوی مہدیت سمجھ لیا گیا۔

اگر اس واقعہ کے زمانہ کا تعین کیا جائے تو یہ قیاس غلط نہ ہوگا کہ گہرے استغراق وجذب کے ساتویں سال جب کہ سُکر کامل ختم اور صحو وسکر کا ملا جلا پانچ سال کا زمانہ جاری ہوا اس کے آغاز میں حضرتؑ نے اس واردات کو ظاہر فرمایا۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ختمیت ولایت کا اعلان، حضرت بندگی میراں کے ۲۹ ویں سال کا واقعہ ہے (اس لئے کہ گوڑ کی جنگ بائیسویں سال ہوئی ہے۔ حسب تحقیق اٹھائیسویں سال نہیں ہوئی جیسا کہ مشہور ہے)

صوفیائے محققین نے جیسا کہ بیان کیا تھا کہ مہدی موعودؑ خاتم الاولیاء کے ذریعہ حقائق الٰہیہ ظاہر ہوں گے، اس بیان کا ثبوت اور مصداق، ہم کو حضرت میراں علیہ السلام کی سیرت مبارکہ میں ملتا ہے۔ چنانچہ جب آپؑ گجرات تشریف لے گئے اور حسب معمول بیان قرآن فرمایا تو علماء معترض ہوئے۔ اس واقعہ کو حضرت میاں ولی یوسفؒ نے انصاف نامہ میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ نیز نقل ہے کہ ملاؤں نے کہا کہ سید محمد حقائق بیان کرتے ہیں اور یہ بات بادشاہ پر گراں ہے اس کے بعد حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ اگر بندہ حقائق بیان کرے تو تم جل جاؤ گے بندہ محمدؐ کی شریعت بیان کرتا ہے حقائق بیان میں نہیں آتے (انصاف نامہ صفحہ ۳۱۸ مطبوعہ) اس نقل کی توضیح یہ ہے کہ حضر بندگی میراں علیہ السلام عصر تا مغرب بیانِ قرآن فرمایا کرتے تھے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیان قرآن کے منصب پر بھی مامور کیا تھا اور **ثم ان علینا بیانہ** کا مصداق مقرر کیا تھا۔ پس آپؑ بندگانِ خدا کو قرآن شریف کے ذریعہ طلب مولیٰ کی ترغیب دیتے تھے اور محبت الٰہی کا بیان فرماتے تھے۔ یہ بیان کسی تفسیر سے ماخوذ نہ تھا، خداداد بیان تھا۔ بعض سننے والے متحیر ہوتے اور دوسرے اخذ فیضان کرتے۔ معارف الٰہیہ سماعت میں آتے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ حدود شریعت کے اندر، الفاظ قرآنی کے ذریعہ ہی بیان کیا جاتا تھا۔ اس لئے اسے خلاف شریعت یا ورائے شریعت نہیں کہا جاسکتا تھا۔ چونکہ دنیا پرست علماء آپ کے مخالف تھے اس لئے انہوں نے ایسے بیان کو بھی ایسے حقائق کے اظہار کا نام دیا جو عوام کے روبرو قابل بیان نہ تھے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے ان پر واضح کیا کہ حقائق بیان میں نہیں آسکتے کیوں کہ ان کے لئے انسانی زبان میں الفاظ نہیں ہیں اور نہ مصلحت کا اقتضاء ہے کہ سرِ ربوبیت کو ظاہر کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت میراں علیہ السلام کو وہ قوت عطا فرمائی تھی کہ آپؑ حقائق بیان کر سکتے تھے اور نتیجہ یہ ہوتا کہ سننے والے جل کر ختم ہو جاتے۔ لیکن خلیفۃ اللہؑ ہلاک کرنے کے لئے نہیں آئے تھے۔ اس لئے باوجود قدرت کے آپؑ نے بیان نہیں فرمایا۔ وہ شریعت محمدی جو سلوک پر مشتمل تھی آپؑ اس کا بیان فرما رہے تھے۔ علماء اسی کو حقائق قرار دے رہے تھے۔ آپؑ کا عام بیان بھی دوسروں کے نزدیک حقائق کے مماثل تھا۔ غرض یہ بات صحیح ثابت ہوگئی کہ خاتم الاولیاء اسرار الٰہیہ سے باخبر کریں گے۔

جب حضرت مہدی علیہ السلام ۴۰ سال کی عمر میں عازم حج بیت اللہ ہوئے اور اپنے مولد سے ہجرت اختیار کی تو آپ جونپور سے جانب مشرق روانہ ہوئے انتہا یہ کہ داناپور میں چھ ماہ کے لئے مقیم ہوئے۔ اسی قیام کے دوران آپؑ کی زوجہ محترمہ بی بی الہدایتیؓ نے

ایک مرتبہ غیب سے یہ آواز سنی کہ ''تیرا شوہر کہ سید محمد ہے اسے ہم نے مہدی موعودؑ حامل اثقال ولایت محمدیؐ اور خاتم ولایت نبوی کیا ہے وہ صاحبِ زمانہ اور ہمارا خلیفہ ہے۔'' بی بی صاحبہ نے اس الہام کو حضرت میراں علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔ آپؑ نے تمام احوال کو ثابت اور راست قرار دیا اور فرمایا کہ:

''بندہ کو تمام وقت یہی فرمان (خدا) ہوتا ہے کہ تجھ کو مہدی موعود کیا ہے۔ البتہ اس کے اظہار کا تعلق وقت آنے پر ہے'' (مولود شریف صفحہ ۳۴) اس نقل سے ظاہر ہے کہ ہر لمحہ آپؑ پر ظاہر کیا جا رہا تھا کہ آپؑ مہدیت موعودہ کے منصب پر فائز کئے جا رہے ہیں۔ البتہ اس ماموریت کا اعلان، ایک خاص وقت پر موقوف تھا۔ اس لئے اس علم کے باوجود آپؑ نے دعویٰ مہدیت کے لئے ۹۰۵ھ تک توقف فرمایا۔

عام مسلمان اور شیعہ بھی مہدی موعودؑ کے بارے میں خاتم الولی کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ خاتم الولایت محمدیہ کا منصب اور مہدیت موعودہ کا عہدہ ایک ہی مبارک شخصیت کے لئے صرف گروہ مہدویہ میں متعارف ہے البتہ صوفیائے محققین اس حقیقت سے باخبر تھے اسی لئے انہوں نے اس کا اظہار کر دیا۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' جنوری فبروری ۱۹۸۷ء)

ختم ولایت محمدیہؐ

دسویں صدی ہجری مطابق سولہویں صدی عیسوی میں حضرت سید محمد جونپوریؑ نے ''مہدی موعودؑ'' ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے اس دعوے کے گواہ کے طور پر کتاب اللہ اور اتباع رسولؐ کو پیش فرمایا۔ مزید یہ بھی فرمایا کہ ''مذہب ما کتاب اللہ واتباع رسول اللہؐ'' (مولود) ترجمہ: ''ہمارا مذہب اللہ کی کتاب اور رسول اللہؐ کی پیروی کرنا ہے'' آپ نے پیروی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درجہ پہنچا دیا کہ خود ارشاد فرمایا'' **بندہ قدم بر قدم رسول است** '' (حاشیہ) یعنی بندہ رسولؐ کے قدم بہ قدم ہے۔ (یعنی کامل پیروی کرنے والا ہے) آپ کی ایسی متابعت سے آپؑ پر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث صادق آتی ہے جس میں مہدی موعودؑ کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ ''انہ یقفوا اثری و لا یخطی'' یعنی مہدی میرے قدم بہ قدم چلے گا اور خطا نہ کرے گا۔ آپؑ آنحضرت صلعم کی پیروی مشاہدے کے ذریعہ کرتے تھے۔ جو حق تعالیٰ نے آپؑ کو عطا کیا تھا۔ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے اعتصام کی وجہ سے آپؑ پر وہ حدیث صادق آتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ ''**ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ترکت فیکم امریں کن تضلوا ما تمسکم بھا کتا ب اللہ وسنۃ نبیہ** (موطا امام مالکؒ) ترجمہ: حضرت رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں ۔ جب تک ان (دونوں چیزوں) کو تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے ۔اور وہ اللہ کی کتاب اوراس کے نبی کی سنت ہے‘‘یعنی کتاب وسنت کا تمسک ہدایت کا ضامن اور گمراہی سے تطہیر وتحفظ ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی یہ بشارت‘ ہر ایک صاحب اعتصام کو شامل ہے ۔لیکن جس طرح ایمان کے درجات ہیں‘ اسی طرح اعتصام وتمسک میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے ۔ جب یہ تمسک تائید ایزدی اور مشاہدۂ رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتو منفرد اور بے نظیر ہوتا ہے ۔ چنانچہ پابندی شریعت کے سلسلے میں آپؑ نے اس حقیقت کو آشکار کیا کہ’’ **شریعت بعد از فنائے بشریت است** ‘‘ (حاشیہ)یعنی بشریت فنا ہونے کے بعد شریعت ہے ۔ مراد یہ ہے کہ جب تک اپنی خودی کو فنا نہ کردیا جائے شریعت کی حقیقی عمل آوری نہیں ہوسکتی‘ چنانچہ خود آپؑ ابتدا ہی سے فنائے بشریت اور پیروی شریعت کے عامل رہے ۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ولایت محمدیہؐ مقیدہ کے خاتم عہدے سے سرفراز ہوئے ۔اوراپنی بعثت کا مقصدان الفاظ میں فرمایا’’ **مارا حق تعالیٰ فرستادہ است مخصوص برائے انیست کہ آں احکام وبیان کہ تعلق با ولایت محمدی دارہ بواسطہ مہدی ظاہر شود** ‘‘(انصاف نامہ) ترجمہ: ہم کو حق تعالیٰ نے خاص طور پر اس لئے بھیجا ہے کہ جو احکام و بیان کہ ولایت محمدی سے تعلق رکھتے ہوں‘ مہدی کے واسطہ سے ظاہر ہوں‘‘ یہ بات کہ مہدی موعودؑ خاتم الولایت محمدیہ ہوں گے‘ محققین اہل سنت کے مسلمات سے ہے ۔ مثلاً مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز میں مرقوم ہے کہ’’ **یعنی ظہور تمامی ولایت وکمالش نجاتم الاولیا خواھد بود چہ کمال حقیقت دائرہ در نقطۂ اخیر بظھور می رسد وخاتم الاولیا عبارت از محمد مہدی است کہ موعود حضرت رسالت است علیہ الصلوٰۃ والسلام** ‘‘یعنی ولایت کا تمامی ظہوراور کمال خاتم الاولیاء کی ذات سے ہوگا کیونکہ دائرہ کی حقیقت نقطۂ اخیر سے ظاہر ہوتی ہےاور خاتم الاولیاء سے مراد مہدی موعود علیہ السلام ہیں جو حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ واسلام کے موعود ہیں‘ اس امر کی تائید نقد النصوص شرح فصوص سے ہوتی ہے ۔ جہاں بیان کیا گیا ہے کہ’’ **نوع دیگر ازولایت محمدی کہ جامع باشد بتصرف صوری ومعنوی ومقرون بہ خلافت (ظاہری) نباشد** ‘‘ ترجمہ: ولایت کی دوسری قسم ولایت محمدی ہے جو ظاہری اور باطنی تصرف کی جامع ہے ۔(لیکن اس خلافت میں ظاہری) خلافت (حکومت) نہ ہوگی ۔(اس کے حامل) امام مہدیؑ ہیں کہ آخری زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام (اور آپؐ ہی کی) صورت پر ظاہر ہوں گے ۔اوران ہی کو مخصوص ولایت محمدیہ کے خاتم کہتے ہیں‘ مزید یہ کہ تجلیات رحمانی میں یُمندرج ہے کہ’’ **چنانچہ ختم نبوت بر رسول اللہ ﷺ است ہم چناں ختم ولایت بر مہدی علیہ السلام است** ‘‘ ترجمہ: جس طرح نبوت کا ختم رسول اللہ ﷺ پر ہے اسی طرح ختم ولایت مہدی علیہ السلام پر ہوگی‘‘ ختم ولایت کی اصطلاح’’ خاتم دین‘‘ سے ماخوذ ہے یہ لفظ امام مہدی علیہ السلام کی شان میں مروی احادیث میں خاص طور پر وارد ہوا ہے ۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے ۔ **قال قلت یا رسول اللہ امنا محمدن المھدی ام من**

غیرنا فقال لا بل منا یختم الله به الدین کما فتح بنا (العرف الوردی) فرمایا میں نے پوچھا یا رسول اللہ مہدی ہم آل محمد سے ہوگا یا ہمارے سوا دوسروں میں سے؟ فرمایا ہم میں سے ہوگا اللہ تعالیٰ مہدی پر دین کو ختم کرے گا' جیسا کہ ہم سے دین کی ابتداء کی ہے' پس مہدی علیہ السلام کا خاتم ولایت ہونا ایسی ہی حدیثوں سے سمجھا جائے گا کیونکہ محققین صوفیا کے نزدیک نبوت ولایت کے مجموعہ کا نام دین ہے۔ یہ دونوں صفتیں حضرت رسول اللہ ﷺ میں بدرجہ کمال موجود تھیں جن میں سے آنحضرتؐ نے احکام نبوت کو بیان فرمایا اور احکام ولایت کی نشر وتبلیغ کے لئے اپنی اہل بیت سے مہدی علیہ السلام کے ظہور کی بشارت دی۔ اسی وجہ سے مہدی علیہ السلام ولایت محمدیہ کے حاکم ہیں۔ جب عالم دین ہونے کی بشارت حضرت مہدیؑ کی شان میں وارد ہے تو خاتم الاولیاء بھی حضرت مہدی علیہ السلام ہی ہوں گے۔ غرض اس طرح حضرت سید محمد جونپوری کی مہدیت موعودہ ختم ولایت سے موصوف ہے۔ اور وہ نتیجہ ہے آپ کے قدم بہ قدم رسول علیہ السلام ہونے کا یہاں لفظ ختم مظہریت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خاتم الانبیاءؑ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہ ہوگا' اسی طرح مہدی علیہ السلام کے خاتم ولایت محمدیہ ہونے کا مطلب ہے کہ پھر کوئی شخص ولایت محمدیہ کا مظہر نہ ہوگا کیونکہ ولایت محمدیہ اپنی شان کے اعتبار سے اس قدر اعلیٰ واہم ہے کہ اس کے ختم (مظہریت) کے لئے حق تعالیٰ کے خلیفہ امام آخر الزماں علیہ السلام کو مامور ومقرر کیا گیا۔ ہاں یہ ہوگا کہ فیضان ولایت محمدی اس خاتم سے جاری ہوگا' جو شخص ولایت محمدیہ سے مستفیض ہونا چاہئے اسے اسی مشکوٰۃ سے انوار کا اقتباس کرنا ہوگا۔ اس طرح یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ مہدی کی بعثت دین کے باطن کے لئے تکمیل ہوگی نہ کہ ظاہر کے لئے کیونکہ شریعت کی تکمیل خود حضرت رسالت مآب کے ہاتھوں ہوچکی ہے البتہ باطن جسے بصیرت بھی کہتے ہیں اس کی دعوت اور اس کی تفصیل وتشریح مہدی خاتم الولایت محمدیہ کے ہاتھوں ہوئی۔ چنانچہ حضرت سید محمد مہدی موعودؑ نے قرآن شریف سے احکام ولایت کو بیان فرمایا اور ان کا منتہٰی لقاء حق یا دیدار باری تعالیٰ کو ظاہر فرمایا جو طالب حق کو اسی دنیا میں چشم سر سے ہوسکتا ہے اگر وہ اس سلوک کی تکمیل کرے جس ک حضرت مہدی مراد اللہ نے ظاہر فرمایا ہے اور جو کتاب وسنت کے عین مطابق ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نور حیات'' جولائی ۱۹۸۵ء)

ناصر دین

حضرت سید محمد جونپوری کے والد محترم کا اسم گرامی سید عبداللہ تھا۔ اور سید عبداللہ کو سلطنت شرقیہ کے بادشاہ سلطان حسین شرقی نے سید خاں کا خطاب دیا تھا۔ اس طرح آپؐ محمد بن عبداللہ ہیں اور آپؐ کے حق میں یہ حدیث صادق آتی ہے۔

عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تذهب الدنیا حتی یبعث الله رجلا من اهل بیتی

یو اطی اسمه اسمی و اسم ابیه اسم ابی یملا الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلما وجوراً (سنن ابن ابی شیبہ)

ترجمہ: ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا ہرگز ختم نہ ہوگی جب تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت سے ایک ایسے شخص کو پیدا نہ کرے جو میرا ہم نام ہو اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے جیسا ہو۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھردے گا جس طرح کہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی۔ حضرت سید محمد کے حقیقی دادا میاں سید عثمان شیرازیؒ ایران سے ہندوستان (سلطنت شرقیہ) تشریف لائے اور جونپور میں قیام فرمایا تھا۔ اور حضرت سید شیرازی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اس طرح یہ خاندان اہل بیت رسول علیہ السلام سے متعلق ہے۔ لہٰذا حدیث مذکور بھی آپ کے حق میں صادق آتی ہے۔

سنن ابوداؤد میں اس طرح مذکور ہے کہ **قال رسول الله صلی الله علیه وسلم المهدی من عترتی من ولد فاطمة**

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدیؑ میرے خاندان میں فاطمہؓ کی اولاد میں ہوگا۔ حضرت سید محمد مہدی موعودؑ کی تعلیم پانچ سال کی عمر میں شروع ہوئی اور آپؑ نے علوم عربیہ متداولہ بارہ سال کی عمر میں تکمیل فرمائے آپ کی خداداد فراست کو دیکھ کر علمائے شیراز ہند جونپور نے آپ کو ''اسد العلماء'' کے لقب سے مخاطب کیا۔ علوم ظاہری کی تکمیل آپ نے حضرت شیخ دانیال بلخی خضری کے مکتب میں فرمائی۔ بارھویں سال کے ختم پر بہ حکم الٰہی حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا ذکرِ خفی، حضرتؑ سید محمد کو پہنچا دیا بارگاہ رسالت سے یہ حکم بھی ملا کہ طالبان مولیٰ کو ذکر خفی کی عام طور پر تعلیم دی جائے۔ بعض غیر مہدوی تذکرہ نویسوں نے آپ کو طریقت میں حضرت شیخ دانیال بلخی کا شاگرد قرار دیا ہے۔ جو خلاف واقعہ ہے۔ اس واقعہ کے بعد ہی آپؑ نے طالبان حق کو ذکر خفی کی تلقین شروع کی۔ مزید براں آپؑ عصر تا مغرب مسجد شیرازی یا خالص مخلص جونپور میں بیان قرآن فرماتے تھے۔ یہ بیان ان حقائق پر مشتمل ہوتا تھا جو خداطلبی سے متعلق ہیں۔ ان ہی کو اصطلاحاً فرائض ولایت کہا جاتا ہے۔ جب آپؑ کی عمر بائیس سال کی ہوئی تو آپؑ نے سلطان حسین شرقی کے ہمراہ میتھل گوڑ اور اٹکل گوڑ کے جہادوں میں شرکت فرمائی اور خصوصاً اٹکل گوڑ کی فتح آپؑ ہی کے دستِ مبارک پر ہوئی۔ اس وقت آپؑ پر عالم استغراق طاری ہوا جو شدت کے ساتھ سات سال تک اور پھر پانچ سال تک طاری رہا۔ ابتدائی سات سال میں آپؑ نے کچھ بھی غذا استعمال نہیں کی البتہ بعد کے پانچ سال میں بہت تھوڑی سی غذا تناول فرمائی۔ ہوش میں آنے کا حال سن کر سلطان حسین شرقی نے جاگیرات کی سند پیش کی تو آپؑ نے اُسے رد کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث قبول نہ کی تھی تو پھر بندہ کس طرح قبول کرے اس کے بعد چالیس سال کی عمر میں آپ اپنے اہل وعیال اور اصحاب کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔ دانا پور، کالپی، چندیری، چاپانیر، مانڈو، برہان پور، دولت آباد، بیدر، گلبرگہ، بیجاپور سے ہوتے ہوئے ڈابھول کی بندرگاہ میں جہاز میں سوار ہوئے۔ اس وقت آپ کے ہمراہ (۳۶۰) افراد تھے جو سب کے سب متوکل علی اللہ تھے۔ ۹۰۱ھ کے حج سے فراغت پاکر آپ نے رکن ومقام کے پاس دعویٰ مہدیت کیا۔ پھر آپ دوبارہ ہندوستان تشریف لائے

اور گجرات میں ۹۰۵ ھ میں دعویٰ موکد کیا۔آپ نے فرمایا۔

امر ت بمهدية بامر الله تعالیٰ مع مشاهدة روح رسول الله ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ کے حکم اور روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کے ساتھ منصب مہدیت پر مامور کیا گیا ہے۔اس طرح آپؑ کی مہدیت کی بنیاد امر الٰہی اور مشاہدہ روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے تو آپؑ نے ابتداء ہی میں اعلان فرمادیا تھا کہ ''مذہب ما کتاب اللہ واتباع رسول اللہ'' یعنی ہمارا مذہب اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور حضرت رسول علیہ السلام کی اتباع ہے۔اور آپؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی الہام ربانی کے ذریعہ کرتے تھے نہ کہ خبرواثر کی بنیاد پر۔اسی لئے آپ کے عمل میں خطا کا احتمال نہ رہا اور مہدی موعود کے بارے میں حضرت رسالت مآبؐ کی حدیث ہے کہ **انه یقفوا اثری و لا یخطی** ترجمہ: وہ میرے قدم بہ قدم چلے گا اور خطا نہ کرے گا آپ پر صادق آتی ہے۔

حضرت مہدی موعودعلیہ السلام سے بھی منقول ہے کہ **بنده قدم به قدم رسولؑ هست** (حاشیہ انصاف نامہ صفحہ ۲۱۶)

ترجمہ: بندہ رسولؑ کے قدم بقدم ہے۔(یعنی کامل اتباع کرنے والا ہے۔) ان دلائل سے ظاہر ہے کہ حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تام تھے۔آپؑ نے دعویٰ موکد کے بعد جو مکتوب سلطان محمود بیگڑہ والی گجرات کو لکھا' اس میں تحریر فرمایا تھا کہ مجھے کامل ہوش ہے سُکر نہیں ہے۔صحت حاصل ہے بیماری نہیں ہے۔عقل تمام ہے کچھ بھی فوت نہیں ہوا ہے۔خدا تعالیٰ روزی پہنچاتا ہے۔فقیری اور محتاجی نہیں ہے۔بندہ اہل وعیال بھی رکھتا ہے اکیلا نہیں ہے۔ان حالات کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے فرمان سے بندہ دعویٰ مہدیت کا اظہار کرتا ہے اور اس دعوے پر کلام اللہ اور اتباع محمد رسول اللہؐ کو بطور گواہ پیش کرتا ہے۔تاکہ تحقیق کرو ورنہ دونوں جہاں میں بادشاہ کا منہ کالا ہوگا۔کیونکر بندہ حق پر ہے تو اطاعت کرو اگر بندہ حق (صداقت) پر نہ ہو تو فہمائش کرو۔اگر میں (تمہاری) حق بات نہ سمجھوں تو قتل کردو۔تمہیں معلوم ہوجائے کہ میں جہاں جاؤں گا اپنی حقانیت (صداقت کی بنیاد) پر عوام کو بلاؤں گا اور ان کی رہنمائی کروں گا یا علمائے ظاہر کے زعم کے مطابق گمراہ کروں گا'' گجرات کے بادشاہ اور علماء نے آپؑ کے اس مکتوب کا کوئی جواب نہ دیا۔آپؑ گجرات سے سندھ پہنچے تو عالی جناب مشخیت مآب شیخ صدرالدین صدرالعلماء سندھ نے آپؑ سے مباحثہ کیا اور لاجواب ہوکر کہا۔

''درباب تصدیق کردن امر مهدیت ترس خدامی آید مباد اخدام مهدی بنا شند چگونه قبول کنیم''

ترجمہ: دعویٰ مہدیت کی تصدیق کے بارے میں خوف خدا ہوتا ہے ایسا نہ ہو کہ حضور مہدی موعود نہ ہوں تو ہم کیونکر قبول کریں۔آپؑ نے صدرالعلماء کے جواب میں فرمایا کہ

چنانچه شما را ترس خدائے تعالیٰ درباب قبول کردن دروغ مهدی می آید پس بمقدار شمامرا ترس خدا نیست که من از خدا مهدی نباشم ودروغ خودرا مهدی می گویا نم بعده این آیت خواندند و من

اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او کذب بآیا تہ لا یفلح الظالمون (سورہ انعام آیت ۲۱)

ترجمہ: جیسا تم کو خدا کا خوف' جھوٹے دعویٰ مہدیت کو قبول کرنے میں ہے کیا اتنی مقدار میں بھی مجھے خدائے تعالیٰ کا خوف نہیں ہے کہ میں خدا کی طرف سے مہدی نہوکر جھوٹ سے خودکومہدی کہلاؤں۔اس کے بعد آپؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ترجمہ آیت: اوراس سے بڑھ کر ظالم کون ہے کہ اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔بلاشبہ ظالم لوگ چھٹکارانہیں پائیں گے۔

نیز نقل است کہ حضرت امام البر البحور شیخ مذکور رافرمودند کہ شمارا قبول کردن مہدیت بندہ چہ عجب می آید زیرا کہ ما شریعت نونیا وردیم واحکام شرع حقیقی را تغیر ندادیم درمیان ما شمادر باب اتباع شریعت ہیچ فرقے نیست مثلاً شمارا کلمہ گفتن وپنج وقت نماز روزہ وحج وزکواۃ ادا کردن و چہارزن را حلال دانستن است مارا ہم کلمہ گفتن وپنج وقت نماز ویک ماہ روزہ وحج وزکواۃ ادا کردن وچہار زن (را حلال دانستن) است مگر مرا فرمان حق تعالیٰ می شود کہ تو مہدی موعود ہستی (شواہد الولایت صفحہ ۲۰۳)

ترجمہ: نیز نقل ہے کہ حضرت امام بروبحر علیہ السلام نے شیخ مذکور (یعنی صدرالدین صدرالعلماء سندھ) سے فرمایا کہ تم کو بندے کی مہدیت کا قبول کرنا کیوں عجیب معلوم ہوتا ہے۔کیونکہ ہم کوئی نئی شریعت نہیں لائے۔اورشرع حقیقی کے احکام میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔ہمارے اورتمہارے درمیان اتباع شریعت کے معاملہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تمہارے لئے بھی کلمہ پڑھنا پانچ وقت نماز ادا کرنا ایک مہینے کے روزے رکھنا۔حج اورزکواۃ کی ادائی اور چارعورتوں کوحلال جاننا ہےاور ہمارے لئے بھی کلمہ پڑھنا' پانچ وقت کی نمازیں' ایک مہینے کے روزۓ حج اورزکواۃ کی ادائی اور چارعورتوں کوحلال جاننا ہے مگر مجھے حق تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ تومہدی موعود ہے۔

پس تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سید محمد جونپوری نے حکم خدا مشاہدہ روح رسول اللہ ﷺ اورنصرتِ دین اسلام کے لئے دعویٰ مہدیت کیا تھا۔آپؑ ناسخ شریعت نہ تھے بلکہ ناصر دین محمدیؐ تھےاورحکم خدااوررسولؐ خدا کے مطابق بندگانِ خدا کی ہدایت فرماتے۔

(مطبوعہ روزنامہ منصف مورخہ ۵/فبروری ۱۹۸۵ء)

طریقت مہدویہ

طالب پر فرض ہے کہ سب سے پہلے مرشد کامل کی تلاش کرے۔حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے مرشد کے صفات اس آیت شریفہ کے تحت بیان فرمائے ہیں۔**وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیات اولئک ھم الراشدون** (جز ۲۶' رکوع ۱۳) ترجمہ: (اللہ نے) کفر'فسق اورنافرمانی کوتمہارے نزدیک مکروہ کردیا ہے۔

اس نقل شریف کی تشریح حضرت بندگی میاں لاڑ شاہؒ سے منقول ہے۔آپؑ نے فرمایا کہ کفر سے مراد سالک کی ہستی ہے۔اورفسق وعصیان سے مراد اعتقادیات وعملیات کی افراط وتفریط ہے۔یعنی جوشخص اپنی ہستی سے کراہیت رکھتا ہو اور اعتقادیات میں افراط وتفریط کرنے سے بیزار ہواوراعمال میں کسی قسم کی کمی وبیشی نہ کرتا ہووہ مرشد برحق ہے۔حضرت بندگی میاں ملک جیؒ (شہزادہ لاہوت) نے آیت مندرجہ بالا اوراوصاف مرشد کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ جس کا پاؤں غیر کے در پر جانے سے شکستہ ہواورجس کی حرص کی آنکھ اندھی ہواورجس کی زبانِ حرص کٹی ہوئی ہووہ نصیحت کا سزاوار ہےاورقابل مواخذہ نہیں ہے یعنی ایسا ہی شخص مرشد ہوگا۔(ملاحظہ ہوزادالناجی)

غرض مرشد کامل کو پانے کے بعد طالب کا فرض ہے کہ مرشد سے تلقین ہو۔اس کوتربیت بھی کہا جاتا ہےاوریہی پہلی بیعت ہے۔اس موقع پر ذکرخفی کا دم دیا جاتا ہے۔جب سانس داخل ہوتو بغیر زبان ہلائے دل ہی دل میں ''الا اللہ توں ہے'' کہےاور جب سانس باہرآئے تو دل ہی دل میں ''لا الہ ہوں نہیں'' کہے۔مشاہدہ اورمرشد کا سلسلہ بھی معلوم کرلینا چاہیئے۔

سلوک مہدویہ کا آغازاس ذکرخفی سے ہوتا ہےاور یہ ذکراس قدراہم ہے کہ مہدوی چاہے تارک الدنیا ہویا کاسب' ہرایک پر فرض ہے۔چنانچہ حضرت مہدی علیہ السلام نے کاسب کے لئے حدودکسب کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ

اول توکل بر خدائی کند نظر بر کسب نکیند دوم پنج وقتہ نماز باجماعت بگذارد سوم ذکر دوام الخ (حاشیہ صفحہ ۴۵)

اسی طرح تارکان دنیا کے لئے اصول دین کوان الفاظ میں بیان فرمایا۔اول ترک دنیا' دوم عزلت خلق سوم ذکر دوام الخ (حاشیہ صفحہ ۴۶)

احکام بالا پرنظرڈالنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ طریقت مہدویہ میں ذکرخفی کواعلیٰ ترین اہمیت حاصل ہےاوراس کی خصوصیت ہمیشگی اوردوام ہے۔اوراس خصوصیت کا حصول تنفس کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ورنہ اورکوئی صورت' دوام بخشنے والی نہیں ہے۔مشق وممار

ست سے ذکر فطرت ثانی بن جاتا ہے۔ پہلا زینہ یہی ہے۔

لیکن ذکر، فکر سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر چہ اکہ ابتداء میں اس پر زور نہیں دیا جاتا۔ تاہم شروع ہی سے مشاہدہ مرشد کی تاکید کی جاتی ہے۔ مشاہدہ منفی سے زیادہ مثبت پہلو پر مشتمل ہے۔ اس لئے کہ ابتداء ہی سے اثبات پر توجہ مبذول رکھی جائے تو حصول مقصود جلد ہوجاتا ہے۔ یہی راستہ خطرات کی نفی کا بھی ہے۔ مشاہدۂ حقیقی ذاتِ حق کا ہوتا ہے۔ اگر یہ میسر نہ ہوتو ذات مرشد میں فنائیت کا مشاہدہ کرنا چاہئے **اگر ایں ہم نیز حاصل نہ گردد ہر کسے کہ قلبش رجوع گردد سرتا پائے خود مانند اوداند۔** مطلب یہ ہے کہ فنائیت مرشد نصیب نہ ہوتو پھر جس کی طرف اپنا دل رجوع ہوا پنے آپ کو مکمل اس کے جیسا سمجھے۔ یہ مرحلہ ایسا ہے جس کا انتخاب کمال احتیاط کو مقتضی ہے کیونکہ مشاہدہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک میں وہی اوصاف پیدا ہوجاتے ہیں جس کا وہ مشاہدہ کرتا ہے۔ کامل کا مشاہدہ کمال پیدا کرتا ہے تو ناقص کا مشاہدہ زوال وہبوط پر منتج ہوتا ہے۔ فکر کی دوسری صورت مراقبات پر مشتمل ہے۔ مراقبہ کا مطلب نگہبانی ہے یعنی مراقب اپنے مطلوب پر نظر رکھتا ہے تا کہ غیر حق داخل نہ ہو۔ اس موقعہ پر خدا تعالیٰ کے حاضر وناظر، سمیع وبصیر ہونے کا مشاہدہ کیا جارہا ہے۔ اگر پلک جھپکنے کے برابر عرصہ کی غفلت ہوجائے تو مراقبہ باقی نہ رہے گا۔ یہ مراقبہ عام ہے کہ سالک اس بات کو جان لے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں، حق تعالیٰ سنتا ہے اور میں جو کچھ کرتا ہوں حق تعالیٰ دیکھتا ہے۔ اور میرے دل میں جو کچھ خیال وخطرہ داخل ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ یہی سمیع وبصیر اور علیم کا مراقبہ ہے۔ اس مراقبہ کا فائدہ یہ ہے کہ سالک سے روزمرہ زندگی میں کوئی خطا نہ ہوگی۔

آیات کلام اللہ پر بھی مراقبہ کیا جاتا ہے۔ اس غرض سے بطور خاص ان آیات مبارکہ کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ جو توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہیں۔

(۱) وھو معکم اینما کنتم (ترجمہ) اور تم جہاں کہیں رہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

(۲) فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (ترجمہ) تم جدھر بھی رخ کرو اللہ کی ذات ہوگی۔

(۳) واللہ بکل شئی محیط (ترجمہ) اور اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

(۴) وفی انفسکم افلا تبصرون (ترجمہ) تم اپنے آپ کو کیوں نہیں دیکھتے؟

(۵) نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ترجمہ) ہم اس کے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

(مطبوعہ ''نورولایت'' میلادمہدی موعودؑ اپریل ۱۹۸۱ء)

مہدی بادشاہِ عالم

انصاف نامہ کے انیسویں باب کے آخر میں یہ نقل ہے کہ علماء نے حضرت مہدی موعود علیہ السلام سے بحث کی اور یہ کہا کہ مہدی تو عالم کا بادشاہ ہوگا؟ ان معترضین کا مطلب یہ تھا کہ حضرت بندگی میرانؑ دنیا بھر کے بادشاہ تو کہاں، کسی چھوٹی اور معمولی سلطنت کے بھی حاکم نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں کس طرح آپ مہدیٔ موعود ہو سکتے ہیں؟ غرض اسی ذہنی پس منظر کے تحت انہوں نے ایسا سوال کیا تو حضرت مہدیؑ نے اثبات میں جواب دیا کہ ''ہاں'' پھر مہدی کی بادشاہت کی تفہیم فرمائی۔

حضرت مہدیؑ کی حاکمیت کا تصور غالباً احادیث مہدی کے ان الفاظ سے پیدا ہوا کہ جن میں زمین کو عدل وانصاف سے بھر دینا، ظلم وجور کو دور کرنا، اور بے حساب مال عطا کرنا مذکور ہے۔ کیونکہ علمائے مذکور کے خیال میں ان تمام امور کی انجام دہی اقتدارِ اعلیٰ کے بغیر ممکن نہیں پس لامحالہ مہدی بادشاہ ہوگا۔

ایک اور وجہ بھی اس تصور کے پیدا ہونے کی ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کتب احادیث میں اخبار مغیب کے تحت وہ تمام احادیث درج ہیں جن کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہے اور ان ہی میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جن میں ملک عرب کی حاکمیت کا ذکر آتا ہے مثلاً

عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تذهب الدنیا حتی یملک العرب رجل من اهل بیتی یواطی اسمه اسمی (رواہ الترمذی)

ترجمہ: عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کا اس وقت تک خاتمہ نہیں ہوگا جب تک میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص عرب پر حاکم نہ ہو جو میرا ہم نام ہوگا۔ (ترمذی شریف)

حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی ایسی ہی ایک روایت منقول ہے جس میں حاکم ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ ترمذی شریف۔ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جس میں **یکون فی اخر امتی خلیفة یحثی المال حیثا و لا یعده عدا** کے الفاظ آئے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ''میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال دونوں ہاتھ بھر بھر کر دے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مشہور حدیث مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ **کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم** (مسلم) ترجمہ: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جبکہ تم میں عیسیٰ بن مریمؑ اتریں گے اور اس وقت تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔

''امامت'' کے ذکر سے بھی امام مہدی کے حاکم ہونے کا عقیدہ اختیار پھیل گیا۔لیکن یہ عقیدہ صرف اذہان ہی میں نہیں رہا بلکہ علم سے عمل میں بھی منتقل ہوگیا۔یعنی امت محمدیہ میں کئی افراد نے مہدی کی حیثیت سے خروج کیا اور ہر شخص حکومت کا دعویٰ دار بن گیا۔تاریخ اسلام میں اس کی اہمیت کی متعدد مثالیں مذکور ہیں۔ چنانچہ عباسی خلافت ۱۳۲ھ میں قائم ہوئی اور ابوالعباس عبداللہ بن محمد المعروف بہ سفاح پہلا خلیفہ ہوا۔اس نے چار سال آٹھ ماہ حکومت کرکے انتقال کیا۔اس کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر عبداللہ بن محمد الملقب بہ منصور تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔اسی منصور کی خلافت کے اٹھارویں یا انیسویں سال محمد بن عبداللہ حسنی نے خروج کیا۔اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ محمدؔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ان کے دادا حضرت امام حسنؓ کے بیٹے اور ان ہی کے ہم نام تھے یعنی حسن۔آپ کی زوجہ حضرت امام حسینؓ شہیدِ کربلا کی صاحبزادی فاطمہ تھیں ان کے ایک صاحبزادے تولد ہوئے نام عبداللہ رکھا گیا ماں باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی تھے۔اسی لئے عبداللہ المحض کہلاتے تھے۔ یہ عبداللہ سیاسی معاملات سے بہت دلچسپی رکھتے تھے' اور خلافت کے خواہشمند بھی تھے۔ان عبداللہ کو اپنی زوجہ ہند بنتِ ابی عبیدہ سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔محمدؔ' ابراہیم اور موسیٰ۔ جناب عبداللہ نے بنی ہاشم کے حامیوں میں '' اسمہ اسمی الخ'' کی حدیث کی تبلیغ کرکے یہ کہا تھا کہ ان کے بیٹے ''محمد'' وہی مہدیٔ موعود ہیں جن کی آمد کی خبر آنحضرت صلعم نے دی ہے۔شیعیان علیؓ نے اس دعویٰ کو قبول کرلیا اور ایک بڑی جماعت نے ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کرلی۔محمد ایک زمانے تک اپنی مہدیت کی دعوت خفیہ طور پر چلاتے رہے' چونکہ عباسی خلیفہ منصور ان کی تاک میں تھا اسی لئے وہ برابر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہے اور اسی لئے گرفتاری سے بچے بھی رہے۔۱۴۴ھ میں جب بنو ہاشم نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کی تو منصور نے سختی سے ان کی تلاش شروع کردی۔ بنو ہاشم کو بلاکر ان کا پتہ پوچھا مگر کسی نے صحیح جواب نہ دیا۔اس وقت منصور نے محمد کے والد عبداللہ المحض پر سختی شروع کی تاکہ وہ محمد اور ابراہیم اپنے دونوں بیٹوں کو حاضر کریں۔انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ تھوڑے عرصہ بعد رجب ۱۴۵ھ میں محمد بن عبداللہ نے خروج کیا تو ایک بڑی جماعت ان کے ساتھ ہوگئی اب انہوں نے مدینہ پر قبضہ کرلیا پھر منصور اور محمد بن عبداللہ میں خط وکتابت بھی ہوئی آخرکار رمضان ۱۴۵ھ میں مدینہ کے قریب لڑائی ہوئی آپ کے چند ساتھیوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور محمد بن عبداللہ نے آبِ تیغ نوش کیا۔

محمد کا لقب الارقط (چیتا) بھی ہے اور ان کو النفس الزکیہ سے بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ان سے بڑھ کر ان کے والد کو گمان تھا کہ ان کا بیٹا مہدیٔ موعود ہے۔وہی اس بات کا دعویٰ کرتے تھے۔پھر محمد نے بھی یہی دعویٰ کیا۔ان میں اتنی سی بات تھی کہ وہ بنی فاطمہؓ سے تھے لیکن نہ تو وسط امت میں پیدا ہوئے اور نہ مشرق سے نمودار ہوئے نہ ازالۂ بدعات کا کوئی کام کیا نہ قسط وعدل سے کوئی سروکار رکھا' امت کی ہلاکت کے لئے دافع بھی ثابت نہوئے بلکہ کفار کی بجائے اسلامی سلطنت کے خلاف خروج کیا اور اپنی تحریک کو خفیہ طور پر چلایا اور خروج کے دوسرے ہی مہینے میں مقتول ہوئے۔آپ کے اکثر اہلِ خاندان اس خروج کے مخالف تھے اور آپ کے

شیعوں نے آخری جنگ میں آپ کا ساتھ بھی چھوڑ دیا۔

اسی طرح اسماعیلیہ فرقہ میں ایک شخص محمد حبیب گزرا ہے جو ضلع حمص کے موضع سلمیہ کا رہنے والا تھا۔ وہ سلطنت قائم کرنے کا بڑا خواہش مند تھا اپنے آخری دنوں میں اس نے اپنے بیٹے عبیداللہ کے مہدی موعود ہونے کا پروپگنڈہ شروع کیا۔ محمد حبیب نے اپنے ایک مرید ابوعبداللہ حسن بن احمد کو تیار کرکے شمالی آفریقہ روانہ کیا تا کہ عبیداللہ کی مہدیت کی تبلیغ کی جائے۔ ابوعبداللہ نے وہاں اپنا اثر جمالیا۔ پھر ایک لشکر ترتیب دیا اور آخر کار شمالی آفریقہ کے ایک حصہ پر قبضہ بھی کرلیا۔ اس کے بعد عبیداللہ کو طلب کرکے ماہ ربیع الآخر ۲۹۷ھ میں تخت نشین کیا اور اس کا لقب مہدی امیرالمومنین رکھا۔ آفریقہ، سلجماسہ، قاہرات کے سارے علاقے عبیداللہ کے قبضے ہی میں آ گئے اس نے علمائے اہلِ سنت والجماعت کو قتل کرا کے بہ جبر اسماعیلی مذہب پھیلایا۔ غرض ۲۵ سال تک حکومت کرکے عبیداللہ نے وفات پائی۔ مصر اور شام بھی اس کی مملکت میں داخل ہوگئے تھے۔ اوران پر اس کی اولاد میں تیرہ فرماں روا ۵٦٧ھ تک حکمرانی کرتے رہے۔

تاریخ اسلام میں محمد بن عبداللہ بن تومرت بھی مہدیت کے دعوی داروں اور حکومت قائم کرنے والوں کی حیثیت سے مشہور ہے۔ ایسے لوگوں کے حالات عبرت انگیز ہیں۔ یہ شخص ۴۸۵ھ میں سوس میں پیدا ہوا۔ کہتے ہیں کہ امام حسنؓ کی اولاد سے تھا۔ بغداد میں تعلیم دینی حاصل کی اور زاہدانہ زندگی کو اپنا شعار بنایا۔ امر معروف میں سختی برتتا تھا۔ شمالی آفریقہ کے علاقوں میں ہجرت کرکے چلا گیا۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ ابن تومرت کو علم جفر کی ایک کتاب مل گئی تھی۔ اس نے اس کا گہرا مطالعہ کیا۔ جفر کے قاعدے متعلقۂ اخبار سیکھے اور اپنے آپ کے متعلق سوال قائم کرکے از روئے جفر جواب حاصل کیا تو معلوم ہوا کہ سوس میں پیدا ہونے والا شخص تینمل میں عروج حاصل کرے گا۔ اور اسکو عبدالمومن سے مدد ملے گی۔ اس جواب کو پیش نظر رکھ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو شعار بنا کر شمالی آفریقہ میں گھومنے لگا جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ اس دوران ملالہ گاؤں میں عبدالمومن سے ملاقات ہوئی۔ ابن تومرت نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ کہتے ہیں کہ عبدالمومن نے بھی بادشاہت کا خواب دیکھا تھا۔ اب ابن تومرت نے اسے یقین دلایا کہ اسے ضرور بادشاہت ملے گی۔ اس کے بعد دونوں مراقش آ گئے۔ وہاں سے اخراج ہوا تو تینمل کو پہنچے۔ یہ ایک گاؤں تھا۔ یہاں لوگوں نے اسے درویش کے لباس میں دیکھ کر خاطر مدارات کی اور اس کے مرید ہوگئے۔ ابن تومرت نے آس پاس کے قبائل میں اپنے مبلغین بھیجے کہ ظہور مہدی کے قریب ہونے کا چرچا کریں۔ جب زمین تیار ہوگئی تو جامع مسجد میں دعوئ مہدیت کردیا۔ عبدالمومن اور دوسروں نے بیعت کرلی اور عوام بھی بیعت کرنے لگے۔ ابن تومرت نے کئی رسائل تصنیف کئے اور اپنے پیروؤں کا نام موحدین رکھا کہ دنیا بھر میں ان کے سوا کوئی موحد نہیں۔ اس نے بعض عجیب ہتھکنڈوں سے کام لیا۔ عبداللہ ونشریسی ایک عالم شخص جو حافظِ قرآن اور موطاء امام مالک کا حافظ تھا آ کر اس کا شریک ہوگیا۔ ابن تومرت نے اس سے کہا کہ وہ گونگا بن جائے اور جب ابن تومرت خواہش کرے تو وہ

بولنے لگا۔عبداللہ ونشریسی عرصہ دراز تک گونگا بنا رہا پھر ابن تومرت کے اشارے پر فصیح و بلیغ گفتگو کرنے لگا۔ابن تومرت نے اسے اپنا معجزہ قرار دیا۔ پھر اس نے اسی گاؤں کے ایسے تمام لوگوں کو قتل کرادیا جو اس کی مہدیت کے قائل نہ تھے۔اس کے بعد اس نے فوج تیار کر کے شاہی لشکر سے مقابلہ کیا اور ابن تومرت کی فوجوں کو آخر میں فتح حاصل ہوئی۔ان تمام معرکوں میں ابن تومرت کا یہ معمول تھا کہ جہاں کہیں کوئی مسلمان نظر آتا اسے مہدی کا منکر سمجھ کر گرفتار کرلیتا۔ جب وہ مہدیت قبول کرتا تو رہا کردیا جاتا ورنہ قتل کردیا جاتا۔ ۵۲۴ھ میں ابن تومرت کا انتقال ہوگیا اس نے عبدالمومن کو سربراہ سلطنت مقرر کردیا تھا اب عبدالمومن نے فتوحات حاصل کرنی شروع کیں۔ جب سلطنت اچھی طرح قائم ہوگئی تو ابن تومرت کی مہدیت سے انکار کیا اور اس سلطنت کو اسلامی سلطنت میں تبدیل کردیا اور اس کے تمام جانشین ابنِ تومرت کی مہدیت کے منکر رہے۔

ابنِ تومرت کی مہدیت بھی کس قدر عجیب رہی۔ مسلمانوں نے اخبارِ مستقبلہ کے لئے جن فنون کو ترقی دی' ان میں علم جفر بھی ہے جو محض حروفِ ابجد کی الٹ پھیر ہے۔اسی لف ونشر سے ایک جملہ بن جاتا ہے۔اس کو پیشین گوئی سمجھ لیا جاتا ہے۔ابنِ تومرت نے اپنی مہدیت کا فال کھولا اور اسی بناء پر زہد وتقشّف کا لبادہ اوڑھ کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مظاہرہ کیا۔ ہزاروں مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا۔اسلامی سلطنت کے خلاف تلوار اٹھائی۔ معجزے کے نام پر شعبدے دکھائے اسی لئے اس کے مرتے ہی اسکی مہدیت کا خاتمہ بھی ہوگیا۔

حکومت کے دل دادہ مہدیوں میں محمد احمد سوڈانی بھی مشہور ہے جو ۱۸۴۸ء کو دریائے نیل کے کنارے پیدا ہوا۔ بارہ سال کی عمر میں کلام الٰہی حفظ کیا پھر تحصیل علوم دینیہ میں مشغول رہا پھر ایک غار میں بیٹھ کر خوشبو جلا کر کسی اسم کا ورد کرنے لگا۔نتیجہ یہ ہوا کہ مخلوق خدا مسخر ہونے لگی۔لوگ آ آ کر مرید ہونے لگے اب محمد احمد جہادِ فی سبیل اللہ کا وعظ کرنے لگا۔لوگ جہاد کے لئے تیار ہوگئے اور ہتھیار جمع کرنے لگے۔مئی ۱۸۸۱ء میں محمد احمد نے سوڈان کے تمام ممتاز لوگوں کو خط لکھا کہ میں ہی مہدی موعود ہوں جس کے آنے کی خبر دی گئی تھی۔سوڈان کے گورنر نے گرفتار کرنا چاہا تو محمد احمد کے لوگوں نے سرکاری دستہ کو شکست دیدی۔مختلف جھڑپوں میں محمد احمد کے لوگوں کو کامیابی ہوئی تو عوام بڑے متاثر ہوئے۔اس کو برحق مہدی سمجھ کر مرید ہونے لگے۔محمد احمد نے اپنے پیروؤں کو درویش کا لقب دیا تھا۔ ۱۸۸۲ء میں ابیض کے حملے میں محمد احمد کو شکست ہوگئی۔اس کے بعد اس نے محاصرہ کر کے عوام کو تکلیف پہنچا کر ابیض کا قلعہ لے لیا۔ اس کے بعد ایک نظام سلطنت قائم کیا۔ چنانچہ عشر' زکوٰۃ' فطرہ اور مالِ غنیمت بیت المال میں جمع کئے جاتے تھے۔قانون شریعت کے خلاف چلنے والوں سے جرمانے وصول کئے جاتے تھے پھر اس نے سوڈان میں اپنے مذہب کی تبلیغ کروائی کئی لڑائیوں میں بھی اس کو کامیابی حاصل ہوئی۔اب اس کی حکومت خرطوم کے پاس سے چھ سو میل کے فاصلے تک پھیل گئی تھی۔ رفتہ رفتہ فتوحات حاصل کر کے وہ سارے سوڈان پر قابض ہوگیا۔محمد احمد نے اپنے پیروؤں کو حج کی ممانعت کردی تھی۔ غالبًا اس کی وجہ یہ اندیشہ تھا کہ اس کے

پیرودوسروں سے ملیں گے تو مہدیت چھوڑ بیٹھیں گے۔ محمد احمد منکرین کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کٹوا دیتا تھا۔ اب وحی خداوندی کے نزول کا دعویٰ بھی کرنے لگا اور ایسی کتابیں جلوادیں جو اس کی تعلیم کے خلاف تھیں۔ اس نے کہنا شروع کیا کہ ''میں مکہ معظّمہ مدینہ منورہ اور بیت المقدس کو فتح کروں گا'' مشرق ومغرب میں میری حکومت ہو جائے گی کیونکہ میں جو کرتا ہوں وحیِ الٰہی کی بنا پر کرتا ہوں لیکن فتح خرطوم کے چند ماہ بعد وہ بخار اور چیچک میں مبتلا ہوا اور ۲۱/ جون ۱۸۸۵ء کو وفات پائی۔ اس وقت اس کی عمر ۳۷ سال تھی اس نے اپنے ایک مرید عبداللہ کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ جب لوگ اس کے مرنے پر رونے لگے تو عبداللہ نے کہا محمد احمد دیدار الٰہی کے لئے گیا ہوا ہے۔ عبداللہ نے منکرین مہدویت کو قتل کرنا شروع کیا۔ کچھ عرصہ بعد انگریز اس علاقے پر قابض ہو گئے۔ فاتح سوڈان لارڈ کچنر نے محمد احمد کی قبر کھدوا کر اس کی نعش نکال کر سر کاٹ ڈالا اور نعش کے ٹکڑے کر کے دریائے نیل میں پھینک دیئے۔ محمد احمد کے ماننے والوں کو بے دریغ قتل کر کے پھینک دیا۔

ان اوراق میں صرف ان مدعیانِ مہدیت کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے مہدیت اور ریاست کو ایک دوسرے کے مترادف سمجھا تھا۔ ہر ایک نے اسلامی حکومت اور مسلمانوں ہی کے خلاف ہی تلوار اٹھائی تھی۔ یہی ایک امر بھی ان کے دعویٰ کے بطلان کے لئے کافی ہے۔ آج ان مہدیوں کا کوئی ماننے والا بھی باقی نہیں ہے۔ نہ ان کی تعلیمات' بندگانِ خدا سے واصل کرنے میں کامیاب رہیں اور نہ ان میں اہل اللہ اٹھے۔ وراثت' ولایت محمدیہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود عامۃ المسلمین اور علماء آج بھی اسی خیال میں مگن ہیں کہ مہدی آ کر بادشاہت کریں گے۔

احادیث مہدی میں ایک حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ **یملاء الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً ویملک سبع سنین** (ابوداؤد) ترجمہ: دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا' جب کہ اس وقت وہ ظلم وستم سے بھر چکی ہوگی۔ اس کی حکومت سات سال تک رہے گی۔

اس حدیث سے مہدی کے حاکم ہونے کا تصور قائم کیا جا سکتا ہے لیکن انہی حضرت ابوسعید خدریؓ سے دوسری روایت بھی مروی ہے اس میں ارشاد رسول اکرم ﷺ ہے کہ ''**ان فی امتی المھدی یخرج یعیش خمساً وسبعاً او تسعاً**'' آپؐ نے فرمایا کہ میری امت میں مہدی ہوگا جو پانچ یا سات یا نو سال تک زندہ رہے گا۔ (ترمذی)

اس حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ **یملک** کا مطلب **یعیش** ہے یعنی مدتِ حیات ونیز یہ وضاحت بھی موجود ہے یہ سات سال ہی ہیں۔ قرن ہیں نہ صدیاں۔ مطلب یہ ہے کہ دعوئ مہدیت کے بعد مہدی موعود کم سے کم سات سال تک زندہ رہیں گے ورنہ ۹ سال تک۔

احادیث میں بیان کی ہوی مدت ۷ یا ۹ سال اتنی قلیل ہے کہ اس میں ساری دنیا کو فتح کر لینا اور اس کے بادشاہ بن جانا ممکن نہیں۔ بفرضِ محال اتنی مختصر مدت میں دنیا فتح بھی کر لی جائے تو اس کے نظم ونسق اور عدالتی اور معاشی انتظامات اتنی تھوڑی مدت میں

انجام پا جائیں، یہ ناممکن ہے۔ اگر ان تمام محالات کو بھی تسلیم کرلیا جائے تو حکمران کا محض سات یا نو سال تک زندہ رہ کر وفات پانا عالمی انتظام کے لئے مفید نہیں ہے۔ یہاں ایک تاویل کی جاسکتی ہے کہ مہدی موعود پہلے تو ساری دنیا فتح کرلیں گے اور اس کے بعد مہدیت کا دعویٰ کریں گے اور اس دعویٰ کے بعد ۷ یا ۹ سال زندہ رہیں گے تو اس مفروضہ کا جواب یہ ہے کہ دعوے سے پہلے عوام رضا کارانہ طور پر جوق در جوق شریک لشکر تو نہ ہوں گے اور دنیا فتح کرنے کے لئے ایسی زبردست فوج آئے گی کہاں سے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مہدی کو "بادشاہ عالم" تصور کرنے والے، دنیا کا طول وعرض جانتے بھی ہوں گے۔ ایسی وسیع وعریض دنیا کو آنِ واحد میں فتح کرلینا اور اس کا نظم ونسق درست کردینا صرف معجزے ہی سے ممکن ہے لیکن ایسا معجزہ نصوصِ قرآنی کے مطابق کب ہے؟

(۱) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (سورہ انعام آیت ۳۵) ترجمہ: اگر اللہ چاہے تو ان کو ہدایت پر جمع کردے۔

(۲) وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (سورہ یونس آیت ۹۹)

ترجمہ: اور اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جس قدر لوگ ہیں سب کے سب ایمان لاتے۔

(۳) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (سورہ نحل آیت ۹۳)

ترجمہ: اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی گروہ بنا دیتا، لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ سارے انسانوں کا ہدایت پانا اور ایک ہی پرچم کے تلے متحد ہونا، اور ساری دنیا میں ایک ہی بادشاہت کا ہونا، عالمی نظم ونسق کا ایک ہی مرکز سے انجام پانا منشاء خداوندی نہیں ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے مہدی کے بادشاہ عالم کا تصور تخلیق کیا ان لوگوں نے حقائق قرآنیہ کو پیش نظر نہیں رکھا۔ جب حضرت مہدیؑ کے حضور میں ملاؤں نے کہا کہ "مہدی تو بادشاہ عالم ہوگا" آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ

"آرے۔ ولیکن لید اسپاں نکشد" (ہاں لیکن گھوڑوں کی لید نہیں کھینچے گا) آپؑ کے اس جواب سے سپاہ کی جمع بندی، ملکوں پر چڑھائی، علاقوں کی فتوحات اور مختلف اقوام کی تسخیر وغیرہ سب کی نفی ہورہی ہے۔ حضرت بندگی میراں علیہ السلام کے زمانے میں فوج اور گھوڑے سوار ہی دور دراز ملکوں تک پہنچ کر ان کو زیرنگیں کیا کرتے تھے۔ اس لئے حضور ولایتؑ مآب نے ان کا ذکر فرمایا۔ لیکن مہدی کے ہدایتی مشن کے لئے فوج انتہائی غیر ضروری عنصر ہے اس کام میں صرف نصرت الٰہی ہی سب سے بڑی مدد ہے۔ چنانچہ جب میرذوالنون حاکم فرح نے حضرت مہدی علیہ السلام کی تصدیق کرلی تو عرض کیا کہ۔

"نوکر وناصرِ مہدی وغلام مهدی ام هر جا که تیغ زدنی باشد تیغ بزنم ومخالفانِ مهدی را بکشم"

ترجمہ: مہدی کا نوکر، غلام، مددگار رہوں۔ جہاں تلوار چلانے کی ضرورت ہوگی تلوار چلاؤں گا اور مہدیؑ کے مخالفوں کو قتل کروں گا"

"حضرت فرمودند: تیغ برنفس خودبزن که درگم راهی نیر فگند وناصر مهدی وکسانِ مهدی خدائی است"

ترجمہ: فرمایا کہ اپنے نفس پر تلوار مار کہ گمراہی میں نہ ڈالے۔ مہدی اور مہدیوں کا ناصر خدا ہے''

ملاؤں کے جواب میں حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے ابتداً اثبات میں جواب دیا اور فرمایا کہ ہاں ''مہدی بادشاہ عالم ہوگا'' آپ کے اس ارشاد کا مطلب روحانی حکمرانی ہے۔ چنانچہ شواہد الولایت میں خصائص مہدیؑ کے تحت یہ نقل درج ہے۔

ترجمہ: ایک روز حضرت امام علیہ السلام نے بہ فرمانِ خداوندِ علاّم فرمایا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہوتا ہے کہ ''اے سید محمد تمام خلائق اولین وآخرین کی پیشوائی کو قبول کر۔ بندے نے عرض کیا کہ الٰہی اس ضعیف کی کیا طاقت وقدرت ہے ان کی پیشوائی کر سکے۔ پھر خدا کے فضل وعنایت پر جو خدا نے اس بندے پر کیا ہے' نظر کی اور کہا کہ خداوندا تیرے فضل سے اور تیری عنایت سے جو تو فرماتا ہے پیشوائی اختیار کرتا ہوں۔ اگر چہ دس گنے زیادہ ہوں اوران کی پیشوائی بندے نے قبول کی۔ (صفحہ ۳۸۷) اس نقل شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی کی بادشاہت سے حضور بندگی میراں کی مراد روحانی پیشوائی سے ہے اور وہی صحیح ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نور حیات'' جنوری ۱۹۸۶ء)

رمضان اور علامت مہدیؑ

یہ بات عجائبات سے کچھ کم نہیں کہ انیسویں صدی عیسوی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے عیسیٰ مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا اور اپنے اس دعوے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے عجیب وغریب تاویلوں کا سہارا لیا۔ مثلاً دجّال کی یہ تاویل کی کہ اس سے مراد عیسائی قوم ہے اور دجّال کے گدھے کے بارے میں یہ کہا کہ اس زمانے کی ریل گاڑی دجّال کا گدھا ہے جو ساری دنیا میں گھوم جاتی ہے۔ دجال کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ کوئی شخص واحد نہیں بلکہ وہ ایک گروہِ کثیر ہے وغیرہ۔ من الھفوات۔ ایک سُنّی شخص نے مرزائے قادیانی سے پوچھا کہ اگر وہ عیسیٰ ہے تو مہدی کہاں ہیں؟ جواب دیا کہ عیسیٰ بھی میں ہی ہوں اور مہدی بھی میں ہوں۔ اور یہ تاویل کی کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں جنہیں صرف دو مختلف حیثیتوں کی وجہ سے دو الگ الگ نام دیئے گئے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امت محمدیہ میں نازل ہونے والے عیسیٰ ابن مریم ہوں گے۔ اور مہدی موعودؑ کے بارے میں یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ اولاد فاطمہؓ سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دو قطعی الگ الگ شخصیتوں کو ایک قرار دینا' دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک دینا ہے۔ الغرض ۱۸۹۰ء میں مرزائے قادیانی نے مہدی ہونے کا ادّعا کیا اور پھر ایسا اتفاق ہوا کہ ۱۸۹۴ء مطابق ۱۳۱۱ھ کے رمضان میں چاند گرہن اور سورج گرہن واقع ہو گئے تو یہ ڈھنڈورا پیٹا کہ چاند اور سورج میری (قادیانی کی) مہدیت پر آسمانی گواہ ہیں۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بار بار چیلنج دیا اور اپنی عادت کے مطابق انعام کا اعلان کیا کہ اس سے پہلے کوئی ایسا واقعہ ہوا ہو تو پیش کیا جائے۔

انعامی چیلنج پیش کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ: ''اگر پہلے بھی کسی ایسے شخص کے وقت میں جو مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو چاند اورسورج گرہن رمضان میں اکھٹے ہوگئے ہوں تواس کی نظیر پیش کریں۔(انوارالاسلام صفحہ ۴۹، مطبوعہ ۱۸۹۴ء)

اوردوسرے مقام پر لکھا ہے:

''جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ پہلے بھی کئی دفعہ کسوف ہو چکا ہے اس کے ذمہ یہ بار ثبوت ہے کہ وہ ایسے مدعی مہدویت کا پتہ دے جس نے اس کسوف وخسوف کو اپنے لئے نشان ٹھہرایا ہے۔ یہ ثبوت یقینی اور قطعی ہونا چاہئے۔ یہ صرف اسی صورت میں ہوگا کہ ایسے مدعی کی کوئی کتاب پیش کی جائے جس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔اور نیز یہ لکھا ہو کہ خسوف وکسوف جو رمضان میں دارقطنی کی مقررکردہ تاریخوں کے موافق ہوا ہے۔ وہ میری سچائی کا نشان ہے۔ غرض خسوف وکسوف ہزاروں مرتبہ ہوا ہے اس سے بحث نہیں۔مگر نشان کے طور پر ایک مدعی (قادیانی) کے وقت میں صرف ایک دفعہ ہوا۔(چشمۂ معرفت ۳۲۴)

مندرجہ بالا اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) ایسی ہستی کی نشاندہی کی جائے جس نے مہدیت کا دعویٰ کیا ہو اوراس کے زمانہ میں رمضان المبارک میں خسوف وکسوف واقع ہوئے ہوں۔

(۲) اورمدعی مہدیت نے ان گرہنوں کو اپنی مہدیت کا نشان ٹھہرایا ہو اور اپنی کتاب میں اس واقعہ کو لکھ بھی دیا ہو۔

(۳) یہ گرہن دارقطنی کی مقررکردہ تاریخوں کے موافق ہوئے ہوں۔

ان ہرسہ فقرات میں سے فقرہ اول کی بحث تو انشاءاللہ بعد میں ہوگی۔البتہ فقرہ دوم کی تحقیق یہاں کی جاتی ہے۔وہ یہ ہے'' مدعی نے ان گرہنوں کو اپنی مہدیت کا نشان ٹھہرایا ہو' اس مطالبہ سے مرزائے قادیانی کی قابلیت ولیاقت پر روشنی پڑتی ہے۔ کیونکہ علم ہیئت کا ہر مبتدی جانتا ہے کہ کسی بھی سال زیادہ سے زیادہ (۷) گرہن ہوسکتے ہیں۔اوران میں سے (۵) کسوف (سورج گرہن) ہوں گے اور (۲) خسوف (چاند گرہن) یا (۴) کسوف اور (۳) خسوف۔لیکن عموماً (۴) گرہن ضرور ہوتے ہیں۔اورخسوف ہمیشہ نظر آتے ہیں۔اس لئے بظاہران کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور کسوف کا مقام بدلتا رہتا ہے اس لئے کسی خاص مقام پر ہمیشہ کسوف نظر نہیں آتے۔پس ایسی آسمانی علامت جو ہر سال کئی بار نظر آتی ہو'اس پر اپنے مخصوص دعوے کی بنیاد رکھنا' کسی مامور من اللہ سے ممکن نہیں۔ البتہ ایسی ''حرکت'' مرزائے قادیانی سے ہی ہوسکتی ہے تا کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی یہ خیال کرے کہ یہاں تو رمضان المبارک میں گرہنوں کی بحث ہے۔عام دنوں کے خسوف وکسوف مذکور نہیں ہے۔اور شائد رمضان کے خسوف وکسوف نادرونایاب ہوں۔اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ (۵۰۰۰) سال قبل مسیح' کلدانی قوم نے

قانونِ سیروس(Seros) معلوم کرلیا تھا جس کی رو سے (۱۸) سال (۱۱) یوم کے عرصہ میں جملہ (۷۰) گرہن واقع ہوتے ہیں۔اگر کوئی خسوف یا کسوف آج (رمضان میں) ہو تو مدت سیروس کے بعد پھر واقع ہوگا۔اس طرح رمضانی گرہن بھی نادرونایاب نہیں ہیں۔

واضح ہو کہ خلفاء اللہ گرہن کے مقصد کو بخوبی جانتے تھے اس لئے کسی مامور من اللہ نے گرہن کو اپنی صداقت کا نشان نہیں ٹھہرایا۔پس ایسا مطالبہ تاریخ انبیاء علیہم السلام سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔گرہنوں کی حقیقت حضرت افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ظاہر فرماتے ہیں۔

(۱) **عن عائشة ان الشمس والقمر آیتان من آیات الله . عن ابی موسیٰ هذه الایات التی یرسل الله لا تکون لموت احد ولا لحیاته ولکن یخوف والله بها عباده فاذا رایتم شیئا من ذلک فافزعوا الی ذکره الخ** (بخاری)

ترجمہ: بی بی عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔سورج اور چاند خدا کی نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں۔

(۲) ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: یہ وہ علامات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ (مخلوق کی ہدایت کے لئے) دکھاتا ہے نہ یہ (گرہن) کسی کی موت سے ہوتا ہے اور نہ کسی کی زندگی سے' بلکہ اللہ اس سے اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے۔پس جب تم اس (گرہن) میں سے کوئی چیز دیکھو تو خدا کے ذکر کی پناہ لو۔الی آخرہ

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ظاہر ہے کہ خسوف وکسوف اللہ تعالیٰ کی ایسی نشانیاں ہیں جو مخلوق کو ڈرانے کے لئے دکھائی جاتی ہیں۔ان کو دیکھ کر گھبرا کر خدا کا ذکر کرنا چاہئے۔

عبارت بالا سے ظاہر ہے کہ خسوف وکسوف ڈرانے کی نشانیاں ہیں۔تو کوئی مامور من اللہ کس طرح ان کو اپنی مخصوص اور انفرادی صداقت کی نشانی بنا سکتا ہے؟

کسی فرستادۂ ربانی نے کوئی کتاب نہیں لکھی' پھر مرزائے قادیانی کا یہ مطالبہ کس قدر تعجب انگیز ہے؟ انبیاءؑ کی صفوں میں گھسنے کی کوشش کرنے والا شخص' سنتِ انبیاء وخلفاء اللہ سے کس قدر نابلد ہے؟ بُری بھلی خامہ فرسائی کرکے مرزا قادیانی مولف ومصنف بن بیٹھے اور اسی برتے پر فرستادگانِ الٰہی سے ان کی تالیف اور تصنیف طلب کرنے لگے۔

"بسوخت عقل زحیرت که این چه بوالعجبیت"

کتاب اللہ اور ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صداقت کی جانچ کا معیار بنانے کی بجائے مرزا قادیانی نے اپنی شخصیت کو معیار بنایا۔!

(۳) "دارقطنی کی مقرر کردہ تاریخ" یہ الفاظ نہایت گمراہانہ ہیں اس لئے کہ محدث دارقطنی نے اپنی طرف سے کسی قسم کی تاریخ معین نہیں کی۔ بلکہ سنن دارقطنی میں جو روایت درج ہے اسی روایت میں تواریخ گرہن مذکور ہیں اور وہ تواریخ ایسی ہیں کہ جب تک قدرت

کا موجودہ نظام کائنات باقی ہے اس وقت تک تواریخ پر گرہن واقع نہیں ہو سکتے۔ سنن دارقطنی کی روایت زیر بحث درج ذیل ہے۔

حدثنا ابوسعید الاصطخری ثنا محمد بن عبد اللہ بن نوفل ثنا عبید بن یعیش ثنا یونس بن بکیر عن عمروبن شمر عن جابر عن محمد بن علی . قال ان لمھدینا اٰیتین لم تکونا منذخلق السموات و لارض

ترجمہ: محمد بن علی نے کہا کہ تحقیق ہمارے مہدی کی دونشانیاں ہیں اور جب سے زمین وآسمان پیدا ہوئے' وہ واقع نہیں ہوئی ہیں۔ (پہلی نشانی یہ کہ) رمضان کی پہلی رات کو چاند گہن میں آئے گا اور جب سے زمین وآسمان تخلیق ہوئے ہیں ایسی نشانیاں نہیں ظاہر ہوئیں۔

روایت مذکور حضرت (امام) محمد (باقر) سے منقول ہے اور آپ نے اوپر کے راوی کا نام نہیں لیا اور روایت ہذا حضرت رسول علیہ السلام سے متصل نہیں ہوئی۔ اس طرح یہ روایت غیر مرفوع ہے۔ اس کے بعض راوی مجروح بھی ہیں۔ اس روایت میں پہلی کو چاند گرہن اور پندرھویں کو سورج گرہن ہونے کا تذکرہ ہے۔ اگرچہ کہ اس وقوعہ کو ممکن بنانے کے لئے ''منذ خلق السموات و الارض'' کی تکرار موجود ہے۔ اس کے باوجود شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے اپنے رسالہ ''علامات قیامت'' میں اور عبدالحق صاحب مولف تفسیر حقانی نے اپنی کتاب ''عقائدالاسلام'' میں اور بدر عالم صاحب میرٹھی محدث نے اپنی کتاب ''ترجمان السنۃ'' جلد چہارم میں غرض کسی نے بھی روایت کی تواریخ کو نا قابل اندراج سمجھا بلکہ قدرتی طور پر پندرہ تاریخ کو چاند گرہن اور اٹھائیس تاریخ کو سورج گرہن کے وقوعہ کو ہی علامت قرار دیا۔ محدث دارقطنی نے اپنی طرف سے کوئی تاریخ مقرر نہیں کی۔ اس کے باوجود مرزائے قادیانی کا مطالبہ کہ مدعی مہدیت' دارقطنی کی تاریخوں کو پیش کرے نہایت غیر معقول بات ہے۔

مرزائے قادیانی نے روایت کی غیر قدرتی تاریخوں کو جو تاویل کی ہے وہ بڑی حد تک مضحکہ خیز ہے اس کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔

(۱) مرزائے قادیانی کا مطالبہ تھا کہ ایسی شخصیت پیش کی جائے جن کے عہد میں رمضان کا مذکورہ خسوف وکسوف واقع ہوا ہو۔ الحمدللہ ہم ایسی سچی ہستی یعنی امام آخرالزماں سید محمد مہدی موعود جون پوری علیہ السلام کو پیش کر رہے ہیں کہ جن کے دعوے کے بعد یہ نشان ظاہر ہوئے ہیں۔

حضرت سید محمدؑ نے (۹۰۱ھ میں مکۂ معظّمہ میں رکن ومقام کے درمیان دعویٰ مہدیت کیا پھر ۹۰۵ھ میں بمقام بڑلی (گجرات) آپ نے دعوئ مہدیت تاکیداً فرمایا۔ گجرات اور سندھ سے ہوکر جانب خراسان روانہ ہوئے اور موجودہ افغانستان میں کوئٹہ کے راستہ سے داخل ہوئے اور مقام چمن میں ماہ رمضان ۹۰۹ھ کی روزہ داری کے لئے اپنے قافلہ کے ساتھ ٹھہر گئے۔ اسی مقام پر اسی ماہ ۱۴ر تاریخ مطابق یکم مارچ ۱۵۰۴ء چاند گرہن ہوا۔ پھر ۲۹ر رمضان مطابق ۱۶ر مارچ ۱۵۰۴ء کو سورج گرہن ہوا۔ اس طرح

حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کے دعوئ مہدیت کے چوتھے سال یہ آسمانی علامت بھی واقع ہوگئی۔ طالبان حق کو حق تعالیٰ نے خود آیت الٰہیہ ظاہر کردی۔ اس آسمانی واقعہ کے ثبوت کے لئے اس فن (فلکیات) کے ماہرین کی کتابیں دیکھنا چاہئے۔ پس ذیل میں ان کے نام دیئے جارہے ہیں۔ اہل تحقیق ان کتابوں سے رجوع کرسکتے ہیں۔

(1) L Art de verifier les Dates (French)

(2) Creation centred in Christ by H. Grotten Guinness

(3) Book of Indian Eras by Alexander Cunningham C.S

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' جون وجولائی ۱۹۸۳ء)

ماہ رمضان اور مہدوی

بارہ اسلامی مہینوں میں رمضان المبارک کو ایک خصوصیت حاصل ہے۔ اس مہینے کی عبادت یعنی روزہ' ارکان اسلام میں داخل ہے۔ روزہ میں کھانے' پینے اور نفسانی لذت سے رکنا پڑتا ہے۔ اور اس سے نفس کو تکلیف بھی پہنچتی ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے نفس انسانی کو بتدریج اس کا خوگر بنایا ہے۔ پہلے خفیف' پھر متوسط اور آخر میں ذرا دشوار تر تکلیف دی ہے۔ یعنی نماز' زکواۃ اور پھر روزہ۔ ارشاد باری ہوتا ہے۔

وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ (سورہ احزاب آیت ۳۵)

ترجمہ: خشوع (سے نماز ادا) کرنے والے مرد' اور خشوع (سے نماز ادا) کرنے والی عورتیں' صدقہ (زکواۃ) دینے والے مرد اور صدقہ (زکواۃ) دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔

آیت مبارکہ میں ارکان اسلام کی خاص ترتیب اور حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

الغرض روزہ میں کھانے' پینے اور لذت اٹھانے کو دن بھر کے لئے ترک کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ ترک صرف ایک دن کے لئے نہیں بلکہ ۲۹ یا ۳۰ دن تک جاری رکھنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے نفس ترک کا خوگر ہوجاتا ہے۔ رمضان کے بعد بھی ایسے ترک کا موقعہ آجائے تو ایک مسلمان پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔

تعلیمات مہدویہ پر نظر ڈالیں تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ یہاں پر ترک پر زور دیا گیا ہے۔ لیکن اس ترک میں وسعت ہے جو منطقی طور پر ثابت ہوجاتی ہے۔ ترک کی انتہائی صورت ترکِ نفس یا ترکِ انا ہے جس کی ابتدائی سیڑھی رمضان کا روزہ ہے۔

حدیث شریف میں ارشاد ہوا ہے کہ ''یہ مہینہ (رمضان) صبر کا ہے'' یعنی اس میں روزہ دار کھانے پینے وغیرہ سے رکا رہتا ہے ۔ جب نفس ان کی طلب کرتا ہے تو نفس کو روکتا ہے۔ پھر اسی حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ صبر کا بدلہ جنت ہے۔ گویا جب روزہ دار مطالبات نفس کو ترک کر دیتا ہے تو جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مہدویہ تعلیمات میں یہی امور بعنوان دیگر موجود ہیں۔

روزہ کی جزا کے سلسلے میں حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے پس میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ بندہ اپنی نفسانی خواہش اور کھانا پینا میری وجہ سے ترک کر دیتا ہے'' اس کلام سے معلوم ہوا کہ روزہ کی جزا میں خود حق تعالیٰ روزہ دار کو اپنی ذات عطا فرمائیں گے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے بھی کہا ہے:

مژده باد اے روزه داران' هست فرمانِ خدا

هر کـه دارد روزه بهر من' منم خود در جزا

انصاف نامہ میں نقل ہے کہ **حضرت میرانؑ فرمودند که ''از خدائے جز خدا مطلب''** (باب ششم)

ترجمہ: فرمایا خدا سے سوائے خدا کے دوسری چیز مت طلب کر۔

یعنی حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے طلبِ ذات خدا کی تعلیم دی ہے اور تعلیمات اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ دار کو جزائے صوم (حقیقی) میں خدا کی ذات پاک حاصل ہوسکتی ہے پس رمضان شریف اور اس کے روزوں کا ایک مہدوی سے گہرا تعلق ہے کیونکہ روزہ داری کے ذریعہ اس کو اپنی منزل مقصود مل سکتی ہے۔ محققین متفق ہیں کہ ذات پاک الٰہی حاصل ہونے کا مطلب دیدارِ خدا ہے۔ جو طالبِ حقیقی کو حاصل ہوسکتا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ ہر شئے کے لئے زکواۃ ہے اور جسم کی زکواۃ روزہ ہے زکواۃ کے معنی لغت میں پاک ہونے اور بڑھنے کے ہیں۔ زکواۃ دینے سے باقی مال پاک ہوجاتا ہے اور خدا کی طرف سے اس میں برکت ہوتی ہے۔ اسی طرح روزہ جسم کی زکواۃ ہے ۔ روزہ رکھنے سے جسم پاک ہوجاتا ہے خواہشات نفس کا غلبہ ختم ہوجاتا ہے۔ اور روح ترقی کرتی ہے۔

ماہ رمضان میں اعتکاف بھی کیا جاتا ہے۔ اور حضرت مہدی علیہ السلام نے بھی اعتکاف فرمایا ہے۔ اسی کی متابعت میں مہدوی کے لئے اعتکاف کرنا ہے۔ اعتکاف کی صورت عزلت عن الخلق کا فریضہ ولایت ادا ہوسکتا ہے۔ اگر چہ فریضۂ عزلت اپنی جگہ مستقل فرض ہے۔ عزلت کافی طویل عرصہ کے لئے ہوسکتی ہے لیکن ماہ رمضان میں اعتکاف کیا جائے تو عزلت کے فوائد کا تجربہ ہوسکتا ہے۔

رمضان میں لیلۃ القدر بھی ہے اور لیلۃ القدر سے مہدوی کا گہرا تعلق ہے۔ قدر کی رات' جس کی فضیلت قرآن شریف میں بیان ہوئی اور جس کے فضائل وخصوصیات احادیث نبوی سے منکشف ہوئے' لیکن بدقسمتی تھی کہ مسلمانوں کے اختلاف کے باعث اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کی شناخت کو اٹھالیا تھا۔ لیکن پھر اپنے فضل وکرم سے اپنے خلیفہ پر ظاہر فرمایا' اور مہدویوں کو تجلیات ربانی سے

مستنیر ہونے کا موقعہ حاصل ہوا ہے۔پس ایسی متبرک رات سے مہدوی کا جو کچھ تعلق ہوسکتا ہے' وہ اظہر من الشّمس ہے۔

قرآن شریف میں لیلۃ القدر کی یہ خصوصیت بتلائی گئی ہے کہ اس رات میں فرشتے اور روح الامین اللہ تعالیٰ کے حکم سے سلامتی کے تمام امور لے کر نازل ہوتے ہیں۔اور حدیث میں ہے کہ فرشتے اللہ کے بندوں سے مصافحہ بھی کرتے ہیں' جس کی نشانی یہ ہے کہ اس شخص کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور قلب میں رقت پیدا ہوجاتی ہے۔دوسرے الفاظ میں بات یہ ہے کہ عالم ملکوت کا عالم بشریت سے اتصال ہوتا ہے اور جس شخص نے اپنی روح کو بلندی پر پہنچادیا ہے اس کی روح عالم ملکوت سے متصل ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عالم ناسوت یعنی شخص مذکور کے مادی وحیوانی جسم پر ایک کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ عام انسانوں کو فرشتوں سے ملن کا موقعہ مل جاتا ہے ورنہ کہاں ملک اور کہاں بشر!

لیکن شب قدر کی ایک تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ وہ رات ہے کہ بندہ کو اپنی اس قدر و قیمت کا اندازہ ہوجاتا ہے جو حق تعالیٰ کے پاس اس بندے کے لئے ہے۔یہی انکشاف شب قدر کی سب سے بڑی نعمت ہے۔اپنے مقام کی شناخت اس لئے ضروری اور مفید ہے کہ بندہ حق تعالیٰ سے اور زیادہ نزدیک ہونے کی کوشش کرے کیونکہ مقامات قرب لانہایت ہیں۔اس سلسلے میں یہ بھی ارشاد ہے کہ جو بندہ اپنی قدر حق تعالیٰ کے نزدیک جاننا چاہتا ہے تو اسے اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ خود اس کے پاس حق تعالیٰ کی کتنی قدر ہے۔پس بندہ جو معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ روا رکھے گا حق تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کریں گے۔اس کی تائید میں حسب ذیل حدیث کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میرا بندہ میرے ملنے کو دوست رکھتا ہے تو میں اس کے ملنے کو دوست رکھتا ہوں۔جب اُس نے مجھ سے ملنے کو پسند نہ کیا تو میں اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہوں۔

نقل ہے کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے پہلی مرتبہ شب قدر کا دوگانہ ادا فرمایا تو بلند آواز سے یہ دعا کی۔

اللھم احیینی مسکیناً و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین

ترجمہ: اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکینی ہی کی حالت میں موت دے۔اور مسکینوں کے زمرہ میں مجھے اٹھا۔

یہ دعا دراصل حدیث میں مذکور ہوئی ہے۔حضرت بندگی میراں علیہ السلام نے قدر کی رات میں اس دعاء کو خاص مطالب کی بنا پر دہرایا ہے۔مسکین کی عام تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو۔یہاں مال وزر اور اسباب زندگی مراد ہیں۔لیکن اصطلاح میں مسکین سے مراد وہ طالب مولیٰ ہے جس کے پاس اپنا کچھ نہ ہو جو اپنا سب کچھ جناب باری تعالیٰ کے تفویض کرچکا ہو اپنی بشریت مٹاچکا ہو۔صفات وافعال کی بات ہی کیا' اپنے وجود کو مٹا کر اپنی بشریت میں سے کچھ نہ رکھا ہو۔غرض ایسا مسکین بننا فضل باری

تعالیٰ پر منحصر ہے۔اس لئے حضرت مہدیؑ نے ایسی مخصوص وروحانی رات میں اس مسکینی کی طلب فرمائی۔اور حق تعالیٰ کو اسی کے کرم اور رحم کا واسطہ دیا اور رحمت عمیم کو وسیلہ بنایا۔

اس کے بعد کی دعا بھی بڑی اہم ہے اس دعائے شریفہ میں رب العزت سے التجا کی گئی ہے کہ:

اللھم صغر الدنیا باعیننا وعظم جلالک فی قلوبنا وقفنا لمرضاتک وثبت علی دینک وطاعتک ومحبتک وشوقک وعشقک

ترجمہ: ’’اے اللہ حقیر کردے دنیا کو ہماری نظروں میں اور بڑھادے تیری بزرگی ہمارے دلوں میں اور توفیق عطا فرما ہم کو تیری خوشنودی میں رہنے کی اور ثابت قدم رکھ ہم کو تیرے دین پر تیری فرمانبرداری پر‘ تیری محبت‘ تیرے شوق اور تیرے عشق پر‘‘

قابل غور بات یہی ہے کہ ایسی مخصوص رات میں اللہ کے خلیفے نے جن حاجات کو طلب کیا ہے اس میں اس چندروزہ دنیا کی حقارت بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک خدا کی نصرت نہ ہو‘ یہ دنیا انسانوں کی نظروں میں حقیر نہیں ہوسکتی اور نہ جلال ربانی کی عظمت دلوں میں قائم ہوتی ہے۔اور یہ ایسے امور ہیں جو تنہا انسان کی طاقت سے حاصل نہیں ہوسکتے اس لئے نصرت ربانی کی درخواست کی جارہی ہے۔مرضی الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنا مشکل ہوتا ہے۔اس لئے دعا کی گئی ہے کہ مرضی الٰہی پر چلنے کی توفیق حاصل ہوجائے۔عام آدمیوں کا حال یہ ہے کہ دین‘ طاعت‘ محبت‘ شوق اور عشق کے احساسات کے زیراثر کچھ عرصہ تک مشغول رہتے ہیں پھر ان میں کمی ہونے لگتی ہے اس لئے دعا کی گئی کہ امور مذکورہ میں ثبات اور استقلال عطا ہو۔غرض دعائے شریفہ پر غائر نظر ڈالنے سے مہمّات امور سامنے آتے ہیں اور اس مقدس رات میں ایسے ہی امور کی طلب کا سبق ملتا ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ’’نورولایت‘‘ مئی ۱۹۸۷ء)

شب قدر

دینِ اسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو جو انعامات اہلِ اسلام کو سرفراز فرمائے ہیں ان میں شب قدر کا انکشاف ایک نعمتِ عظیمہ ہے۔اس ’’شب‘‘ کی حقیقت کو خود خداوند علاّم نے اپنے مخصوص پیرائے میں ظاہر فرمایا ہے۔پوچھتے ہیں: **وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ** آپ کو کچھ معلوم ہے کہ کیا چیز ہے شب قدر؟ اس سوال سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کوئی اپنے انسانی فہم وادراک کے توسط سے اس مقدس ’’شب‘‘ کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنا چاہئے‘ تو یہ ناممکن ہے۔اور رب العزت اس بات کو خوب جانتے ہیں‘ اس لئے انہوں نے خود ہی وضاحت فرمادی کہ یہ رات وہ ہے جب کہ ملائکہ آسمانی اور روح کا نزول ہوا کرتا ہے اس نزول کے لئے مالک الملک کا

خصوصی حکم جاری ہوتا ہے' فرشتوں کی آمد محض معائنہ وملاحظہ کے لئے ہی نہیں ہوتی بلکہ ہر امر خیر کے لئے سلامتی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس رات کی فضیلت میں یہ ظاہر فرمایا گیا ہے کہ وقت کے تقابل اور برکت کے اعتبار سے یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔نکتہ یہ ہے کہ ''بہتر ہے'' ارشاد فرمایا گیا ہے ''مساوی ہے'' نہیں کہا گیا۔اس لحاظ سے اس مقدس رات کی خوبی و بہتری خود علاّم الغیوب ہی بہتر جانتے ہیں۔ایسی خصوصی رات کا انتخاب' خدائے قدیر نے قرآن مجید کے نازل کرنے کے لئے فرمایا۔اور کلام حمید کے لوح محفوظ سے یکبارگی اُترنے کی وجہ سے اس رات کے انوار میں چار چاند اور لگ گئے۔اُس کی قدر و منزلت میں اور ہی اضافہ ہوگیا۔

نزول قرآن کے تعین کے سلسلے میں علماء میں اختلاف رائے ہے۔ چونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی مرتبہ ماہ ربیع الاول ۴۱ میلادی محمدی میں غار حرا میں حضرت خاتم رسالتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں اِقْـرَا بِـاسْـمِ رَبِّکَ الخ آپؐ کو سنائیں اور پڑھنے اور دہرانے کی خواہش کی۔اس واقعہ کے اعتبار سے نزول قرآن ماہ ربیع الاول میں ثابت ہوتا ہے لیکن اس روایت کے مقابل خود قرآن مجید کی یہ صراحت موجود ہے کہ : **شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن** رمضان کا مہینہ ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔اور سورۂ قدر میں یہ وضاحت موجود ہے کہ **انا انزلناہ فی لیلة القدر** بے شک ہم نے اُس (قرآن) کو شب قدر میں اُتارا ہے۔لہٰذا قرآنی شہادت سے ثابت ہے کہ کلام پاک ماہ رمضان کی ''قدر والی رات'' میں نازل ہوا۔دونوں بیانات کے ظاہری اختلاف کی تطبیق یہ ہے کہ بے شک پہلی مرتبہ غار حرا میں جبرئیل امینؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوئے۔لیکن یہ ابتدائی ظہور محض بشارت نبوت کے لئے تھا۔پھر چھ ماہ کا وقفہ درمیان میں گزر جاتا ہے۔دوبارہ حضرت جبرئیلؑ آپؐ سے ملاقات کرتے ہیں اور سورہ علق کی ابتدائی آیتوں کو پیش کرتے ہیں۔اس طرح قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق' اُس کا نزول ماہ رمضان میں ثابت ہوجاتا ہے۔اختلاف اس وجہ سے پیدا ہوا کہ غارِ حرا میں بشارت نبوت کی غرض سے فرشتے کے آنے اور سورۂ علق کی ابتدائی آیتوں کی وحی کرنے کے دو الگ الگ واقعات کو ملا دیا گیا۔اس وضاحت کے بعد اور حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بشارتِ نبوت ۹/ربیع الاول ۴۱ محمدی مطابق ۹/فبروری ۶۱۰ء روز دوشنبہ کو ملی اور نزولِ قرآن شبِ جمعہ ۱۸/رمضان سنہ ۱ نبوی مطابق ۱۷/اگسٹ ۶۱۰ کو ہوا۔ **والحمد اللہ**

مندرجہ بالا بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے پہلے سال شب قدر ۱۸/رمضان کو واقع ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شائد دور نبوت ہی میں مختلف تواریخ کو مختلف سالوں میں شب قدر ظاہر ہوتی رہی۔ چنانچہ ہمارے بیان کی تائید اُن احادیث سے ہوتی ہے جن میں شب قدر کے واقع ہونے کی مختلف تاریخیں بیان کی گئی ہیں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ شب قدر ماقبل اسلام یا کم ازکم آغاز اسلام ہی سے موجود ہے۔ چنانچہ خدائے بزرگ وبرتر نے نزول قرآن کے لئے اسی شب کا انتخاب فرمایا۔ونیز اس شب کے انتخاب میں غالباً مناسبت بھی ملحوظ ہوگی کہ شب قدر میں

اُمورِ خیر نازل ہوا ہی کرتے ہیں اور قرآن شریف تو سراپا خیر ہی خیر ہے۔ لہٰذا عالم ملائکۃ وروح کے ساتھ ساتھ بلکہ اُن فرشتوں کے جلوس کے ساتھ کلام پاک کو بھیجا جائے۔ غرض اہل اسلام پر شب قدر کا انکشاف' نزول قرآن کے سلسلے میں ہوا۔ اور قرآن مجید اور شب قدر کی عظمت کا احساس بھی ہوگیا۔

اس رات کی فضیلت کے سلسلے میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ : لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے۔

یہ تقابل زمانی ہے یعنی یہ مختصر سے عرصے والی رات' ایک طویل زمانے کے مقابلہ میں بہتر ہے۔ (کیونکہ ہزار مہینے کے ۸۳ سال ۴ ماہ ہوتے ہیں اور ۱۲ گھنٹے یا اُس سے کچھ کم یا زیادہ عرصے والی رات مختصر سا وقفہ ہوتی ہے) لیکن یہ توجیہہ زیادہ وزنی نہیں ہے اس لئے کہ جب تک اُس مختصر سے وقت کوئی ممتاز خصوصیت سامنے نہ آئے محض طوالت کے مقابل بہتر ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس لئے علماء ومفسرین نے یوں کہا ہے کہ ایسے ہزار ماہ کہ جن میں شب قدر نہ ہو' وہ اس ایک رات کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ توجیہ بھی زیادہ جچتی نہیں اور ہمیں قیاس آرائی کی کوئی ضرورت بھی نہیں جب کہ رب العزت نے خود ہی اُس خصوصیت کو ارشاد فرمادیا ہے جو اس رات کی قدر ومنزلت کی باعث ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ (اس رات میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے حکم سے' ہر امر کی سلامتی کے ساتھ)

اس آیت سے واضح ہورہا ہے کہ ملائکہ اور روح اسی شب خصوصی حکم پر نازل ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ نزول بڑا ہی مہتم بالشان ہے۔ ملائکۃ وروح کے نزول کے باعث شب قدر کا مختصر سا عرصہ عظیم الشان زمانہ بن گیا۔ ایک اور خصوصیت یہ بھی بتلائی گئی ہے کہ ''ہر امر کی سلامتی کے ساتھ'' اُن کا نزول ہوتا ہے۔ تو یہاں امر کا لفظ کل عالم امر پر حاوی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ **الا له الخلق والامر** (آگاہ ہوجاؤ۔ خدا ہی کے لئے ہے خلق (تخلیق) اور امر)

اس آیت کی تفسیر میں بتایا گیا ہے کہ عالم خلق اور عالم امر' دو عوالم ہیں۔ عالم خلق تو ساری کائنات ومافیہا ہے جس کو خدا نے خلق فرمایا ہے۔ اور عالم امر میں اس کائنات کی بقا' ترقی اور قرب حق' بلکہ تمامی معاملات کے اوامر شامل ہیں لیکن محققین میں سے بعضوں نے کہا ہے کہ عالم امر سے مراد اعیان ثانیہ اور ارواح دونوں ہیں۔ ثبوت یہ دیتے ہیں کہ کن فیکون (جب خدا فرماتا ہے ہوجا تو وہ چیز ہوجاتی ہے) کُن سے اشارہ عالم اعیان کی طرف ہے۔ اور فیکون سے اشارہ عالم ارواح کی طرف ہے۔ دوسرے محققین نے فرمایا کہ عالم امر ارواح اور ملائکۃ ہیں کیوں کہ ان کا وجود صرف حکم رب سے ہے اور کوئی مادی توسط اس کے لئے نہیں ہے۔ لیکن آیت شریفہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم امر (امر الٰہی) ارواح وملائکۃ سے جداگانہ ہے کیونکہ دونوں کو الگ الگ بیان فرمایا ہے۔ اسی لئے جن علماء ومفسرین نے یہ کہا کہ فرشتے ہر کام کی تدبیر کرنے نازل ہوتے ہیں جو کچھ دنیا میں سال بھر تک ہوتا ہے اُس کا حکم تو شعبان کی پندرھویں کو ہوجاتا ہے البتہ اسی کام کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے اس مخصوص رات میں فرشتے روانہ کئے جاتے

ہیں پھر سال بھر تک اسی کے مطابق کاروائی کرتے ہیں۔ یہ توجیہہ کچھ ٹھیک ہے۔

توجیہہ بالا کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ **لیلۃ القدر** میں **قدر** کے معنی تقدیر کے لئے جاتے ہیں۔ اور وہ تمام امور جو سال بھر میں ہونے والے ہیں جیسے مرنا' بیمار ہونا' رزق کی فراخی یا تنگی' عزت و ذلّت اور دوسرے حادثے وغیرہ وہ سب اسی رات معین ومقدر کردئے جاتے ہیں۔ اور تمام احکام جاری ہوکر فرشتے کے حوالے کردیئے جاتے ہیں۔ بعض تابعینؒ نے فرمایا ہے کہ لوح محفوظ سے ۱۵ رشعبان کو تقدیریں نقل کرلی جاتی ہیں اور شب قدر میں متعلقہ ملائکۃ کے حوالے کردی جاتی ہیں گویا تقدیر کی ابتداء شب براءت میں ہوتی ہے اور شب قدر میں اس کی انتہا ہوتی ہے۔

ایک خصوصیت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ فرشتے جن امور کو لئے آتے ہیں اُن میں سلامتی بھی ہوتی ہے۔ یعنی اس شب کی خصوصیت یہ ہے کہ اُس میں سلامتی بھی موجود ہے اس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اُس کے حصول کا اشتیاق پیدا ہو۔

سورۂ شریفہ میں ملائکۃ کے ساتھ ساتھ روح کے نزول ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ ایک عظیم الشان فرشتہ ہے جو چاہے تو زمین وآسمان کو ایک لقمہ بنالے۔ بعضوں نے کہا کہ وہ فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو صرف شب قدر میں ظاہر ہوتی ہے اور دیگر فرشتے اس جماعت کو صرف اسی رات میں دیکھتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ رحمت باری تعالیٰ ہے تاکہ بندگان خدا اس رحمت الٰہی سے فائدہ حاصل کرسکیں۔ بعض کہتے ہیں کہ روح ایک فرشتے کا نام ہے جس کو روح القدس کہا جاتا ہے اور اس فرشتے کو انسان کی روحانی ترقی میں بڑا دخل ہے گویا وہ معلم روحانی ہے یہ وہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے پاس صرف ایک بار نازل ہوا تھا۔ لیکن امت محمدیہ ؐمیں ہر سال شب قدر میں نازل ہوتا ہے۔ پس جب اس فرشتے کا لمس ہوتا ہے مومن کے دل میں صداقت پیدا ہوجاتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بھر آتے ہیں جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ بعضوں کا خیال ہے کہ روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بطور خاص ان کا ذکر کیا ہے۔ شب قدر کی فضیلت احادیث سے بھی ثابت ہے جیسے بخاری شریف کی یہ حدیث **من قام لیلۃ القدر ایمانا و احتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ** (کتاب الصوم) (جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھ کر حصول اجر وثواب کے لئے شب قدر میں عبادت کرے اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ نور کے جھنڈے لئے ہوئے اترتے ہیں پھر یہ فرشتے جبرئیلؑ کے فرمانے پر منتشر ہوجاتے ہیں اور ہر مومن ومومنہ کے گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ البتہ جن گھروں میں کتا' سور' شراب' یا شرابی' زانی ہو یا گھر میں کوئی تصویر ہو یا گھنٹہ ہو' کوڑا کرکٹ بھرا ہو۔ وہاں جہاں نہیں' یہ فرشتے تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہیں اور اُمتِ محمدیہ ؐکے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں جب وقت فجر ہوجاتا ہے' واپس چلے جاتے ہیں۔

ایک حدیث ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شب قدر کی برکت سے محروم رہا وہ سب بھلائیوں سے محروم رہا۔

عام اہل اسلام میں شب قدر کے تعین میں اختلاف ہے کوئی ۲۱ر رمضان کو شب قدر قرار دیتا ہے کوئی ۲۳ر رمضان کو۔ لیکن مہدویوں کے ہاں اس کا تعین ۲۷ر رمضان کو ہے کیونکہ یہ تعین بہ حکم الٰہی حضرت مہدی علیہ السلام نے ظاہر فرمایا ہے۔ اور خود آپؑ نے اللہ کے حکم سے ستائیسویں رمضان کو کاہہ علاقہ ٹھٹھہ میں نماز لیلۃ القدر ادا فرمائی۔ یہ ۹۰۸ھ کا رمضان تھا اور آپؑ نے پہلی بار یہ نماز ادا فرمائی اور اس کے بعد دو مرتبہ فرح میں شب قدر میں آپ نے نمازیں ادا فرمائیں۔ آپؑ نے جو دعائیں اس نماز کے بعد پڑھی ہیں وہ بہت قابل غور ہیں۔ پہلی دعا میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مولیٰ آپ ہمیں مسکین بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت دیں۔ اور مسکینوں کے زمرہ میں اپنے فضل وکرم سے ہمارا حشر کریں۔ دوسری دعا میں عرض کیا کہ: اے اللہ ہماری نظروں میں دنیا کو چھوٹا بتا دیجئے اور اپنے جلال کو بڑا۔ اپنی مرضی پر چلایئے اور اپنے دین پر قائم رکھے۔ اور اپنی اطاعت، محبت، شوق، عشق پر اپنے فضل وکرم سے قائم رکھئے۔

پھر بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا کہ: اے خدا حق کو حق کی طرح دکھلا دیجئے اور اس کی اتباع کی توفیق بھی دیجئے۔ باطل کو اس سے بچنے کی توفیق دیجئے۔

ان دعاؤں کے علاوہ استغفار پر مشتمل دعاؤں کے صیغے ادا کئے۔ اس سب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر میں جو دعا خدائے تعالیٰ سے کرنی ہے وہ یہی ہے کہ ہمیں اُس کا عشق حاصل ہو۔ اس کے بعد حق تعالیٰ ہم پر اپنی تجلی ظاہر فرمادیں تاکہ حق کو حق کی حیثیت میں دیکھ کر اُس سے وابستگی میں شدت پیدا ہو اور باطل کو جاننے سے اُس کے اجتناب کی توفیق میسر ہو۔ اسی کے ساتھ دعائے مغفرت اور معافی اس لئے ہے کہ تقاضائے بشریت سے جو بھول چوک ہو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردے۔ ونیز یہ استغفار اس لئے بھی ہے کہ روحانی درجات میں اضافہ ہو ہر ایک ادنی درجہ سے اعلیٰ کی طرف صعود ہو۔

اس عظیم الشان شب میں سب سے پہلے دعا جو آپ نے خداوند عظیم سے کی وہ یہ تھی کہ مسکینی عطا کی جائے اصل میں یہ مسکینی فقر کا دوسرا نام ہے۔ دعا یہ ہے کہ ساری زندگی مسکینی پر رہے اور بوقت موت بھی مسکینی قائم رہے۔ دعا کے اس جملہ میں بڑا راز ہے پھر اس مسکینی کو آگے پہنچا کر مساکین کے زمرہ میں حشر کی درخواست کی گئی ہے۔ یہ سب مقامات ہیں۔ ساری زندگی کے مسکینی میں گزرنے کے باوجود ممکن ہے وقت آخر اپنی نیکی کا کوئی احساس پیدا ہوجائے یا اُخروی درجات کی طرف ذہن چلا جائے ایک طالب مولیٰ کے لئے یہ چیزیں زندگی بھر کی طلب وریاضت کو اکارت کردینے والی ہیں جو صرف ذاتِ حق کے طالب ہیں۔ اُنہیں عقبیٰ کی نعمتیں کب چاہئیں۔ اس لئے عرض کیا کہ مولیٰ تعالیٰ اس آخری وقت مدد کریں اور مسکینی ہی کی موت عطا کریں۔

دوسری دعا بھی قابل غور ہے۔ نہایت واضح طور پر یہ عرض داشت پیش کی کہ باریٔ تعالیٰ ہماری نظروں میں دنیا کو بڑا ہی چھوٹا کرکے دکھایئے تاکہ ہم کسی وقت بھی اُس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ اپنا جلال ہماری نظروں میں بڑا کرکے

دکھایئے (اگرچہ الٰہی جلال نہایت عظیم ہے لیکن انسان کی آنکھ اس کو اس انداز میں نہیں دیکھتی ہے اسی لئے دعا کی کہ اپنی جلالت کی عظمت دکھادیجئے) اسی دعا کا یہ حصہ نہایت اہم ہے جس میں جناب حق سے اطاعت' محبت' شوق اور عشق کی طلب کی گئی ہے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق بھی مانگی گئی ہے۔ یہاں یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ذات خدا کی محبت اور طلب بھی' الٰہی عطیہ ہے۔ اُسے بھی دیگر باتوں کی طرح خدا ہی سے مانگنا چاہیئے ونیز کمال لطافت اس میں ہے کہ عشق کے درجے بھی ظاہر کردیئے ہیں اور طالبانِ دعا پر یہ ظاہر کردیا ہے پہلی چیز جو رب سے مانگی ہے وہ اطاعت اور فرمانبرداری کی توفیق ہے۔ بغیر اطاعت' عشق کا خیال ظاہر کرنا بے محل ہے اور عشق ومحبت کی نشانی ہی دراصل ہے اطاعت مطلوب ہے۔ اگر انسان اس سے بے بہرہ ہے تو وہ دراصل عشق حقیقی سے کوسوں دور ہے۔

الغرض ان سب مراحل کے بعد ذاتِ حق کے دیدار کی التجا ہے۔ محض دیدار کا زبان سے تذکرہ کرنا' زبانی جمع وخرچ کو تو ضرور ظاہر کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ کہنے والے کے دل اور زبان میں کوئی رابطہ نہیں ہے۔

شب قدر کی عظمت کا راز اس بات میں ہے کہ اس خاص رات میں عالم ملکوت' عالم سفلی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ایک خاص حکم کی بناء پر ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں فرشتے اس دنیا میں آکر ایسے انسانوں کو ڈھانک لیتے ہیں جو اسی انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور وہ منتظر ہوتے ہیں کہ کوئی مَلک انہیں چھوجائے۔ جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسانوں پر ایک جھرجھری سی طاری ہوجاتی ہے اور قلب متاثر ہوجاتا ہے اور آنکھیں آنسو بہانے لگتے ہیں یہ ایک قلبی ردعمل ہے لیکن جو لوگ فرشتوں کی ملاقات کے متمنی یا منتظر نہیں ہوتے' وہ اس عطیہ سے محروم بھی رہتے ہیں۔ اور حضرت خاتم الرسلؐ کے الفاظ میں جو اس شب کی سعادت سے محروم رہا' وہ حقیقت میں بہت بڑی دولت سے محروم رہا۔ نتیجہ اس حصول کا یہ ہے کہ انسان اچانک عالم ملکوت سے ہمکنار ہوجاتا ہے۔ شب قدر دراصل بہرۂ عام ہے۔ (مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' جنوری ۱۹۶۶ء)

قدر کی رات

نقلست از بندگی میاں سید خوندمیرؓ که بارها شنیده ام و تاریخ بست و شش ماه مبارک رمضان حضرت میراں علیه السلام فرض عشاء ادا کردند پس بالا دیده فرمودند۔ امشب کدام شب است میاں سید سلام الله گفتند بست هفتمی است۔ بعده فرمودند که فرمان لاخود که قرآن به سید المرسلین دریں شب نزول کریم و در سوره قدر بیان نمودیم۔ لیکن پوشیده داشتم برائے تو '' لیلة القدر خیر من الف شهر '' از عبارت مقبول بهتر است نرادادیم ۔ بر خیر دُگانه شکرانه اد کن۔ بعده میراں علیه

السلام برخاستند دُگانه خود امامت کرده گزارده اندسیزده کس حاضر بردنیم بعده نشسته ایں دی باآواز بلند خواندد۔ اللھم احینیی مسکیناً درمیان سید سلام الله عرض کردند که خوند کار مااودین رحمت داخل باید کرد۔ بعده به فرمان خدا به ایں نوع خواند ند اللھم احیینا مسکینا و امتنا مسکینا و احشر نایوم القیٰمة فی زمرة المساکین و بفضل و بکرمک یا اکرم الاکرمین و برحمتک یا ارحم الراحمین اللھم صغرالدنیا الخ۔ اللھم ارنا لحق حق۔ الح و ربنا لامتنوع قلوبنا۔ الخ خواند و سربه سجده نهادند تاربع یاس مقدار باشد که سر بالا بلند و باز شرف ایں شب بیان کردند و سال دیگر یا هفتادو دو کس ادا کردند۔

ترجمہ: بندگی میاں سید خوندمیرؓ سے نقل ہے کہ (آپؓ نے فرمایا) کہ میں نے بارہا سنا ہے کہ ماہ مبارک رمضان کی ۲۶/تاریخ حضرت میراں علیہ السلام نے فرض عشاء کو ادا کیا پھر آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ آج رات کونسی رات ہے ؟ میاں سید سلام اللہ نے کہا ستائیسویں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ (خدائے تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ اس رات ہم نے سید المرسلینؐ) پر قرآن نازل کیا اور سورۂ قدر میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ لیکن شب قدر کو ہم نے تمہارے لئے پوشیدہ رکھا۔ لیلۃ القدر کی فضیلت یہ ہے کہ اس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی مقبولہ عبادت سے بہتر ہے (ایسی فضیلت والی رات) ہم نے تم کو دی ہے۔ اُٹھو شکریہ کا دُگانہ ادا کرو۔ اس کے بعد میراں علیہ السلام اٹھے اور خود امامت کرتے ہوئے دُگانہ ادا کیا۔ اس وقت ہم تیرہ اشخاص حاضر تھے اس کے بعد بیٹھ کر یہ دعا باواز بلند پڑھی۔ اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ۔ درمیان میں سید سلام اللہؓ نے عرض کیا کہ خوندکار ہم کو بھی اس رحمت میں شامل کر لینا چاہیئے۔ اس کے بعد اللہ کے حکم سے اس طرح دعا کی ائے اللہ ہم سب کو مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکین بنا کر موت دے اور قیامت کے دن ہمارا حشر مسکینوں کے زمرہ میں کر اپنے فضل و کرم کے طفیل سے۔ ائے سب سے بڑھ کر کرم کرنے والے اپنی رحمت کے طفیل سے، ائے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے اے اللہ دنیا کو ہماری نظروں میں چھوٹی کردے (آخر تک) اے اللہ ہم کو حق، حق کے طور پر دکھلا دے (آخر تک)۔ اے اللہ ہمارے رب ہمارے ہمارے دلوں کو نہ پھیر جب کہ تو ہم کو ہدایت دے چکا (آخر تک) یہ سب دعائیں پڑھیں اور سر سجدہ میں رکھ دیا ۴۵ منٹ تک پھر سر اٹھایا (سجدہ سے) پھر اس رات کی بزرگی کو بیان کیا۔ دوسرے سال (۷۲) اشخاص کے ساتھ دُگانہ ادا کیا (متن شریف)

اس روایت سے حضرت بندگی میراں کے دو (۲) دوگانوں کی ادائی کا حال معلوم ہو رہا ہے۔ پہلے سال صرف (۱۳) اشخاص موجود تھے۔ دوسرے سال صرف (۷۲)۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ حضرت بندگی میراں علیہ السلام نے پہلا دُگانہ بمقام کاہہ (۲۷) ویں شب رمضان ۹۰۹ ہجری میں ادا کیا اور دوسرا دُگانہ بمقام فرح ۹۱۰ ہجری میں ادا کیا۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بیس روز بعد رحلت فرمائی۔

مولود شاہ عبدالرحمٰنؒ میں مذکور ہے کہ **بعد از داخل شدن در فرح دو سال و پنج ماه حیات آنحضرت ماندیعنی**

شہر فرح میں داخل ہونے کے بعد آنحضرتؑ کی حیات مبارک دو سال پانچ ماہ ہوئی (صفحہ ۱۲۹)۔اس بیان کے پیش نظر حضرت بندگی میراں علیہ السلام نے فرح ہی میں دو مرتبہ لیلۃ القدر دُگانہ ادا کیا ہے۔

شب قدر کی فضیلت یہ ہے کہ جو خود کلام الٰہی میں بھی ہے اور اس روایت میں بھی کہ فضیلت کی وجہ اول نزول قرآن مجید ہے۔لفظ نزول سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ کلام پاک یکبارگی مکمل طور پر نازل کر دیا گیا۔اس کی ماہیت اور اہمیت یہ ہے کہ کلام بے صورت و بے کیف نے صورت مسموع اختیار کی اور قلب حضرت سید المرسلین ﷺ پر اس کا نزول شب قدر کی قدر افزائی کا موجب ہے یہ سب تو بذریعہ قرآن شریف بیان میں آچکا۔اور سب پر ظاہر ہو چکا تھا لیکن وہ رات جس میں صفت حق یہ کیفیت اختیار کی اور اپنے بندے (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کو حق نے یہ مرتبہ عالی بخشا مصلحتاً پوشیدہ کر دی گئی تھی اس لئے کہ قرآن اعلیٰ میں انسان کے قلوب تزکیہ وتخلیہ کے ایسے مقام پر پہونچے تھے کہ تمام کے تمام عالم ملکوت سے اتصال پیدا کرسکیں۔لیکن (۹) سو سال کے عرصہ کے مزید گزرنے اور حضرت بندگی میراں علیہ السلام کی تقریباً ۲۱ سالہ جدوجہد کے بعد بندگان خدا کے قلوب فیضان سماوی کے حصول کے قابل ہو چکے تھے۔ تب حق تبارک وتعالیٰ نے بندگی میراں علیہ السلام پر اس قیمتی وقت کا انکشاف یقیناً ایک بہت بڑا احسان رب العالمین ہے۔اس کے شکریہ میں بارگاہ رب العالمین میں سر جھکانا بہت بڑی خوش قسمتی ہے۔شب قدر کی یہ خصوصیت بھی بیان ہو رہی ہے کہ اس کی عبادت ہزار مہینوں کی مقبولہ عبادت سے بہتر ہے یعنی اس کا درجہ قبولیت بہت بڑھ جاتا ہے اور وہ بھی ایک قلیل سے وقت میں توجہ الی اللہ رکھنے سے ظاہر ہے کہ تھوڑے سے وقت میں عظیم المرتبت قبولیت کا حصول انتہائی خوش نصیبی ہے۔

حدیت: فیه لیلة خیر من الف شهر من حرم خیرها فقد حرم من خیر کثیر (عن ابی ہریرہؓ)

حدیث:من خیر منها فقد حرم من خیر ها الا کل محروم (عن انس ابن مالکؓ)

ترجمہ:(۱) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رمضان میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو اس رات کی نیکی وثواب سے محروم کر دیا جائے وہ بہت بڑی نیکی سے محروم ہو گیا (۲) جو اس رات کی بھلائی سے محروم کر دیا گیا وہ تمام نیکیوں سے محروم رہا اور صرف بد قسمت ہی اس سعادت سے محروم کر دیا جاتا ہے (مشکوٰۃ) احادیث پاک سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ شب قدر میں ثواب واجر کا ملنا سعادت کی دلیل ہے۔

مسکین۔اصطلاحاً تارک الدنیا فانی فی اللہ کو کہتے ہیں اور ترک دنیا حقیقی توفیق باللہ پر منحصر ہے اس لئے اس مقدس شب میں اس توفیق کے لئے دعا کی جارہی ہے تاکہ مفرون بإجانب ہو سکے۔دنیا کا انسانی فطرت میں حقیر بن جانا ہی کارساز حقیقی کے فضل پر منحصر ہے۔اور پھر حقائق کا بصیرت پر انکشاف سب کچھ من جانب اللہ ہی ہو سکتا ہے اور سب سے آخری اور اہم دعا کہ ہدایت کے بعد گمراہی سے محفوظ رہنا ہے۔دعا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے طالبوں پر فضل کرے (آمین)

(مطبوعہ ماہنامہ ''نور ولایت'' جنوری ۱۹۹۸ء مئی ۱۹۸۹ء)

دعوتِ ہدایت

افضل المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مسلمانوں کو خبر دی کہ آپؐ کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے خلیفہ کو ہدایت یافتہ بنا کر روانہ کرے گا جو دین محمد صلعم کی نصرت کرے گا اور اسلام کی حقیقی اسپرٹ اور روح کو مسلمانوں میں بیدار کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے اس خلیفہ کو ''مہدی'' کے لفظ سے یاد کیا اور بڑی تاکید سے اس مامور من اللہ کے ظہور کا وعدہ فرمایا۔ جس کی بناء پر اس ربانی امام کو ''مہدی موعود'' سے موسوم کیا گیا۔ یعنی وہ خدائی ہدایت یافتہ جس کے آنے کا وعدہ حضرت خاتم الرسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس ضمن میں وہ حدیثیں درج ذیل ہیں جن میں اس خلیفۃ اللہ کی بعض علامتیں پائی گئی ہیں۔

(۱) **عن ام سلمه قالت سمعت رسول الله عليه وسلم يقول المهدى من عترتى من ولد فاطمة** (ابوداؤد)

ترجمہ: ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے' آپ فرماتے تھے کہ مہدی میری عترت سے اولاد فاطمہ سے ہوگا۔

(۲) **عن علیؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المهدى منا اهل البيت يصلحه الله فى ليلة** (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی ہم اہل بیت میں سے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں ایک رات میں صلاحیت پیدا کردے گا۔

(۳) **عن عبد الله بن حارث بن جزء الزبيدى قال قال رسول الله ﷺ يخرج ناس من المشرق فيوطون المهدى يعنى سلطانه** (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث بن جز الزبیدی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مشرق سے لوگ نکلیں گے اور مہدی کی تائید کریں گے یعنی اس کے غلبہ کی۔

(۴) **عن عبد الله ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لن تهلک امتى انا فى اولها وعيسىٰ ابن مريم فى اخرها والمهدى فى وسطها روى عن انس بن مالک هكذا.** (مسنداحمد بن حنبل وغیرہ)

ترجمہ: میری امت ہرگز ہلاک نہ ہوگی کیونکہ میں خود اس کے اول میں ہوں اور عیسیٰ ابن مریمؑ اس کے آخر میں اور مہدیؑ اس کے درمیان میں ہیں۔

(۵) **عن ابى هريرةؓ قال يبايع المهدى بين الركن والمقام لا يوقظ نائما ولا يوقف قاعداً** (نعیم بن حماد' کتاب الفتن)

ترجمہ: مہدی سے رکن یمانی اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان بیعت کی جائے گی وہ نہ سونے والوں کو جگائیں گے اور نہ بیٹھے ہوئے کو اٹھائیں گے۔

(۶) **عن ابی سعید الخدریؓ قال خشینا ان یکون بعد نبیا حدث فسالنا النبی صلی اللہ علیه وسلم قال ان فی امتی المهدی یخرج یعیش خمسا وسبعا او تسعا (زید الشاک) قال قلنا وما ذاک قال سبع سنین (ترمذی)**

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہمیں ڈر تھا اس بات کا کہ ہمارے نبی کے بعد کوئی حدث ہو پس ہم نے حضورؐ سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ مہدی کا میری امت میں ظہور ہوگا اور مہدی پانچ یا سات یا نو سال زندہ رہیں گے (شک کرنے والا زید ہے) کہا کہ ہم نے عرض کیا وہ اصل مدت ہے۔ فرمایا ۷ سال۔

(۷) **عن ابی سعید الخدریؓ عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال تنعم امتی فی زمن المهدی نعمة لم ینعموا مثلها قط ترسل السماء علیهم مدراراً ولاتدعو الارض شیئا من نباتها الا اخرجته (ابونعیم)**

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہدیؑ کے زمانہ میں میری امت کو ایسی نعمت دی جائے گی کہ کبھی ایسی نعمت نہ ملی ہوگی۔ آسمان خوب بارش برسائے گا اور زمین اپنی روئیدگی میں سے کچھ باقی نہ رکھے گی۔

(۸) **ومن انکر المهدی فقد کفر (شرح السیر از ابوالقاسم سہیلی)**

ترجمہ: جس نے مہدی کا انکار کیا کافر ہوگیا۔

مندرجہ بالا ارشادات حضرت خاتم الرسالت ﷺ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی اولاد فاطمہؓ سے ہوں گے۔ اور مہدی اہل بیت سے ہیں۔ ایک رات (قلیل مدت) میں ان میں صلاحیت پیدا ہوجائے گی۔ مشرق کے لوگ مہدیؑ کی تائید کریں گے۔ مہدیؑ وسط امت میں ہوں گے اور عیسیٰ ابن مریمؑ آخر اُمّت میں ہوں گے۔ مہدیؑ سے (کعبۃ اللہ) کے رکن ومقام کے درمیان بیعت ہوگی۔ اور آپؑ بیعت کے لئے کسی کو مجبور نہ کریں گے۔ ظہور کے بعد مہدیؑ کی حیات ۵ یا ۷ یا ۹ سال ہوگی۔ مہدیؑ کے زمانہ میں اُمّت کو ایک غیر معمولی نعمت ملے گی جو آسمان اور زمین سے یکساں حاصل ہوگی۔

حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی مبارک احادیث کے پیش نظر حضرت مہدیؑ کی بعثت اور دعوت کی مطابقت درج ذیل ہے۔

مکہ مکرمہ کے مشرق (ہندوستان) میں حضرت موسیٰ کاظمؓ کی اولاد سے میراں سید عبداللہ کو سید محمد تولد ہوئے۔ آپ کا اسم گرامی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بشارت پر رکھا گیا۔ مورخین ہند نے گواہی دی ہے کہ آپؑ اہل بیت رسالت سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ آپؑ کا مقام ولادت جونپور (یوپی) ہے جہاں آپؑ ''اسد العلماء'' ''سید الاولیاء'' کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپؑ نے

(۴۰) چالیس سال کی عمر میں اپنے وطن سے ہجرت کی ہندوستان کے مختلف علاقوں سے گزرتے ہوئے عرب تشریف لے گئے۔ ان تمام مقامات کے لوگوں نے آپ کی ولایت سے مستفیض ہونے کے لئے آپؑ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ ۹۰۱ھ میں آپؑ حج کے بعد رکن ومقام کے درمیان اپنی مہدیت کا اعلان فرمایا۔ بے شمار افراد نے آپ سے بیعت کی پھر ہندوستان تشریف لائے اور ۹۰۳ء میں بمقام احمد آباد (گجرات) دوسری مرتبہ دعویٰ مہدیت کیا۔ یہاں بھی بے شمار لوگ آپ کے حلقہ بگوش ہوئے پھر آپ نے مقام بڑلی (پٹن، گجرات) میں تیسری مرتبہ ۹۰۵ھ میں دعوی موکد کیا۔ آپ نے فرمایا۔ **انا المهدی الموعود خليفة الله و انا تابع محمد رسول الله من اتبعنی فهو مومن و من انكر بذاتی فقد كفر** (ترجمہ) میں مہدی موعود ہوں اللہ کا خلیفہ ہوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کا تابع ہوں جس نے میری پیروی کی وہ مومن ہے اور جس نے انکار کیا اس نے کفر کیا۔ سلطان محمود بیگڑہ بادشاہ گجرات کے موسومہ مکتوب میں تحریر کیا" **به فرمان خدا تعالیٰ دعوت مهديت اظهار كرديم و برآں شاهد كلام الله واتباع محمد رسول الله آورديم تا شمارا بايد كه تفحص كنيد** (ترجمہ)" آپؑ نے لکھا ہے کہ ہم نے خدائے تعالیٰ کے فرمان سے مہدیت کا دعویٰ کیا ہے اور اس دعوی پر قرآن شریف اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی کو گواہ لائے ہیں تا کہ تم سب اس دعویٰ کی صداقت کی تحقیق کرو۔"

اس دعویٰ کے بعد آپ گجرات سے ہزاروں متبعین کے ساتھ سندھ تشریف لے گئے اور یہاں اپنی دعوت کو ظاہر کرنے کے بعد فرہ (موجودہ افغانستان) روانہ ہوئے اور یہاں آپ نے قیام فرمایا۔ اہل خراسان (افغانستان) وغیرہ نے آپؑ کی دعوت کی تصدیق کی۔ فرہ میں آپ نے ۱۹/ ذیقعدہ ۹۱۰ھ میں وصال فرمایا۔ مشرق کا یہ سارا علاقہ آپ کے متبعین سے معمور ہو گیا۔ اور آپؑ کے پیرووں نے بلوچستان اور سندھ میں اپنی حکومتیں قائم کی اور گجرات کے ایک عظیم علاقہ پر حکومت جالور قائم ہوئی۔ جہاں کے افغان حاکم آپؑ کے مصدقین تھے۔ حضرت سید محمد مہدی موعودؑ جونپوری خدا کی طرف سے ولایت محمدیہ مقیدہ کے خاتم اور مظہر تھے۔ اسی لئے آپؑ نے ولایت مصطفوی کا فیضان بھی جاری کیا۔ چنانچہ بے شمار افراد آپؑ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر خاصان خدا ہوئے اور دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے جو ولایت محمدی کا خاصہ ہے۔ اس طرح آپؑ کے زمانے میں امت محمدیہ کو وہ نعمت حاصل ہوئی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ آسمان سے فیضان روحانی نہایت کثرت سے جاری ہوا۔ قلوب انسانی (الارض) میں اس فیضان سماوی روحانی سے وہ روئیدگی ہوئی کہ حاملان ولایت خدائے تعالیٰ کے قرب عالی سے مشرف ہوگئے۔ یہ آپؑ کی صداقت کی عظیم دلیل ہے۔

حضرت سید محمد مہدی موعودؑ خاتم ولایت محمدی کی حیثیت سے بندگان خدا کو اسی دار دنیا میں دیدار خدا کی دعوت بھی دی ہے۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا" **خدائی را بچشم سر در دنیا دیدنی است باید دید** " اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں چشم سر سے دیکھنا ہے تو دیکھنا ہی چاہئے۔ آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت بھی پیش فرمائی۔ **ومن كان هذه اعمى فهو فى الاخرة اعمى و اضل سبيلا** (سورہ

کہف) ترجمہ: جوشخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اورراہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ دوسری آیت **فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا و لا یشرک بعبادۃ ربہ احدا** (سورہ کہف) پس جواپنے رب کی ملاقات ودیدار کی آرزو کرے تو عمل صالح کرے اوراپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے اس آیت شریفہ میں وعدہ حق مطلق ہے۔ اسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے بھی اس آیت کو مطلق ہی رکھا ہے۔ نتیجہ یہ کہ وقوع دیدار کو زماں ومکاں کے ساتھ مقید نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح دیدارحق تعالیٰ کا مسئلہ قرآن شریف سے ثابت اور تعلیمات اسلامیہ میں داخل ہے۔ اس لئے حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام نے طالبانِ حق کے لئے جس منزل کو پیش کیا ہے وہ مطابق اسلام ہے۔

ارشادات عالیہ:

(۱) **حضرت میرانؑ بار فرمودند کہ من کتاب اللہ را پیش کردہ ام وخلق راسوئی توحید وعبادت دعوت می کنم ومن مامور برائی ایں کا رام از حضرت باری تعالیٰ** (انصاف نامہ)

ترجمہ: پھر حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کی کتاب پیش کردی ہے اور مخلوق کو (اللہ کی) توحید اور ہدایت کی دعوت دیتا ہوں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مقرر ہوا ہوں۔

(۲) **ویقول الناس اعبدو اللہ وحدہ و لا تشرکوا بہ جلیا و لا خفیا ویامر ھم با لعدل و الاحسان و العفاف عمادون ذلک وصدق المحبۃ و الاخلاص و الایمان الکامل** (مخزن الدلائل)

ترجمہ: آپ لوگوں سے فرماتے ہیں کہ بندگی کرو اللہ کی کہ وہ ایک ہے اور شریک مت کرو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں اور مہدی تم سب کو عدل احسان اور ماسوی اللہ سے پرہیز کرنے اور محبت حق کی سچائی خالص دوستی اور ایمان کامل کا حکم کرتے ہیں۔

(۳) **قال انی عبد اللہ تابع محمد رسول اللہ .**

ترجمہ: فرمایا بے شک میں خدا کا بندہ اور محمد رسول اللہؐ کا تابع ہوں۔

(۴) **فرمودند مذھب ما کتاب اللہ واتباع رسول اللہ است۔**

ترجمہ: فرمایا میرا مذہب اللہ کی کتاب اور رسول اللہؐ کی پیروی ہے۔

(۵) **حضرت میراں فرمودہ اند کہ مھدی را خدائے تعالیٰ آنگہ فرستاد کہ معنی دین از جھاں رفتہ بود۔ معنی دین از سہ چیز رود رسم عادت وبدعت وقتی کہ مھدی در ظھور آید رسم عادت وبدعت رادور کند ودین محمد علیہ السلام را نصرت کند۔**

ترجمہ: حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ مہدی کو خدائے تعالیٰ نے اس وقت بھیجا کہ دین کا باطن دنیا سے اٹھ گیا تھا۔ دین کا باطن تین چیزوں سے چلا جاتا ہے۔ رسم، عادت اور بدعت۔ جب مہدی ظاہر ہو جائے تو رسم، عادت، بدعت کو دور کرے اور دین محمد علیہ السلام کی مدد کرے۔

(۶) **فرمودند که قرآن عشق نامه است۔**

ترجمہ: قرآن (اللہ کی محبت و) عشق کا مکتوب ہے۔

(۷) **فرمودند که مرد باش با خدا باش یا پے مرد باش با شیطان مباش**

ترجمہ: فرمایا مرد بن (طلب خدا بن) خدا کے ذکر کے ساتھ رہ یا کسی مرد (مرد کامل، خدارسیدہ) کے ساتھ رہ شیطان کا ساتھی مت بن۔

(۸) **فرمودند ازخدا جز خدا مطلب**

ترجمہ: فرمایا خدا سے صرف خدا کو طلب کرو۔

(۹) **فرمودند تسلیم کند ذات خود را به خدا تعالیٰ**

ترجمہ: فرمایا اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کردو۔

(۱۰) **فرمودند در اتفاق نصرت دیں است ودر نفاق هزیمت دین است**

ترجمہ: اتفاق واتحاد میں دین کی نصرت ہے اور نفاق میں دین کی ہزیمت ہے۔

(مطبوعہ نور ولایت یکم جنوری ۱۹۸۴ء)

نظام دائرہ

بندگی میراں حضرت سید محمودؓ ابن بندگی میراں حضرت مہدی موعودؑ کا مقدس دائرہ اپنی آپ مثال تھا۔ اس دائرہ مبارکہ کی بعض خصوصیات ایسی تھیں جن کی وجہ سے دائرہ مذکور امتیازی حیثیت کا حامل ہو چکا تھا اوصاف مخصوصہ میں سے ایک وصف احتساب بھی تھا جس کے متعلق انصاف نامہ کی روایت ہے کہ حضرت بندگی میراں رضی اللہ عنہ ہر ہفتہ یا دو ہفتہ کے بعد اجتماع کرتے تھے اور اہل دائرہ کو مخاطب کر کے فرماتے تھے کہ

اگر خلاف میراںؑ در ذات مابه بیند امارا دست گرفته از دائره بکشید

ترجمہ: اگر مہدیؑ کے خلاف ہماری ذات میں کوئی بات دیکھو تو ہمارا ہاتھ پکڑ کر دائرہ کے باہر کردو

حضرت بندگی میراںؓ کا ارشادمبارک نہایت تواضع اور انکسار پر مشتمل ہے گر چہ کہ حضرت خلیفتہ اللہ علیہ السلام کی طرف سے یہ بشارت بھی مل چکی تھی کہ میراں سید محمودؓ کچھ ضعیفی (عمل رخصت) نہ کریں گے۔یعنی ہمیشہ آپ کا عمل عالیت پر رہے گا۔اس کے باوجود حضرت کا مذکورہ ارشاد غایت درجہ تواضع پر مبنی ہے لیکن اس کا دوسرا پہلو احتساب نفس سے تعلق رکھتا ہے۔حضرتؓ نے اپنے متواتر عمل سے اس بات کو واضح فرمایا کہ کوئی شخص چاہے کتنا بڑا ہو،اسے چاہیئے کہ اپنے نفس کا احتساب کرتا رہے اور واقعہ یہ ہے کہ احتساب ذاتی بھی اوصاف عالیہ میں سے ایک عظیم وصف ہے۔ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ ضعف عمل شخصی غفلت ہی سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ ماحول میں کہیں بھی کوئی جھول پیدا ہوجائے تو وہ کسی نہ کسی خوبی کو زائل کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔اس حقیقت کے ثبوت میں ذیل کا واقعہ یادرکھنے کے قابل ہے۔لسانی نے یہ حدیث لکھی کی شبیب بن ابوروحؓ نے کسی صحابی سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صبح کی نماز پڑھائی اوراس میں سورہ روم پڑھی۔آپ اس میں کہیں اٹکے جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا لوگوں کا بھی کیا حال ہے کہ نماز تو ہمارے ساتھ پڑھتے ہیں اور پھر وضوٹھیک طور سے نہیں کرتے۔یہی لوگ ہیں جو ہمارے قرآن پڑھنے میں رکاوٹ کا باعث بن جاتے ہیں۔حدیث مندرجہ بالا سے ظاہر ہے کہ حضرت پیغمبر معصوم ﷺ کی قرأت قرآن میں خلل واقع ہوگیا۔حالانکہ آپ ﷺ کی فطرت سلیمہ ہرقسم کی چھوٹی اور بڑی خطاؤں سے پاک ہے۔تاہم ماحول نے تلاوت قرآن میں رکاوٹ پیدا کردی۔اس سلسلہ میں ایک متفق علیہ حدیث بھی یادرکھنے کے قابل ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نقشی کمبلی میں نماز ادا کی۔نماز کی حالت میں آپ کی نظر ذرااس کے پھولوں پر جاپڑی۔جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو فرمایا۔اس کمبلی کو ابوجہمؓ (ایک صحابی) کولے جاکردے دواوران کی وہی موٹی کمبلی مجھے لادو۔اس نے تو مجھے ابھی میری نماز سے بھی غافل کردیا ہوتا (دوسری روایت الفاظ یہ ہیں) میں نے اس کے پھولوں کو دیکھا تو قریب تھا کہ میری نماز کی حضوری میں فرق پڑجاتا۔

اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ کمبلی کے پھولوں نے کوئی اثر پیدا نہیں کیا تھا۔بلکہ آنحضرت ﷺ کو غفلت کا اندیشہ ہوگیا تھا۔احادیث شریفہ سے ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فوری احتساب فرمایا کہ کونسی چیز باعث خلل ہے اور پھراس کو دورکردیا ۔اسی طرح حضرت میراں سید محمودؓ فرزند مہدی موعودؑ نے احتساب کو اختیار فرمایا۔گویا آپؓ نے عین سنت نبوی پر عمل کیا اوراس سنت شریفہ کا احیاء فرمایا اوراپنے عمل سے آیندگان کے لئے ہدایت کی شمع روشن فرمادی۔آپؓ کے متعلق جوبشارات منقول ہیں ان میں یہ بھی ایک بشارت ہے کہ آپؓ کوذات نبی ﷺ میں سیر حاصل ہے۔سنت نبوی پر عمل کرکے دکھانے سے بشارت مذکورہ کی تصدیق اعلیٰ پیمانے پر ہوجاتی ہے۔

(ماہنامہ ''نورولایت'' بابتہ سپٹمبر ۲۰۰۸ء)

مدعیان مہدیت

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو بشارت دی کہ آپؐ کے بعد اس امت میں اللہ تعالیٰ ایک امام کو مبعوث کرے گا جو آنحضرتؐ کی طرح دافع ہلاکت ہوگا۔ آپؐ نے امام موعودؑ کا لقب ''مہدی'' رکھا۔ اور فرمایا کہ مہدی موعود کا اسم گرامی آپؐ کے نام کے جیسا ہوگا وغیرہ۔ اس خبر مغیب کی شہرت اس قدر تھی کہ صحابہ وتابعین وغیرہ اس آنے والے کے مقام ومنصب سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ لیکن امام موعود کا ظہور حق تعالیٰ کی مشیت پر منحصر تھا۔ لیکن مہدی حقیقی کے دسویں صدی ہجری میں آنے سے پہلے ہی متعدد اشخاص نے اپنے آپ کو ''مہدی موعودؑ'' کی حیثیت سے پیش کیا۔ اور امت کے بعض افراد نے ایسے مدعیوں کو اپنی نادانی سے مہدی بھی تسلیم کرلیا اور اس طرح غلط راستے پر پڑ گئے۔ ذیل میں چند ایسے افراد کا مختصر طور پر تذکرہ کیا جاتا ہے جو منصب مہدیت کے مدعی ہو گزرے ہیں۔

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے عہد بنی امیہ میں مہدی کے ظہور کا غلغلہ بلند ہوا۔ مختار بن ابوعبید ثقفی نے ''مہدی سازی'' کا اقدام کیا۔ مختار ایک جاہ پسند شخص تھا جب اُس نے دیکھا کہ واقعہ کربلا کی وجہ سے مسلمان بے حد متاثر ہیں اور ان کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی محبت کا نعرہ مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ اس ارادے سے مختار نے کوفہ کی راہ لی۔ اور بنوکندہ، بنو ہند اور بنو ہمدان وغیرہ قبائل میں جاکر بیان کیا کہ مجھے وصیؔ کے بیٹے مہدیؔ نے اپنا وزیر بنا کر بھیجا تاکہ میں حسینؓ کے خون کا انتقام لوں۔ ان قبائل نے اسکو دعوت قبول کرکے مختار کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ مختار نے اس تحریک کو موثر بنانے کے لئے حضرت زین العابدین سے سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کی۔ اس تحریک کے ساتھ ہی اس نے بہت سے گمراہ کن عقائد اختراع کئے تھے۔ جن سے حضرت زین العابدین واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے مختار کی درخواست رد کردی۔ پھر مختار نے حضرت علیؓ کے فرزند حضرت محمد بن حنیفہ سے سرپرستی کی خواہش کی۔ حضرت زین العابدین نے حضرت محمد بن حنیفہ کو روکا کہ اس نے محض عوام کو اپنے دام میں پھنسانے کے لئے محبّ حسینؓ ہونے کا دعویٰ کیا ہے ورنہ وہ تو حسین کا دشمن ہے۔ محمد بن حنیفہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رائے لی۔ آپ نے تائید کا مشورہ دیا۔ محمد بن حنیفہ نے مختار کی سرپرستی قبول کرلی۔ اس کے بعد مختار عراق چلا گیا اور حضرت محمد بن حنیفہ کے جانشین حضرت علیؓ وصی اور مہدی موعود کی تبلیغ شروع کردی۔ کوفہ کے ہزاروں آدمی مختار کے ساتھ ہوگئے۔ ابراہیم بن اُشتر کوفہ کے پرانے شیعیان علی میں سے تھے۔ مختار نے اُن کو حضرت محمد بن حنیفہ کی طرف سے ایک جعلی خط دیا۔ ابراہیم نے تھوڑے تامل کے بعد محمد بن حنفیہ کی مہدیت کو اور مختار کی وزارت کو تسلیم کرلیا۔ مختار نے ایک جمعیت بہم پہنچائی۔ اور کوفہ کے عامل عبداللہ بن مطیع کو نکال کر خود کوفہ پر قابض ہوگیا۔ اس کامیابی سے مختار حجاز اور بصرہ چھوڑ کر باقی ان تمام ممالک پر قابض ہوگیا جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے تحت

تھے۔اس کے بعد مختار نے ان تمام ظالموں کو چن چن کر قتل کیا جو حضرت حسینؓ کے خون بہانے کے مرتکب تھے۔ان کارناموں سے مقبولیت حاصل کر کے مختار نے رسالت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو مختار رسول اللہ لکھنا شروع کیا۔

مکہ معظّمہ میں حضرت محمد بن حنیفہ کو مختار کی بدعتوں کی خبر پہنچی تو آپ نے اہل کوفہ کے نام غلو سے بچنے کے لئے خطوط لکھے اور اس کے بعد بذات خود عراق تشریف لے جانے کا عزم فرمایا۔مختار کو خوف ہوا کہ محمد بن حنیفہ کے آجانے سے اس کے فریب کا پردہ چاک ہوجائے گا اس لئے اس نے اپنی مجالس میں کہنا شروع کیا کہ ہم مہدی کی بیعت میں داخل ہیں اور سچے مہدی کی علامت یہ ہے کہ ان پر تلوار کا وار کیا جائے تو وہ کام نہ کر سکے۔جب یہ خبر محمد بن حنیفہ کو پہنچی تو آپ نے اپنی روانگی ملتوی کردی کیونکہ آپ کو یقین ہوگیا تھا کہ مختار انہیں کوفہ میں قتل کرادے گا۔

حجاز میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی حکومت قائم کرلی تھی لیکن اب تک محمد بن حنیفہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ابن زبیرؓ کی بیعت نہ کی تھی۔جب ابن زبیر کو پتہ چلا کہ مختار نے قوت حاصل کرلی ہے تو انہوں نے بموجب ایک روایت کے محمد بن حنیفہ اور حضرت عبداللہ بن عباس کو قید کر دیا۔محمد بن حنیفہ نے مختار کو اطلاع دی۔اس نے فوج بھیج کر محمد بن حنیفہ کو قید سے چھڑوایا۔

تھوڑے ہی عرصہ میں عبداللہ بن زبیر کے بھائی مصعب نے مختار کو شکست دے کر اس کا خاتمہ کر ڈالا۔محمد بن حنیفہ، حضرت علیؓ کے صاحبزادے تھے۔ان کی والدہ کا نام خولہ تھا اور وہ قبیلہ حنفیہ سے تھیں۔حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں محمد بن حنفیہ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور یکم محرم ۸۱ھ کو وفات پائی۔جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے، مختار بن ابوعبید ثقفی نے آپ کو مہدی قرار دیا تھا۔لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن حنیفہ بھی اپنے مہدی ہونے کے دعویدار ہوچکے تھے چنانچہ طبقات ابن سعد میں بیان کیا گیا ہے۔

کانوا یسلمون علی محمد بن علی سلام علیک یا مهدی. فقال اجل انا مهدی الی الرشه و الخیر . اسمی اسم نبی الله و کنیتی کنیه نبی الله فاذا سلم احدکم فلیقل سلام علیک یا محمد سلام علیک یا ابا القاسم

ترجمہ: لوگ محمد بن علی کو یا مہدی کہہ کر سلام کرتے تھے انہوں نے کہا ہاں میں مہدی ہوں رشد وخیر کی طرف ہدایت کرتا ہوں۔میرا نام رسول اللہ کا نام ہے اور میری کنیت رسول اللہ کی کنیت ہے اگر کوئی تم میں سے سلام کرے تو کہے سلام علیک اے محمد۔ السلام علیک اے ابوالقاسم (صفحہ ۳۵۸، مقدمہ سراج الابصار طبع دوم)

مختار کے مرنے کے بعد اس کا ایک گروہ کیسانیہ کے نام سے ظاہر ہوا۔کہتے ہیں کہ کیسان خود مختار کا نام تھا۔بعض کہتے ہیں کہ کیسان حضرت علیؓ کے غلام کا نام تھا۔غرض کیسانیہ جماعت میں بھی کئی فرقے ہوگئے۔لیکن یہ تمام فرقے ابن حنفیہ کی مہدیت اور امامت کے قائل تھے۔ان ہی کیسانیوں میں سے بعض کا عقیدہ ہے کہ محمد بن حنفیہ آج تک زندہ ہیں۔ان پر موت طاری نہیں ہوئی۔وہ اس وقت جبل رضوی پر تشریف رکھتے ہیں۔ان کے آگے دو چشمے بہہ رہے ہیں ایک پانی کا اور دوسرا شہد کا۔وہ انہی چشموں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ان کے داہنی جانب ایک شیر بیٹھا ہے اور بائیں جانب ایک چیتا۔یہ دونوں جانور دشمنوں سے ان کی حفاظت

کررہے ہیں۔ قیامت کے قریب محمد بن علی مہدی موعود کی حیثیت سے خروج کریں گے۔ دوسرے کیسانی کہتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ انتقال کرگئے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ اُن کے بعد حضرت زین العابدین امام ہوئے۔اور دوسرے کہتے ہیں کہ ابن حنفیہ کے فرزند ابو ہاشم کوامامت ملی۔لیکن انہی کیسانیوں میں سے راوندی گروہ کا خیال ہے کہ ابو ہاشم کے بعد امامت' حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے محمد کی طرف منتقل ہوگئی۔

غرض تاریخ اسلام میں محمد بن حنفیہ پہلی بار مہدی کہلائے۔اگر چہ وہ مہدی موعود نہ تھے۔

محمد بن علیؓ یعنی محمد بن حنیفہ کے دعویٰ مہدیت پر غور کرنے سے چند امور ہمارے سامنے آتے ہیں مثلاً یہ کہ مشار الیہ کا دعویٰ حکم الٰہی پر مبنی نہیں تھا۔(اور نہ ہوسکتا تھا کیونکہ وہ مہدی حقیقی نہ تھے)اس بنیاد کی عدم موجودگی کے بعد دیگر تمام امور کی تحقیق لا حاصل ہے۔ لیکن تکمیل حجت کے لئے یہ بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ مختار بن ابو عبید ثقفی نے سیاسی اغراض کے حصول کے لئے محمد بن حنیفہ کو مہدی مشہور کیا اس طرح سب سے پہلے عقیدۂ مہدیت کے ساتھ سیاسی تصورات وابستہ ہوئے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ محمد بن حنیفہ نے مختار کے اغراض سیاسی کی تکمیل کے لئے مہدی کہلانا پسند کیا۔حالانکہ اولادِ علیؓ میں حضرت موصوف اپنے علم وفضل کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں۔

احادیث مہدی میں مہدی موعود کا نام محمد بن عبداللہ بیان کیا گیا ہے۔ابن حنیفہ اس معیار پر بھی پورے نہیں اترتے۔ان ہی حدیثوں میں یہ بھی درج ہے کہ مہدی موعود حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ کی اولاد میں ہوں گے اور ظاہر ہے کہ محمد بن علیؓ اس سلسلہ میں داخل ہی نہیں ہیں۔اسی زمانہ میں صحابۂ رسولؐ کے فرزندوں کی بڑی تعداد موجود تھی اور سب سے بڑھ کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علی زین العابدین ابن حضرت حسینؓ حیات تھے۔ان بزرگوں میں سے کسی نے ان کی مہدیت کو تسلیم نہیں کیا اگر وہ مہدی حقیقی ہوتے تو اس زمانہ کے لوگوں پر ان کی تصدیق فرض ہوجاتی اور اہل دین کبھی ایسے ضروری اور اہم امر سے کنارہ کشی نہ کرے۔

مزید یہ کہ جس مختار نے آپ کو مہدیت کی مسند پر بٹھایا وہ اپنی سیاسی چال کے ذریعہ آپ کی جان کا لاگو ہوگیا۔اور خود ہی مہدی کی صداقت کا یہ معیار بتلایا کہ تلوار سچے مہدی کو نہیں کاٹ سکتی۔محمد بن حنیفہ' مختار کی اس چالاکی کو سمجھ گئے اور میدان آزمائش میں قدم نہیں بڑھایا کیونکہ آپ کو یقین ہوچکا تھا کہ مختار آپ کو کوفہ میں قتل کرادے گا۔

حضرت محمد بن حنیفہ کے انتقال کے بعد ان کے معتقدین اس بات کے قائل ہوگئے کہ وہ حقیقتاً فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں اور جبل رضوی کے غار میں تشریف فرما ہیں اور قرب قیامت میں مہدی موعود کی حیثیت سے خروج کریں گے۔گویا یہیں سے شیعوں کا مشہور عقیدہ ''غیبت امام'' پیدا ہوا۔یہ عقیدہ اکثر مدعیوں کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے جو حالانکہ فوت یا مقتول ہوچکے ہیں۔غرض محمد بن علی (اہل حنیفہ) کا دعویٰ مہدیت حقیقت پر مبنی نہ تھا۔

(مطبوعہ پندرہ روزہ ''نورولایت'' یکم مئی و۱۵/مئی ۱۹۷۹ء)

اقامتِ دین

امام مالکؒ نے باب وجوب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں اس حدیث شریف کوروایت کیا ہے۔

انه بلغه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسسکتم بهما کتاب الله وسنة نبیه یعنی آپؐ کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان چیزوں کو تھامے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔"کتاب اللہ اوراس کے نبی کی سنت" (موطا جلد ثانی صفحہ ۲۶۸)

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت آپؐ کے ارشاد اور عمل دونوں پر مشتمل ہے۔اس لئے اعتصام سنت میں دونوں امور شامل ہیں۔حدیث شریف میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ کتاب اللہ اورسنتِ رسول اللہ ﷺ دونوں کو تھامنا ہی ہدایت اورصراط مستقیم پر ثابت رکھنے والا ہے۔دونوں کو ترک کردینا یاان میں سے کسی ایک کو نظرانداز کردینا گمراہی اور ضلال کا موجب ہے۔حدیث پاک بشارت اور وعید دونوں کو جامع ہے۔فی زمانا یہ رجحان دیکھا جارہاہے کہ سنتِ رسالت پناہی کو اہمیت نہ دی جائے اور ترک سنت کو خوشنما الفاظ میں بیان کیا جائے اور کتاب اللہ کے معانی ومفاہیم کو اپنی رائے کے مطابق ڈھالا جائے۔ظاہر ہے کہ ترکِ سنت کا رجحان پرلے درجے کی ضلالت ہے۔اور ترکِ سنت کا نتیجہ خدا کے رسولؐ سے بے تعلقی پیدا کرنا ہے۔ایسا رجحان سابقہ اقوام میں بھی پیدا ہوا تھا وہ بھی اللہ اور اس کے رسولوں میں علیحدگی کی کوشش کرتے تھے۔چنانچہ ایسے لوگ عذابِ خدا کے مستحق ٹھیرائے گئے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًاo اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًاo

(سورہ نساء آیت ۱۵۰۔۱۴۹)

ترجمہ: جولوگ اللہ کا اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے اور خدا اوراس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اوراس کے درمیان ایک اور راہ نکالنا چاہتے ہیں اصل میں وہ حقیقی کافر ہیں اور منکروں کے لئے ہم نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے"

اسی رجحان کے سبب' اللہ پاک نے اپنے کلام میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ہے کہ اطیعو الرسول یعنی رسول کی اطاعت کرو۔اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله (سورہ نساء)

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور خاص طور پر آنخضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوا کہ :یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَطِیْعُو اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلاَ تَوَلَّوْ عَنْہُ (سورہ انفال آیت ۲۰)

ترجمہ: اے لوگ جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرو۔ اس سے مت پھرو' یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت سے روگردانی نہ کرو کیونکہ رسولؐ کی اطاعت بھی درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔

اعتصام کتاب وسنتِ کا مطلب قرآن اور احادیث رسولؐ کی اتباع ہے اور احادیث میں جو کچھ احکام رسالت مآب ہیں وہ بھی ہدایت الٰہیہ کا نتیجہ ہیں اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی قول ہوائے نفس کا نتیجہ نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلاَّ وَحیٌ یُّوْحٰی ۝ (سورہ نجم آیت ۳۔۴) اور وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے یہ صرف وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ پہلا جملہ عام ہے یعنی رسول صلعم خواہش نفسانی سے کوئی بات نہیں کرتے اور قرآن تو وحی ہے جو آپؐ پر نازل کی جاتی ہے۔ چونکہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اس لئے آپ کے کسی کلام میں بھی نفسانیت کا شائبہ نہیں ہوسکتا اور آپؐ کا جو کلام تواتر کو پہنچ چکا ہے وہ مفید علم یقینی ہے۔ اس کلام کی تعمیل اطاعت رسولؐ ہے۔ چنانچہ اصول شاشی میں لکھا ہے کہ

المتواتر یوجب العلم القطعی وتکون ردہ کفرا یعنی متواتر موجب علم قطعی ہے اور اس کا رد کرنا کفر ہے۔ اور'' شرح نخبۃ الفکر'' مولف محدث علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی میں لکھا ہے۔ **والمتواتر لا یبحث عن رجالہ بل یجب العمل بہ من غیر بحث** ۔ الخ

ترجمہ: متواتر کے راویوں کے اوصاف سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ بغیر بحث کے اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ برزنجی نے'' اشاعہ فی اشراط الساعۃ'' میں لکھا ہے۔

ان احادیث وجود المھدی وخروجہ فی اٰخر الزمان وانہ من عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولد فاطمۃ بلغت حد التواتر المعنوی فلا معنی لانکارھا ''یعنی وجود مہدیؑ کی احادیث اور آپ کے آخر زمانے میں ظہور کرنے اور آپ کے رسول اللہ صلعم کی عترت فاطمہؓ کی اولاد سے ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئی ہیں۔ پس ان کا انکار بے معنی ہے'' شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ کے باب الساعۃ میں لکھتے ہیں کہ **قد وردت فیہ الاحادیث کثیرۃ متواترۃ المعنی** (ترجمہ) مہدی علیہ السلام کے متعلق متواتر المعنی کثیر احادیث وارد ہیں ان احادیث کثیرہ میں سے ذیل میں صرف چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) **عن ام سلمۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المھدی من عترتی من ولد فاطمۃ** (ابوداؤد)

بی بی ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آپؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مہدی میری عترت سے اولاد فاطمہ سے ہے۔

(۲) عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم المهدی منی اجلی الجبهةاقنی الانف یملاء الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً ویملک سبع سنین (بوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہدی مجھ سے ہے۔ روشن پیشانی والا۔ بلند بینی والا۔ زمین کو عدل وانصاف سے بھردے گا جیسا کہ ظلم وجور سے بھرگئی تھی اور مالک ہوگا سات سال کا''

اس حدیث میں یملک سبع سنین کے الفاظ آئے ہیں ان کی شرح میں حضرت علامہ قاضی منتجب الدین رحمۃ اللہ علیہ جونیری اپنی کتاب مخزن الدلائل میں فرماتے ہیں کہ او یملک امره سبع سنین وامر الامامة وارشاد الناس والدعوٰة الی الله تعالیٰ

ترجمہ: یا مہدیؑ سات سال اپنے امر کے مالک رہیں گے اور امر سے مراد امامت' ارشاد خلق اور دعوت الی اللہ ہے''

(۳) قال لو لم یبق من الدنیا الا یوم یطول الله ذالک الیوم حتی یبعث الله فیه رجلا منی او من اهل بیتی یواطی اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی یملاء الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً (ابوداؤد)

ترجمہ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر دنیا کے ختم ہونے میں ایک ہی دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس ایک دن کو یہاں تک دراز فرمائے گا کہ اس میں ایک شخص مجھ سے یا میرے اہل بیت سے مبعوث فرمائے گا جس کا نام میرے نام کے اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا۔ زمین کو عدل وانصاف سے بھردے گا جیسا کہ ظلم وجور سے بھردی گئی ہے۔

(۴) عن عبدا لله بن عمرؓ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان المهدی من ولد الحسین یخرج من قبل المشرق لو اسقبلته الجبال لهدمها واتخذ فیها طرقا

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی حسینؓ کی اولاد سے ہیں مشرق کی طرف سے خروج کریں گے اور اگر پہاڑ بھی آپ کے سامنے ہوں گے تو آپ ان کو کاٹ کر راستہ نکال لیں گے (عقدالدرر)

(۵) عن ابی هریرة قال یبایع المهدی بین الرکن والمقام لا یوقظ نا ئماً ولا یوقف قاعداً

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ (آنحضرت صلعم) نے فرمایا کہ مہدی سے رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان بیعت کی جائے گی اور وہ نہ کسی سونے والے کو جگائیں گے اور نہ بیٹھے ہوئے کو اٹھائیں گے۔ (نعیم بن حماد کتاب الفتن)

(۶) عن عبد الله بن عطاء قال سئلت ابا جعفر محمد بن علی فقلت اذا خرج المهدی بای سیرة یسیر قال یهدم ما قبله رسول الله علیه وسلم ویستا ئف الاسلام جدید

ترجمہ: عبداللہ بن عطاء سے روایت ہے کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علی (امام محمد باقرؓ) سے پوچھا کہ مہدیؑ کس سیرت پر ظاہر ہوں گے۔ انہوں نے فرمایا کہ: اگلی بدعتوں کو دور کردیں گے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور اسلام کو ازسرنو تازہ

کردیں گے۔(عقدالدرر)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ **لا یترک بدعة الا ازالها و لا سنة الا اقامها**

ترجمہ: حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مہدی کسی بدعت کو بغیر دفع کئے اوسنت کو بغیر قائم کئے نہ چھوڑیں گے یعنی مہدی کی بعثت کا مقصد بدعتوں کا ازالہ اورسنتوں کا قیام ہے۔ بالفاظ دیگرا قامتِ دین ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

(۷) **عن عبد الله بن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لن تهلک امتی انا فی اولها و عیسیٰ ابن مریم فی اٰخرها و المهدیؑ فی وسطها** (مسنداحمد بن حنبل وغیرہ)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت ہرگز ہلاک نہ ہوگی کیونکہ میں خوداس کے اول میں ہوں اورعیسیٰ بن مریمؑ اس کے آخر میں ہیں اورمہدیؑ اس کے درمیان میں ہیں۔

مندرجہ بالا ارشادات حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہے کہ مہدیؑ اولا دفاطمہ سے ہیں۔ روشن پیشانی، بلند بینی والے، زمین کوعدل وانصاف سے بھرنے والے، سات سال تک اپنے امر کے مالک، ان کا ظہورایسا ضروری کہ دنیا کے ختم ہونے میں ایک دن بھی باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ ان کوضرورمبعوث فرمائے گا۔ مشرق سے خروج کریں گے۔ پہاڑ جیسی مشکلات بھی آپ کو روک نہ سکیں گے۔ رکن ومقام کے درمیان بیعت لیں گے جس میں جبروکراہ کودخل نہ ہوگا۔ بدعتوں کا ازالہ کر کے سنت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کوقائم کریں گے۔ مہدی کا زمانہ خروج وسط میں ہوگا۔

حضرت سید محمد جونپوری، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں والد کا نام سید عبداللہ تھا جن کوسلطان حسین شرقی نے ''سیدخاں'' کا خطاب دیا تھا آپ سلطان مذکور کے معتمد علیہ تھے۔ جونپور، ہندوستان اورعرب کے مشرق میں واقع ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعہ امانت نبوی حاصل کر کے خلق اللہ کوطلبِ دیدارخدا کی دعوت دی اور بے شمار طالبان مولیٰ کوولایت محمدیہ کے فیضان سے مستفید کیا۔ جون پور سے ہجرت کر کے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دعوت الی اللہ کرتے ہوئے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور ۹۰۱ھ میں حج بیت اللہ کے بعد رکن ومقام کے درمیان خلق اللہ سے مہدیت پر بیعت لی اور پھر ہندوستان واپس ہوکر ۹۰۳ھ میں احمد آباد میں اور ۹۰۵ھ میں بڑلی (پٹن) میں دعویٰ مہدیت کیا۔ سلطان محمود بیگڑہ والیٔ گجرات کے موسومہ مکتوب میں تحریر کیا کہ۔

''بہ فرمانِ خدائے تعالیٰ دعوتِ مہدیت اظہار کردیم وبران شاہد کلام اللہ واتباع محمد رسول اللہ آوردیم تا شمارا باید کہ تفحص کنید''

ترجمہ: ''ہم نے خدائے تعالیٰ کے فرمان سے مہدیت کا دعویٰ کیا ہے اوراس دعویٰ پرقرآن شریف اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کوگواہ لائے ہیں تا کہ تم سب اس دعوئ کی صداقت کی تحقیق کرو''

اس دعوے کے بعد سندھ سے گزرتے ہوئے فرہ (موجودہ افغانستان) تشریف لے گئے۔ اور ۱۹/ ذیعقدہ ۹۱۰ھ روز پنجشنبہ کووصال فرمایا۔ (مطبوعہ روزنامہ سیاست مورخہ ۷/ اگسٹ ۱۹۸۵ء)

عہدِ حاضراورمہدویت

عہد حاضرالکٹرانک دور کہلاتا ہے۔اس دور میں سائنس نے بے حساب ترقی کی ہے۔اور یہ ترقی دن دونی رات چوگنی ہوتی جارہی ہے۔لیکن یہ ساری ترقی مادّی ترقی ہے۔اس ترقی سے انسان کو عروج کا کوئی موقعہ نہیں ملا۔انسانی ماحول کی ہر چیز متحرک ہوگئی لیکن انسانی قدروں میں کچھ بھی ترقی نہیں ہوئی۔ بلکہ انسان کی عملی قوت گھٹنے لگی ہے روز بروز انسان کاہل اور مفلوج ہوتا چلا جارہا ہے۔ نفسیاتی حیثیت سے جذبات میں اختلال پیدا ہو چکا ہے۔ ہمدردی' مروّت' محبت' اخلاق' عدل وانصاف وغیرہ سب بے معنی الفاظ بن چکے ہیں۔سائنسی ترقی انسان کو تباہی کی طرف لے جارہی ہے۔ساری دنیا الکٹرانک جنگ کے نتائج کا اندازہ کر کے لرزہ براندام ہے۔مغربی ممالک اپنی اُفتاد کے اعتبار سے کوئی ایسا حل نکالنے سے قاصر ہیں جو انسانی فلاح کا راستہ دکھا سکے۔دنیاوی فلاح کا راستہ گم ہے تو پھر اُخروی فلاح کے بارے میں زمانہ حاضر کا انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔

اس صورت حال کے مقابلے میں مہدویت میں فلاح انسانی موجود ہے کیونکہ مہدویت اسلام کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ اسلام کے خاص خاص اصول جنہیں دنیا نے فراموش کر دیا تھا' مہدویت میں انہیں اُصولوں کا احیاء ہوا ہے۔ان اصولوں میں انسانی دنیاوی اور اُخروی فلاح موجود ہے۔اس لئے کہ ان اصولوں میں فطری جامعیت موجود ہے۔حضرت سید محمد جونپوری مہدی موعود علیہ السلام نے جن کا وصال بتاریخ ۱۹؍ ذی قعدہ ۹۱۰ھ بروز پنجشنبہ بمقام فرہ افغانستان ہوا' بہ حیثیت خاتم ولایت محمدی انسان کو مظہر حق بننے کے راستے پر گامزن کروایا۔اس مقصد کے لئے آپؑ نے قرآن مجید سے فرائض ولایت ظاہر فرمائے۔قرآن مجید نے حیات دنیا' اور حیات اُخروی دونوں کو واضح کر کے حیاتِ دنیا کے استغراق کی مذمت کی ہے۔مثلاً وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ دنیاوی زندگی کیا ہے یہ تو دھوکہ کی پونجی ہے۔(سورہ حدید آیت ۲۰) دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَزِیْنَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (سورہ حدید آیت ۲۰)

ترجمہ: جان لو کہ دنیا کی زندگی کھیل تماشہ' زینت ظاہری آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال واولاد میں ایک دوسرے سے زیادتی کا خواستگار رہنا ہے۔الخ (سورہ حدید) اسی کے ساتھ طالبانِ دنیاوی حیات کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا نُوَفِّ اِلَیْھِمْ اَعْمَالَھُمْ فِیْھَا وَھُمْ فِیْھَا لَا یُبْخَسُوْنَ o اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ (سورہ ہود آیت ۱۵'۱۶)

ترجمہ: جو شخص دنیا کی زندگی اوراس کی زینت کی خواہش رکھے تو ہم ان کے اعمال کا بدلہ پورا پورا اسی دنیا میں دیدیتے ہیں اوروہ

لوگ اس دنیامیں کچھ بھی گھاٹے میں نہ رہیں گے (لیکن) یہ لوگ وہ ہیں جن کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوااور کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں ان کا حکم حضرت موعود خاتم ولایت محمدیہ نے یہ بیان فرمایا کہ حیات دنیا کی محبت کوترک کرنا فرض ہے مخصوص معنوں میں خود انسان ہی ایک دنیا ہے اس لئے ترک حُب دنیامیں سب سے پہلے انسان کواپنے نفس کی محبت ترک کرنا ہے۔ بشری اور مادی زندگی کی اہمیت کوگھٹا دینا ہے۔ اس عمل سے سارے دنیاوی مناقشات ختم ہوجاتے ہیں اور انسان خدائے تعالیٰ کے قریب ہوجاتا ہے اس قرب کی وجہ سے اس کی حیات اُخروی فلاح وفوز سے ہمکنار ہوجاتی ہے جب ایک پورا معاشرہ اس نظام حیات کواختیار کرلیتا ہے توپوری سوسائٹی فلاح و بہبود اورامن وسکون کی حامل بن جاتی ہے۔ اور جب اس کووسیع بنیادوں پر ساری دنیا پر محیط کردیا جاتا ہے تو سارے انسان امن وسکون' مسرت وفلاح سے استفادہ کرنے لگتے ہیں۔ یہ شخصی مادی محبت کومٹا کر حضرت مہدیؑ نے حبِ الٰہی کولازمی قرار دیا ہے۔ کیونکہ قرب الٰہی کوآسان کردینے کے لئے اسی حب کی شدید ضرورت ہے۔ ونیز حب الٰہی کے اختیار کرنے کے بعد جب انسان خدا کے قریب ہونے لگتا ہے تواس میں حق کا ظہور ہوتا ہے اوراسی راستے پر چل کر وہ کمال انسانیت سے مشرف ہوجاتا ہے۔ اس حقیقت کوحضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام نے اسی طرح بیان فرمایا کہ انسان اسی دنیامیں خدا کا دیدار حاصل کرلیتا ہے۔ یعنی خدا کی مظہریت اسے اپنے وجود میں دکھائی دینے لگتی ہے ان مقاصد کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان ہرحالت میں خدا کویاد کرے' یادِ الٰہی کے لئے آپؑ نے ذکرِخفی کا طریقہ تلقین کیا۔ یہ ذکر سانس کے آنے جانے سے کیا جاتا ہے۔ اور جب ذاکر اس ذکر کا عادی ہوجاتا ہے تو اُسے ارادتاً ذکر کی ضرورت نہیں ہرسانس خود بخود حامل ذکرِ الٰہی ہوجاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خدا کی حضوری سے مشرف ہوجاتا ہے۔ جب پورا معاشرہ اس صفت سے متصف اوراس کیفیت کا حامل ہوجائے تو اس دنیا کے سارے الجھے ہوئے مسائل ختم ہوجاتے ہیں جو شخص خدا سے وابستہ ہے وہ اپنے ساتھی انسان سے کوئی حسد وعداوت رکھ نہیں سکتا۔ ایسے انسان کوزمین اور زر کی محبت قتل وغارت پرآمادہ نہیں کرسکتی۔ اوراس معاشرے میں عورت وہی بلند مقام حاصل کرلیتی ہے جواسلام نے اسے عطا کیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ ساری دنیا ایسے انسان کے لئے مسخر ہوجاتی ہے اوراسی کے ساتھ وہ آخرت کی فلاح وکامیابی سے ہمکنار بھی رہتا ہے۔ روحانیت کے وہ بلند مقام جوکسی زمانے میں بعض بعض افراد کوحاصل ہوتے تھے حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کی تعلیم کی وجہ سے وہ مقامات عالیہ تمام انسانوں کے لئے قابل حصول ہوگئے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے تمام ادنیٰ مقاصد کوانسان کی نظروں سے گرا کر تمام اعلیٰ منازل کوقابل حصول ٹھیرایا۔

اعلیٰ وادنیٰ کی تفریق کومٹا کر تمام انسانوں کوروحانیت کا حصہ دار بنایا۔ حضرت مہدی کی تعلیم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہایت درجہ کی عملی ہے۔ وہ ایسا فلسفہ نہیں ہے جومحض خیال کی بلند پروازی دکھاتا ہو۔ خود حضرت مہدیؑ کے زمانے میں اورآپ کے بعد آپ کے خلفاء وتابعین وغیرہ کے زمانوں میں ایسے دائرے قائم کئے گئے جہاں اصول مندرجہ بالا کی تربیت دی جاتی تھی اور بے شمار بندگانِ

خدا اُن تمام نعمتوں سے متمتع ہوتے تھے‘ جو اس نظام کے نتائج کے طور پر حاصل ہوتے تھے یہ دائرے شمالی ہند اور جنوبی ہند کے اکثر مقامات پر قائم کئے گئے۔ یہاں تک کہ سندھ‘ بلوچستان‘ افغانستان اور خراسان وغیرہ میں بھی ایسے دائرے پائے گئے۔ ان تمام آبادیوں میں شریعت اسلامیہ پر پورے پورے عمل کے ساتھ روحانی ترقی اور خدا وابستگی پر زور دیا جاتا تھا۔ ان دائروں سے اٹھنے والوں نے انسانی فلاح اور اسلامی سربلندی کے کارنامے انجام دیئے اور قرآنی مذمت کی وجہ سے حُب دنیا کے متوالے نہ تھے۔ اور اسی وجہ سے دنیا بھر کے لئے سلامتی‘ امن اور کامیابی کے پیامبر بن گئے جن کی وجہ سے دنیاوی واُخروی فلاح نصیب ہوسکی۔ آج بھی دنیا کو اسی پیام اور نظام کی ضرورت ہے۔

(مطبوعہ روزنامہ منصف مورخہ ۱۷؍اگسٹ ۱۹۸۴ء)

مخالفت کیوں......؟

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ ’’مہدیت‘‘ کی حقیقت سے بے خبر رہنے والے بھی‘ بڑی مستعدی سے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہیں اور خود ساختہ بنیادوں پر حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کی مہدیت سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن حق وصداقت کے طالبوں کو مندرجہ ذیل اُمور پر غور کرنے سے حضرت مہدی موعودؑ کے دعوے کی حقیقت سے آگاہی ہوجائے گی۔ واضح ہو کہ احادیث شریفہ ہی سے مسلمانوں کو بعثتِ مہدیؑ کا علم ہوا اور حدیثوں ہی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہدی خلیفۃ اللہ اور امام المسلمین ہے۔ تاریخ اسلام کے انتشاری دور میں طالبانِ حکومت واقتدار نے مہدی کے صاحبِ خلافت وامامت ہونے کی صفت سے فائدہ اٹھانا شروع کیا اور اپنے حق میں حدیثیں وضع کروانے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ احادیث مہدی کا ایک انبار سا لگ گیا۔ اور صحیح روایات ان ہی میں گم ہوگئیں۔ احادیث مہدی اخبار مغیبہ ہیں اس لئے فقہاء امام نے ان کی طرف توجہ نہیں کی۔ ان احادیث کی تنقیح جیسی چاہئے نہ ہوسکی۔ ان کا تعارض ایسا ہے کہ توفیق وتطبیق کی سعی لاحاصل ہے بلحاظ تواتر صرف بعثتِ مہدی کا ثبوت ملتا ہے اور یہی کافی سمجھا گیا۔

بہت کم مسلمان اس حقیقت سے واقف ہیں اور اپنی بے خبری سے مہدی موعودؑ میں ایسی علامتوں کے دیکھنے کے طلب گار ہیں‘ جو محققین کے پاس معتبر نہیں۔ عوام تو عوام بعض خواص نے یہاں تک مطالبہ کیا کہ مہدی موعود میں وہ تمام علامات پائی جانی چاہئیں جو احادیث میں مذکور ہیں۔ (چاہے یہ علامات متضاد ہی کیوں نہ ہوں) ان لوگوں نے تواتر کو فراموش کردیا۔ ہر ایک علامت کے لئے خبر واحد کو معتبر ومفید قرار دے لیا۔

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ طالبان اقتدار نے کسی ایک حدیث مہدی پر اپنے دعوے مہدیت کی بنیاد رکھی اور

مسلمانوں کو دولت واقتدار کا لالچ دے کر اپنے طرف جمع کیا اور اسلامی حکومتوں میں اختلال پیدا کر کے کبھی اپنی حکومتیں قائم کرنے میں کامیاب بھی ہوئے لیکن بیشتر تو مقتول ومصلوب ہوئے۔ اس طرح عقیدۂ مہدیت صدیوں طالبانِ جاہ ومنصب' دنیا ودولت کا تختۂ مشق بنا رہا۔ لیکن سب سے بڑی خامی یہ ہوئی کہ عوام کے ذہنوں میں تصورِ مہدی سلطان عالم' سپہ سالار اعظم' حکمرانِ عادل جواد وباذل کی صورت میں متشکل ہوا۔ آج کے مسلمانوں کے اذہان میں مہدی کا تصور مذہبِ دین نہیں بلکہ تاریخ مہدیت کے ارتقاء کا نتیجہ ہے۔

حضرت سید محمدؑ (جونپوری) کے دعوے مہدیت کی حقیقت یہ ہے کہ آپؑ نے فرمان باری تعالیٰ کی بنیاد پر اپنے مہدی موعود کا دعویٰ کیا نہ کہ احادیث کی بنیاد پر۔ اس لئے آپؑ کی مہدیت کی تحقیق میں اسی بنیاد کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے لیکن بحث کرنے والوں سے یہی غلطی ہوجاتی ہے کہ وہ اس اساس کو فراموش کر دیتے ہیں۔

آپ کی صداقت کی جانچ آپؑ کی اتباع شریعت سے ہوسکتی ہے آپؑ کا ارشاد مشہور ہے ''مذہب ما کتاب اللہ واتباع محمد رسول اللہ'' ونیز آپؑ کے اخلاق عالیہ آپؑ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ آپؑ کی پاکیزہ سیرت آپؑ کی پاک حیات کا مطالعہ طالب حق کے لئے روشن مینار ہے۔

جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے کہ آپؑ نے اپنی مہدیت کے ثبوت میں کسی حدیث کو دلیل نہیں بنایا۔ بلکہ احادیث کے پیش نظر بحث کرنے والوں سے فرمایا کہ ''جو حدیث کتاب اللہ اور بندہ کے حال کے موافق ہو وہی صحیح ہے'' اس طرح کتاب اللہ (قرآن شریف) کے ساتھ ساتھ اپنی پاک ذات کو احادیث کی جانچ کی کسوٹی قرار دیا کہ خود کو مصداقِ احادیث ظاہر کیا۔

آپؑ کی مہدیت کی حقیقت یہ ہے کہ آپ خاتم ولایت محمدیہ ہیں اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی نام نہاد مدعیانِ مہدیت کو ہوا بھی نہ لگی' اور یہی وہ حقیقت ہے جس کے ظہور کے حضرات محققین صوفیاء ہمیشہ مشتاق رہے۔ اور یہی وہ حقیقت ہے کہ بعثتِ مہدیؑ کا عقیدہ رکھنے والا مسلمان اس سے بالکل ناآشنا ہیں۔ یہی ہمیشہ معترضین کی نظروں سے اوجھل رہی ایسے میں حضرت سید محمد (جون پوری) کی مہدیت پر کوئی اعتراض کیا جائے تو وہ بے حقیقت متصور ہوگا۔

آپؑ قاسم فیضانِ ولایت محمدیؐ ہیں۔ یہ طالبان مولیٰ کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ آپؑ کے توسط سے حضرت افضل الانبیاء وخاتم المرسل محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولایت مخصوصہ سے بہرہ مندی نصیب ہوتی ہے۔

آپؑ حقائق واسرار قرآن کے بیان پر مامور ہیں تاکہ مخلوق مراد اللہ معانی قرآن سے آگاہی حاصل کرے۔ اور باطن قرآن کا کشف نصیب ہو۔

ولایت محمدیہؐ سے بہرہ حاصل کرنے کے لئے آپؑ نے وہ احکام وبیان ظاہر فرمائے جو کتاب مسطور تھے۔ ان احکام کی تبلیغ کے لئے آپؑ نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور تیئیس (۲۳) سال تک ہندو بیرون ہند کے اہم مقامات پر پہنچ کر تبلیغ کا فریضہ پورا کیا

آپ کا عظیم کارنامہ یہ تھا کہ آپؑ طالبوں کے ’’حدوث‘‘ کو اپنے دم پُر از اسرارِ قدم سے دور فرمایا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ طالبانِ حق ایک دم یا دو دم یا تین دم میں واصل بحق ہوجاتے تھے۔ اولیائے اُمّت میں یہ صفت ایسی عمومیت کے ساتھ نہیں دیکھی گئی۔ ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپؑ حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر مامور تھے۔ محققین آپؑ کی اس خصوصیت سے آگاہ ہوجائیں تو ہی آرزو کریں کہ کاش ہم بھی حضرت سید محمدؑ کے عہد بابرکت میں ہوتے اور ولایت محمدؑ کے فیضان سے بہرہ حاصل کرتے۔ آپ کا مقصد اعظم طالبوں کو مشکواۃ محمدیہؐ کے ذریعہ چشم سر سے دار دنیا میں دیدار حق کروانا تھا۔ یہ وہ نصب العین ہے جس کے اظہار کا حکم حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو ہوا تھا۔ **قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی** ۔(سورہ یوسف آیت ۱۰۸) ترجمہ: کہدو (اے محمدؐ) کہ یہ میرا راستہ ہے میں خدا کی طرف دیدار کے لئے بلاتا ہوں میں اور وہ جو میری اتباع (تام) کرے گا۔ آنحضرت ﷺ کے مقاصد تبلیغ میں دیدار حق کی دعوت بھی تھی جو آپؐ کے عہد میں مخصوص رہی اور حضرت مہدی موعودؑ کے زمانے میں عام ہوئی۔ مندرجہ بالا امور پر غور کرنے کے بعد امید ہے کہ اہل مخالفت اپنی مخالفت سے باز آجائیں گے۔

(مطبوعہ ہفت روزہ ’’نغمۂ حیات‘‘ ۱۴؍جون ۱۹۷۳ء میلاد سپلیمنٹ)

ہلال

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (اے محمدؐ آپؐ سے ہلالوں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ (آپؐ) کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں کے لئے اور حج کے مقررہ اوقات ہیں)

آیت شریفہ میں اَھِلَّۃ ہلال کی جمع ہے۔ اور ہلال اس چاند کو کہتے ہیں جو قمری مہینے کی ۲۹؍ یا ۳۰؍ کو نظر آتا ہے بلکہ دوسری اور قمری تاریخ تک بھی اسے ہلال ہی کہتے ہیں۔ اور اس کے بعد قمر۔ ہر قمری مہینہ کا آغاز رویت ہلال سے ہوتا ہے اور دوسرے ہلال تک ایک مہینہ شمار کیا جاتا ہے۔

آیت مذکورہ میں مَوَاقِیْتَ میقات کی جمع ہے اور اس سے مراد ایک مقررہ وقت یا میعاد ہے۔ دو ہلالوں کے درمیان کی مدت یا میعاد ایک مہینہ کہلاتی ہے۔ اسطرح ہلال کے ذریعہ مہینوں کا شمار ہوتا ہے۔ یہ مہینے کبھی ۲۹ دن کے اور کبھی ۳۰ دن کے ہوتے ہیں جیسا کہ خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن ابن عمر ...... الشھر ھکذا فھکذا یعنی مرۃ تسعۃ عشرین و مرۃ ثلثین (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ...... مہینہ کبھی اس طرح اور کبھی اس طرح ہوتا ہے یعنی کبھی

۲۹ (دن) اور کبھی (۳۰) دن کا''

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دنوں دستِ مبارک کی دسوں انگلیاں کھول کر تین دفعہ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مہینہ ایسا ہوتا ہے (تین مرتبہ دس یعنی ۳۰ دن کا) پھر ایک انگشت مبارک کو بند کرتے ہوئے فرمایا '' اور ایسا'' (یعنی ۲۹ دن کا) یہ تشریح ترمذی شریف کی روایت میں موجود ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت شارع علیہ السلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب وہ نیا چاند (ہلال) دیکھیں تو اس طرح دعا کریں۔

عن طلحة بن عبيد الله ان النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا رأى الهلال قال اَللّٰهُمَ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّىْ وَرَبُّكَ الله

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مہینے کا چاند دیکھتے تو اس طرح دعا کرتے۔ ''یا اللہ یہ چاند ہمارے لئے امن اور ایمان اور سلامتی واسلام کا چاند ہو۔ اے چاند تیرارب اور میرارب اللہ ہے''

یعنی اے اللہ! اس نئے چاند سے جو مہینہ شروع ہو، وہ ہمارے لئے امن وایمان اور سلامتی اسلام کا حامل ہو، اگر فضل ورحمتِ الٰہی شامل حال رہے تو سارا مہینہ برکت سے معمور ہوگا۔ (خدانخواستہ) اگر ناراضی وغضب الٰہی کا نزول ہو تو سارا مہینہ کلفت سے بھرپور ہوگا۔ مطلب یہ کہ خود مہینہ سعد ونحس نہیں ہوتا بلکہ خدا کی رحمت یا ناراضی سے مسعود یا منحوس ثابت ہوتا ہے۔ پس انسان کو چاہئے کہ خیر اور بھلائی کا خواستگار ہو، اور اسی خیر اور بھلائی کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت جامع الفاظ ''امن' ایمان' سلامتی اور اسلام'' میں بیان کر دکھایا ہے۔

عبدالحق محدث دہلوی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ہم آفاتِ نفس اور مخافاتِ دہر سے مامون ومصئون رہیں اور ہمارا ایمان ثابت رہے۔ قلب کو سلامتی حاصل ہو۔ اور ہمارے ماحول مطابق اسلام رہیں۔ یعنی نئے چاند سے جو مہینہ شروع ہو رہا ہے وہ ثباتِ ایمان اور تعمیل احکام اسلام کی توفیق کا حامل ہو۔ کیونکہ یہی چیزیں نعمتوں کا مستحق بناتی ہیں (اشعۃ اللمعات جلد ثانی صفحہ ۲۹۲)

اس دعائے شریفہ کا آخری فقرہ کہ ''اے چاند' میرا اور تیرارب اللہ ہی ہے'' نہایت معنی خیز ہے۔ اس میں مشرکین کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ چاند بھی ایک دیوتا ہے بلکہ حضرت سرورکائنات علیہ السلام نے یہ اعلان فرمایا کہ چاند اللہ کی صرف ایک مخلوق ہے۔ جس طرح ہمارا رب اللہ ہے اسی طرح چاند کا رب بھی اللہ ہی ہے جس طرح ہم سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اسی طرح چاند بھی اللہ ہی کی ایک مخلوق ہے۔

حضرت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے رویت ہلال کی ایک اور دعا بھی منقول ہے جو ایک خاص بصیرت کی حامل ہے۔

و هو هذا: ''عن قتادة بلغه ان رسول الله كان اذا راى الهلال قال هلال خير ورشد هلال

خیر ورشد آمنت بالذی خلقک ثلاث مرات ثم یقول الحمد لله الذی ذھب بشھر کذا وجآء بشھر کذا“

ترجمہ: قتادہ کہتے ہیں کہ ان کو یہ روایت پہنچی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا چاند دیکھتے تو تین مرتبہ فرماتے۔ ”(یہ) خیر وبرکت اور رشد وہدایت کا ہلال ہے۔ پھر تین ہی دفعہ فرماتے کہ میں اُس (خدا) پر ایمان لایا جس نے (اے چاند) مجھے پیدا کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ ساری تعریف اسی اللہ کے لئے (سزاوار) ہے جس نے فلاں مہینے کو ختم کیا اور جو فلاں مہینے کو لایا“

اس دعائے بلیغ کے فقرہ ”ہلال خیر ورشد“ (بھلائی اور ہدایت کا نیا چاند) کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ایک تو یہ کہ یہ نیا چاند بھلائی اور ہدایت سے معمور ہے۔اس میں مشرکین کے عقیدے کے مطابق نحوست یا کلفت بالکل نہیں ہے۔اب جو نیا مہینہ شروع ہوگا‘ وہ بھلائی اور ہدایت کا حامل ہوگا‘ اس میں کوئی نحوست نہیں ہوگی۔

دوسرا مطلب یہ کہ اے اللہ یہ نیا چاند جس کے نمودار ہونے سے نیا مہینہ شروع ہو رہا ہے‘ اس مہینے میں ہمیں خدا کی طرف سے خیر ورشد کی توفیق نصیب ہو اور یہ نیا چاند رحمتِ الٰہی کی دلیل وعلامت بن جائے۔

اب رہا یہ کہ ہلال آیات الٰہیہ میں سے ہے‘ اس بات کے جاننے کے لئے آیتِ ذیل پر غور کرنا چاہیے۔

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَاب

ترجمہ: یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لئے نشان ہے“ سماوات میں ہلال (قمر) بھی داخل۔

پھر آپؐ نے ہلال کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اس خدا پر ایمان لا چکا ہوں جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ یہ فقرہ بھی اسرار ومعانی کا گنجینہ ہے۔سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال کو مخاطب کیا ہے۔اور اپنا ارشاد سنایا ہے۔حالانکہ چاند‘ زمین سے دو لاکھ ۳۹ ہزار میل (تقریباً) دور ہے۔لیکن حضرت رسول عالمین صلعم کے لئے یہ فاصلہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ معراج کے موقعہ پر آپؐ ساتوں آسمانوں اور کواکب سے گزرتے ہوئے فلک الافلاک سے پرے عرشِ اعظم پر پہنچ کر خالقِ کائنات کی ملاقات سے مشرف ہو چکے ہیں۔ عظیم الشان کواکب سماوی آپ کی گردِ راہ بن چکے ہیں اُن سب کے مقابل قمر اور زمین کا کیا شمار؟ لیکن اس چھوٹے سے کُرّہ کی یقیناً خوش بختی تھی کہ حضرت افضل الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنی مخاطبت سے مشرف فرمایا۔

آپ نے چاند سے فرمایا کہ میرا اُس خدا پر ایمان ہے جس نے تجھے بھی پیدا کیا ہے۔یعنی تو اُسی خدا کی ایک مخلوق ہے جو اس کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا خالق ہے۔اپنے وجود اور عمل کے لئے تو بھی اسی خدا کا اسی طرح محتاج ہے جس طرح ہم سب خدا کے محتاج ہیں۔

چاند کے مخلوق اور مربوب ہونے کا ہر بار اس لئے اعلان کیا گیا کہ مبادا کوئی اسے مسبب نہ سمجھ لے۔ جیسا کہ عرب کی صابئی قوم (ستارہ پرست قوم) کرتی تھی۔

اس کے بعد آپؐ خدائے یکتا ویگانہ قادر ومقتدر کی حمد وثنا کرتے کہ اسی کے فضل وکرم سے فلاں مہینہ' اپنے تمام احوال کے ساتھ گزر گیا اور اب فلاں مہینہ اسی قدرت وتدبر سے آ پہنچا ہے جس میں خیر وبرکت' رشد وہدایت مالک دو جہاں اپنے بندوں کو عطا کرے۔

المختصر یہ کہ نئے چاند سے انسانی زندگی کا ایک نیا سفر شروع ہوتا ہے' اس موقعہ پر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ ایک مسلمان اپنے رب سے ایمان' اسلام' رشد وہدایت کی درخواست کرے تا کہ نئے مہینے میں اسے رضائے حق حاصل ہو۔

رویتِ قمر کے سلسلے میں خاتم ولایت محمدیہؐ حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کا کلام بھی ہدایت مشحون ہے۔ چنانچہ نقل ہے۔

حضرت میراں علیہ السلام فرمودند که خلق ما ہ رامی بیند وخوشی می کنند نه نباید که ایشان خوشی کنند می باید که ایشان زاری کنند و افسوس خودند که عمر ضائع رفت موت نزدیک شد۔ بر ذات خود چرا ملامت اوستغفار نمی کنند۔ چرا تائب نمی شوند هوشیار بایدشد که حال عاقبت ماچه خواهد شد۔ (حاشیہ شریف صفحہ ۱۱۷)

ترجمہ: حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا کہ مخلوق چاند کو دیکھتی ہے اور خوشی کرتی ہے۔ انہیں خوشی نہ کرنا چاہئے (بلکہ) زاری کرنا چاہئے اور افسوس کریں کہ عمر ضائع گئی موت نزدیک ہوئی۔ کیوں اپنی ذات پر ملامت نہیں کرتے؟ اور توبہ کرتے؟ کیوں تائب نہیں ہوتے؟ ہوشیار رہنا چاہئے کہ ہمارا انجام کیا ہوگا!

اس ارشادِ ہدایت بنیاد کو غور سے پڑھئے آپ کو اس شفقت ورافت کا احساس ہوجائے گا جو حضرت امام آخر الزماں علیہ السلام کے دل میں مخلوق خدا کے لئے موجود تھی۔

اگر چہ نقل شریف میں لفظ''ہلال'' استعمال نہیں ہوا بلکہ لفظ''ماہ'' مذکور ہے تاہم اس سے اصل مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ فارسی میں ہلال کے بجائے ماہ نو استعمال کرتے ہیں۔ مخلوق میں ایسے انسانوں کی کثرت ہے جو ماہ نو کو دیکھ کر خوشیوں کا اظہار کرتے اور سمجھتے ہیں کہ ان کی عمر کا اعلان کر رہا ہے اور کثرت ایسے ہی افراد کی ہے جن کی زندگی انہماک دنیا اور غفلت عن الحق میں گزرتی ہے اور وہ انجام کے بارے میں کبھی غور نہیں کرتے۔ اگر وہ ہوشیار ہوجائیں تو محسوس کریں گے کہ انہوں نے انسانی تخلیق کے مقصد کو بھلا دیا ہے۔ قرآن بتلاتا ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ

ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (سورہ ذاریات)

پس مقصدِ تخلیق ''عبادت'' ثابت ہوا۔ لیکن عبادت کے لفظ سے معروف عبادتیں جیسے نماز' روزہ اور حج وغیرہ ہی مراد لئے جاتے ہیں اور انکی ادائی کے بعد جو بھی وقت بچ جائے اس میں خواہش نفس کی پیروی میں مصروف دیکھا جاتا ہے' حالانکہ اسلام پوری انسانی زندگی پر حاوی ہے۔ انتہا یہ کہ موت تک معبود حقیقی کے لئے ہونی چاہئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں واضح کیا گیا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ترجمہ: کہہ دو میری نماز اور میری قربانی' میرا جینا اور مرنا اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔(سورہ انعام)

الغرض اسلام کی یہ تعلیم' کسی باہوش انسان کے پیش نظر رہے اور وہ اپنی گذشتہ زندگی پر نظر ڈالے' گزرنے والے مہینوں پر غور کرے تو وہ یہی دیکھے کہ اس کے اوقاتِ زندگی معیاد حیات سب کے سب ضائع ہو چکے ہیں۔ایسی حالت میں باضمیر انسان اپنی ذات پر ملامت کرے گا۔اعمال گذشتہ کے لئے جناب باری تعالیٰ میں مغفرت طلب کرے گا۔تائب ہو جائے گا۔اور توبہ کر کے آئندہ غفلت میں مبتلا نہونے کا عزم مصمم کرے گا تا کہ اس کا انجام بہتر ہو۔ایسا ہی حساس اور صاحب ضمیر فرد؛ جس نے عمر گذشتہ کی تضیع کا احساس کر لیا ہے' تلافیٔ مافات کے طور پر جب بھی نیا چاند دیکھے گا تو حق تعالیٰ سے ایمان واسلام' امن وامان' رشد و بھلائی کی درخواست کرے گا تا کہ آنے والے مہینے میں وہ صراط مستقیم پر حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گامزن رہے۔اور غفلت شعاروں میں اس کا شمار نہ ہو۔

(ماہنامہ ''مہرولایت'' بابتہ اگسٹ ۱۹۸۳ء)

اصحابِ کرامؓ

اصحاب کرامؓ سے مراد وہ بزرگ افراد ہیں جو آنحضرت ﷺ کی صحبت بابرکت سے مشرف ہوئے تھے۔اور حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے بھی اُن ہستیوں کی عظمت و منزلت بیان کی ہے۔

نقل :نقلست کہ بزرگی' اصحاب رسولؐ حضرت مہدیؑ چندیں بیان کردند کہ '' ایشان سرورانِ دین ومصاحبانِ رسولؐ بودند وبرابر ایشاں ہیچ کس نباشد اگرچہ اکمل باشد ولکن بدیں مرتبۂ بینائی نبودند چنان کہ خاتم الاولیاء بودند چرا کہ بار امانت تمام ہمیں دو تن ادا کردند یکی خاتم النبیؐ دوم خاتم الولیؑ''

ترجمہ:نقل ہے کہ حضرت مہدیؑ نے اصحاب رسول کی بزرگی ایسی بیان کی کہ یہ دین کے سردار اور رسول ﷺ کے مصاحبین تھے اور کوئی شخص ان کے برابر نہ ہوگا۔اگر چہ کہ وہ اکمل ہو۔ولیکن خدا کی بینائی کے مرتبے میں ایسے نہ تھے جیسے کہ خاتم الاولیاء تھے۔اس لئے کہ بارامانت کامل طور پر یہی دوتن ادا کئے ایک تو خاتم النبی ﷺ دوسرے خاتم الولی......(صفحہ ۳۱۶' انصاف نامہ مطبوعہ اشاعت اول)

اس نقل میں سب سے پہلے اصحابِ رسولؐ کی عظمت و بزرگی بیان ہوئی ہے۔اور یہ بزرگی کتاب اللہ (قرآن شریف) سے بھی مبرہن ہے۔اور یاد رہے کہ قرآن مجید کے اولین مخاطب صحابہؓ کرام ہی تھے۔

ارشاد باری ہورہا ہے۔ **یایھا الذیا امنوا...... ھو اجتبکم و ما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم. ھو سمکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیدا علیکم وتکونو شھداء علی الناس** (سورہ حج آیات ۷۸)

ترجمہ: اے مومنو۔اللہ نے تم کو چُن لیا (منتخب کرلیا) اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔اور (تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین پسند کیا۔اسی نے پہلے (پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس کتاب میں بھی وہی نام رکھا ہے تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد رہو۔‘‘

کتاب اللہ سے صاف طور پر ظاہر ہورہا ہے کہ صحابۂ رسولؐ وہ نفوس قدسیہ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رسولؐ کی صحبت کے لئے اور دین کی اشاعت کے لئے چن لیا تھا۔وہ خداوند قدوس کے منتخبہ تھے۔یہی وہ ہستیاں ہیں جن کے لئے حق تعالیٰ نے اپنے خلیل یعنی ابوالانبیاء ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریق پسند فرمایا۔اور یہی وہ بزرگوار ہیں جو کتب سابقہ میں مسلمانوں کے نام سے مذکور ہوئے اور قرآن شریف میں اولین مسلمین یہی ہیں۔حق جل شانہ نے صحابہؓ کو شاہد علی الناس کا منصب بھی دیا۔شہادت کا یہ مقام نہایت ارفع واعلیٰ ہے اور شاہد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان میں کامل درجہ کی صفت عدالت پائی جائے اور وہ ہر طرح کے فسق وفجور کے شائبہ سے پاک ہوں ورنہ جو خود غیر عادل ہو وہ دوسروں کے لئے شاہد عدل کیسے بن سکتا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ ان میں شہادت اعلیٰ معیار پر ہو۔

آیت شریفہ میں بھی بیان ہورہا ہے کہ صحابہ کرام کے ایمان اور اُن کی عدالت کی گواہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول علیہ السلام کو اُن پر شاہد مقرر کیا اور صحابہ کرام کو اپنے بعد آنے والے تمام مسلمانوں کے ایمان کے لئے شاہد مقرر کیا۔غرض اپنی اس حیثیت میں صحابہ تمام امت میں مخصوص ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی عملی اور پاک زندگی ایسی تھی کہ خود حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایک گواہی اس پر ثبت کردی تاکہ قیامت تک ایک دلیل محکم بنی رہے۔چنانچہ کتاب اللہ میں ارشاد ربانی ہورہا ہے کہ۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (آل عمران)

ترجمہ: تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو خیر امت قرار دیا ہے اور بتلایا ہے کہ ان کا کام یہی تھا کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے اور بُرائی سے روکتے تھے۔صحابہ معروفات پر خود عمل کرتے اور منہیات سے دور رہتے تھے۔یہ اوصاف اُن میں ثابت ہوگئے اسی لئے قرآن نے مخصوص طور پر اس کا ذکر کیا ہے۔

اس آیت کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

''اگر خدا چاہتا تو اس طرح بھی فرما سکتا کہ'' انتم خیر امة ''لیکن اللہ پاک نے کنتم خیر اُمة فرمایا۔اس طرح یہ آیت اصحاب کے لئے خاص ہوگئی جو لوگ اصحاب کرام جیسے عمل کریں گے وہ بھی خیر امت میں شامل سمجھے جائیں گے۔لیکن اصحاب کرام خیر امت قرار پا چکے۔فرمان الٰہی کے ذریعہ۔

چونکہ اصحاب رسولؐ امر بالمعروف کرتے تھے یعنی افراد امت کو نیکی پر چلنے کی تاکید کرتے اور بُرائی سے روکتے تھے۔اس لئے سرورانِ دین سرداران اُمت قرار پائے۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ صاحبان عدالت تھے اس لئے ان کے اعمال عدل وانصاف پر مبنی تھے۔اُن میں ظلم اور کفر کا شائبہ تک نہ تھا۔اور ساری امتوں میں وہ خیر کہلائے۔گذشتہ اور آنے والی امتوں کے لئے شاہد قرار دئے گئے۔غرض اپنے عمل کی بناء پر اُن کو دین کی سرداری نصیب ہوئی اور امام آخر الزماںؑ نے بھی ان کی بہتری اور برتری کی گواہی دی۔

اس نقل شریف میں اصحاب رسولؐ کی ایک اہم خصوصیت ظاہر کی گئی ہے اور وہ خصوصیت مصاحبتِ رسولؐ ہے اور حقیقتاً صحابہ کرام، وہ خوش قسمت حضرات تھے جنہوں نے جیتے جی اپنی ظاہری آنکھوں سے سلطان الانبیاء ﷺ کو دیکھا اور اپنے کانوں سے آپؐ کے کلام کو سنا، پھر اپنی خداداد دانش سے اس کلام کو سمجھا اور اپنا ہاتھ حضور کے دست مبارک میں دے کر بیعت کی اور ایمان سے مشرف ہوئے اور حق تعالیٰ نے خاتم الانبیاء کے ذریعہ صحابہ کرام کو مخاطب کیا اور کلام الٰہی کے یہ اولین مخاطب بن گئے۔رسول علیہ السلام کی صحبت ومعیت سے ان کا باطن نورانی ہوگیا۔اور وہ قرب ربانی سے مشرف بھی ہوئے۔یاد رہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد کو ''خیر القرون'' فرمایا ہے۔اور یہ تمام بزرگوار اسی مبارک عہد میں سانسیں لیتے تھے۔صحبت رسولؐ سے مستفید ہونا اُن کی منفرد خصوصیت اور خوش قسمتی تھی جو بعد میں آنے والوں کو نصیب نہیں ہوئی۔اور اچھی صحبت کے فوائد میں حضرت رسول مکرم ﷺ نے ایک تمثیل بھی بیان فرمائی ہے۔چنانچہ مشکواۃ میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ صحبتِ صالح کی مثال مشک والے کی سی ہے اور بد کی (یعنی بُری صحبت کی مثال) بھٹی دھونکنے والے کی سی (ہے) مشک (بیچنے) والا تم کو مشک دے گا یا تم اُس سے خرید لو گے۔ورنہ کم سے کم اُس کی عمدہ خوشبو سے فائدہ تو ضرور اُٹھاؤ گے اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلا دے گا یا اُس کی بدبو تمہارے دماغ کو پراگندہ کردے گی۔(بخاری ومسلم)

غرض اچھی صحبت کے فوائد میں حضرت سرور دو عالم ﷺ کا بیان ایک عالمگیر حقیقت ہے اور عالمی دانشوروں نے اسی حقیقت کو اپنے اپنے الفاظ میں دہرایا بھی ہے۔چنانچہ ہندی زبان کے شاعر کبیر داس کہتے ہیں۔

کبیر سنگت سادھو کی جیوں گندھی کا باس
جو کچھ گندھی دے نہیں ، تو بھی باس مباس

مطلب: اے کبیر سادھوسنت کی صحبت عطر فروش کی بو کے مانند ہے۔ اگر عطر فروش تجھے کچھ عطر نہ بھی دے تب بھی جو بوآتی ہے وہ خوشبو ہی ہوتی ہے۔ سعدیؔ شیرازی فرماتے ہیں۔

گلے خوش بوئے در حمام روزے — رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے نا چیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم

جمالِ ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہمسان خاکم کہ ہستم

(گلستان)

ترجمہ: (۱) ایک خوشبودار مٹی حمام میں ایک دن ایک محبوب کے ہاتھ سے مجھ کو ملی
(۲) میں نے اس سے کہا کہ تو مشک ہے یا عبیر ہے کہ تیری دلکش خوشبو سے میں مست ہوگیا ہوں۔
(۳) تو اُس نے کہا کہ میں ایک ناچیز مٹی تھی مگر مدت تک پھول کے ساتھ میری صحبت رہی۔
(۴) تو میرے ہم نشین کی خوب صورتی نے مجھ میں اثر کیا نہیں تو میں تو وہی خاک ہوں جیسی کہ پہلے تھی۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نور ولایت'' ۲۵واں میلاد مہدی موعودؑ نمبر ۲۰۰۳ء)

نصرتِ دین محمد ﷺ

حضرت سید محمد جون پوری مہدی موعود علیہ السلام حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد سے ہیں۔ حضرت امامؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے درمیان بارہ پشت ہیں۔ حضرت امامؑ کے جد محترم ایران (شیراز) سے دہلی آئے پھر سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے دور حکومت میں جون پور تشریف لائے۔ آپ کے ایک فرزند میراں سید عبداللہ کو سلطان حسین شرقی نے سید خاں کا خطاب دیا۔

میراں سید عبداللہ نے سلطنت جون پور کے ایک امیر قیام الملک کی ہمشیرہ سیدہ آمنہ سے عقد فرمایا۔ میراں سید عبداللہ المخاطب بہ سید خاں کو حق تعالیٰ نے دو فرزند عطا فرمائے۔ فرزند کلاں سید احمد اور دوسرے سید محمد۔ میراں سید محمد نے سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ فرمالیا اور بارہ سال کی عمر میں علوم مروجہ میں درجۂ فضیلت حاصل کرلیا۔ آپ کے تبحر علمی کا یہ حال تھا کہ جون پور شیراز ہند کے علماء نے آپ کو اسد العلماء سے مخاطب کیا۔ اسی اثناء میں حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت افضل الانبیاء خاتم

المرسلین ﷺ کی طرف سے امانت ذکرخفی آپؑ کے حوالے کی۔حکمِ خدااور رسولؐ کے مطابق آپ طالبانِ حق کومستفیض کرنے لگے۔

علم ظاہری میں آپؑ کا مقام عالی معجزانہ نوعیت کا حامل تھا۔اسی لئے آپ کی علمی ضیا پاشیوں سے چاردانگ عالم جگمگا اٹھا۔آپؑ نے ببانگِ دہل ارشادفرمایا کہ

''**ہیچ آیت قرآن منسوخ نیست**''(نقلیات میاں عبدالرشیدصفحہ ۶۵)یعنی قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

اس اعلان کی اہمیت اس وقت واضح ہوتی ہے جب کہ معلوم ہوتا ہے کہ علمائے اسلام میں سے بعضوں نے قرآن حکیم کی ۵۰۰ آیتوں کومنسوخ مان لیا تھا پھر چھٹی صدی ہجری میں قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بہ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ نے ۲۰ آیتوں کومنسوخ تسلیم کیا تھا۔غرض ایسے تمام علماء کے برخلاف آپؑ نے فرمایا کہ کتاب اللہ کی کوئی بھی آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ قابل عمل ہے قیامت تک رہے گی۔

یہ وہ دورتھا جب کہ حدیث رسولؐ کے ساتھ انتہائی بے اعتنائی روارکھی جاتی تھی۔شیخ نظام الدینؒ اولیاء دہلوی فرماتے ہیں کہ علمائے دہلی حدیث سننا تک نہیں چاہتے تھے بلکہ حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں فقہی روایت کوترجیح دیتے تھے۔علمائے وقت کے مکابرے اورعنادکی آپؒ نے سخت مذمت فرمائی ہے۔ان حالات میں حضرت سید محمد جون پوری مہدی موعودعلیہ السلام نے نصرت دین کے لئے اعلان فرمایا کہ **مذهب من کتاب الله واتباع رسول الله است**(ترجمہ)میرامذہب اللہ کی کتاب اوررسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے۔آپ کے اس ارشاد سے حدیث رسول ﷺ کی اہمیت اوراس کی اتباع کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

جون پورمیں آپؑ کےفیض باطنی کا وہ چرچا ہوا کہ آپ ''سیدالاولیاء'' سے موسوم ہوئے اورآپؑ نے مسلمانوں کوسمجھایا کہ جب تک کلمہ توحید(لا الٰـه الا اللّٰـه) کی فہم اوراس کے تقاضے میں فنائیت حاصل نہ ہوزبانی اقرار برائے نام رہ جاتا ہے۔حقیقی مسلمان وہی ہوتا ہے جو لا الـه الا الله کا سراپا بن جاتا ہے۔اس کا حصول ذکرخفی سے ہوتا ہے۔مزید برآں آپ نے حُبِّ الٰہی پر زوردیا اورمسلمانوں کوہدایت دی کہ وہ عشق الٰہی میں اس قدرترقی کریں کہ اپنے رب کے جمال بے مثال سے مشرف ہوجائیں۔ آپؑ نے طبقاتی تفریق کو جائزنہیں رکھا بلکہ ہرطالب صادق کوولایت محمدی ﷺ کے فیضان سے مشرف فرمایا۔عوام کی اس تعلیم کے سوا بادشاہ وقت سلطان حسین شرقی کو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دی۔اورمحض ۲۲ سال کی عمرمیں جہاد میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔میتھل گوڑ اوراٹکل گوڑ میں جہاد میں شریک ہوکراعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ انجام دیا۔۴۰ سال کی عمرمیں مع اہل وعیال واصحاب خاص کے جون پور سے ہجرت کی۔صوبہ بہار کے مقام داناپور پہنچے۔مشہورروایت کے مطابق گوڑ کے راجہ کے بھانجے میاں دلاورکوآپ نے فیض ولایت محمدیؐ سے مشرف کیا تو وہ جذبات الٰہیہ میں مستغرق ہوگئے اورکئی سال تک حالت جذبہ میں رہے۔یہاں سے آپ کالپی پہنچے وہاں کے راجا کی دختر مریض اورلاعلاج تھیں آپ کے پسخوردہ سے تندرست ہوگئیں۔چندیری

میں بے شمار افراد آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے۔ مانڈو کے سلطان غیاث الدین اور ہرات کے سلطان آپ کے مرید ہوگئے۔ پھر آپ نے بیدر، بیجاپور کا رخ کیا۔ ہر مقام پر عوام کو طلب الٰہی کی دعوت دیتے رہے۔۹۰۱ھ میں فریضہ حج ادا کیا اور اسی موقع پر مہدیت کا دعویٰ کیا پھر واپس آ کر ریاست گجرات میں قیام کیا اور ۹۰۵ھ میں مہدیت کا موکد دعویٰ کیا۔ اس تمام عرصہ میں بے شمار افراد آپ کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ ریاست جالور کے بادشاہ آپ کے مصدق ہوگئے۔ ریاست ناگور کے حاکم ملک جی مغل آپ کے مرید ہوگئے۔ سلطنت سندھ کے امراء اور علماء نے آپ کی تصدیق کی یہاں تک کہ خراسان قدیم میں قندھار کے حاکم شاہ بیگ ارغون اور فرہ کے حاکم میر ذوالنون اور ہرات کے بادشاہ سلطان حسین مرزا نے آپ کے دعوئے مہدیت کی تصدیق کی۔ فرہ میں آپ کا وصال ۱۹/ ذی قعدہ ۹۱۰ھ روز پنجشنبہ کو ہوا۔ آپ کی حیات طیبہ نصرت دین اسلام سے معمور رہے۔ عالم علم ظاہری کی حیثیت سے آپ نے مسلمانوں کے عقائد کی تصحیح ونصرت فرمائی جبکہ مرورِ زمانہ اور ماحول کے اثرات سے بدعات اور رسوم مسلمانوں میں مذہبی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ آپ نے ایک ہی مقام پر مقیم رہ کر پند ونصائح سے کام نہ لیا بلکہ ہندوستان کے اہم مقامات اور خراسان پہنچ کر دین حقیقی کی دعوت دی۔ رسم وعادت اور بدعت کی شدت سے مخالفت فرمائی اور یہاں تک ارشاد فرمایا کہ عامل بدعت بہرۂ ولایت محمدیؐ سے محروم رہے گا۔ اعمال دینیہ کی تعمیل میں آپؐ نے عزیمت اور عالیت پر زور دیا۔ اور جو لوگ سہل انگاری اور تساہل کی بناء پر رخصتوں پر عمل کر رہے تھے انہیں وعید سنائی۔ آپ کے ماننے والوں کی ایسی جماعت تیار ہوگئی جو رخصت کے مقابل ہمیشہ عالیت اور عزیمت پر عمل پیرا رہی۔ اس طرح آپ کی تعلیم وہدایت، محض فلسفہ نہیں رہی بلکہ اسلامی عمل کا بہترین نمونہ بن گئی۔ آپ نے طالبانِ خدا کے لئے دائرے قائم کئے اور وہاں سویت کا نظام جاری فرمایا۔ یعنی ان دائروں کو اللہ جو فتوح آتی تھی وہ تمام اہل دائرہ میں مساوی مساوی تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اسی کو معاشی مساوات کا بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ آپ نے مومن کی یہ شان بتائی کہ وہ ذخیرہ نہیں کرتا۔ ان لفظوں میں سرمایہ داری کی مخالفت کی تعلیم دی۔ بنفس نفیس ذخیرہ اندوزی اور سرمایہ داری کے خلاف عمل کر کے دوسروں کے لئے بہترین نمونہ فراہم کیا۔ آپ کے مصدق کا سبین پر عشر بھی اسلامی انفاق ہے۔ لیکن عوام اس کی اہمیت کو بھول بیٹھے ہیں۔ عشر ہر قسم کی آمدنی پر ادا کرنا لازم ہے یعنی زراعت وغیرہ تک محدود نہیں ہے۔ اس انفاق کے لئے نصاب اور مدت کی قید نہیں۔ عشر کی یہ بھی خصوصیت رہی کہ متوکلین بھی فتوح فی سبیل اللہ میں سے عشر نکالیں۔ مقصد یہ ہے کہ کسی صورت بھی ذخیرہ اندوزی اور سرمایہ دار پیدا نہ ہو۔ سیاسی اقتدار اعلیٰ کے سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ'' **بادشاہ یکی است که بے وزیر است** '' ترجمہ بادشاہ تو ایک ہی ہے جس کا کوئی وزیر نہیں'' اس فرمان سے ظاہر ہے کہ آپ نے حاکمیت الٰہ کا اعلان فرمایا۔ یہ بھی کہ خدا کی حاکمیت ایسی ہے جس میں انسانی مشاورت کو کوئی دخل نہیں۔ الٰہی قوانین اٹل ہیں ان کی تبدیلی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ انسانی مصلحتیں ان قوانین کو بدل نہیں سکتیں۔ دنیاوی حکام صرف قوانین الٰہیہ (شریعت) کی تعمیل ونفاذ کے مجاز ہیں۔ حکام یا

اولوالامر کے لئے پہلی شرط عدل وانصاف ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حاکم اپنے آپ کو بالکلیہ شریعت مصطفوی کے حوالے کردے۔ خواہش نفس کو امور مملکت میں داخل نہ کرے۔ نیز یہ کہ کسی زمین یا قطعہ ملک کو کسی حاکم کی ذاتی ملکیت قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ ساری زمین یا تمام ملک خدا کی ملکیت ہے۔ اور جو چیز خدائی ملکیت ہوتی ہے اس میں بندگانِ خدا کا برابر کا حصہ ہوتا ہے جیسے ہوا' پانی اور روشنی وغیرہ۔ مختصر یہ کہ آپؑ نے مسلمانوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور رسم عادت و بدعت سے اصل دین جو پس پشت پڑ گیا تھا اسے دوبارہ روشناس کرایا۔ دوسرے لفظوں میں دین اسلام کا احیاء فرمایا اور اپنی بعثت کے مقصد کے طور پر یہ ظاہر فرمایا کہ

''وقتی که مهدیؑ در ظهور آید' رسم عادت وبدعت را دور کند ودین محمدؐ را نصرت کند''

ترجمہ: جس وقت مہدیؑ ظہور میں آئے' رسم عادت بدعت کو دور کرے اور دین محمدیؐ کی نصرت کرے۔ (انصاف نامہ صفحہ ۲۴)

(مطبوعہ روزنامہ ''سیاست'' مورخہ ۱۷ اگسٹ ۱۹۸۴ء)

احسان

حضرت عمر فاروقؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے دفعتاً ایک شخص آیا۔ اس کے کپڑے نہایت سفید' بال نہایت سیاہ تھے۔ اس پر سفر کی کوئی علامت تھی نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کے اتنا قریب آبیٹھا کہ رسول اللہ ﷺ کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا دیئے اور اپنے دونوں ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دونوں زانوئے مبارک پر رکھ دیئے اور بولا۔ اے محمد مجھے بتایئے اسلام کیا چیز ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کا اقرار کرے کہ سوائے ایک خدا کے اور کوئی معبود نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلا شبہ اس کے پیغمبر ہیں۔ نماز پورے طور پر ادا کرے' زکواۃ دے' رمضان شریف کے روزے رکھے اور اگر طاقت ہو تو خدا کے گھر کا حج بھی کرے۔ وہ بولا آپ ﷺ نے ٹھیک کہا۔ راوی کہتا ہے ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ یہ (پہلے تو) آپ ﷺ سے دریافت کرتا ہے پھر خود ہی آپ کی تصدیق بھی کر دیتا ہے۔ (گویا کہ واقف کار ہے) پھر اس نے پوچھا۔ اچھا اب ایمان کے متعلق بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور قیامت کو دل سے مانو اور اس بات پر یقین کرو کہ بُرا بھلا جو کچھ ہے وہ سب نوشتۂ تقدیر کے موافق ہے۔ اس نے کہا آپ نے صحیح کہا۔ اب بتایئے احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تو اللہ کی عبادت (اس توجہ) سے کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اسے نہ دیکھ سکے پس وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس کے بعد سائل نے قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آنحضرت ﷺ نے علامات قیامت کو بیان فرمایا۔ اس کے بعد وہ شخص چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد آنحضرت ﷺ نے ظاہر فرمایا کہ یہ

سائل جبرئیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

مندرجہ بالا حدیث شریف ''حدیث جبرئیل'' کے عنوان سے مشہور ہے۔اور علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تمام علوم اسلامیہ کا خلاصہ موجود ہے۔ چنانچہ اسلام فقہا کا موضوع بحث ہے اور ایمان متکلمین کا۔اور اہل عرفان کے لئے احسان کا بیان واضح کردیا گیا ہے اور احسان کی تعریف اس حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ '' اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہ کانّک تراہُ فَاِنْ لَمْ تکُنْ تراہُ فَاِنَّہٗ یراک اس کا ترجمہ اوپر گزرچکا ہے۔یہی حدیث حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے جس میں احسان کی تعریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے .

اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰہِ کانّکَ تراہُ فَاِنَّکَ اِن لَمْ ترَہُ فَاِنَّہٗ یراک

ترجمہ: تو اللہ کے لئے اس طرح عمل کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اسے نہ دیکھ سکے پس وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔

ایک اور طریق میں احسان کے لئے تَخْشَی اللّٰہ تعالٰی کَانّکَ تَرَاہُ یعنی اللہ تعالیٰ سے اس طرح سے ڈرتا رہ گویا اسے تو آنکھوں سے دیکھتا ہے'' کے الفاظ میں توضیح ملتی ہے۔غرض احسان کی تعریف عبادت عمل اور خشیت سے کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ عبادت اور تمام احکام الٰہیہ کی تعمیل میں خشیت ملحوظ رہے۔حقیقتاً مسلمان کی عبادت یا عمل غیر اسلامی وغیر مذہبی نہیں ہوسکتا۔اس حقیقت کو قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (سورہ انعام آیت ۱۶۲، ۱۶۳)

ترجمہ: کہدو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور یہی مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

غرض مسلمان کی ساری زندگی شریعت کے تحت ہی گذرسکتی ہے لیکن حدیث شریف میں توضیح کردی گئی ہے کہ سارے اعمال کی انجام دہی اس طرح ہو کہ حق تعالیٰ پیش نظر رہیں۔اسی کو دیدار الٰہی کا نام دیا ہے۔معتزلہ اور ان کے متبعین دیدار حق کے قائل نہیں ہیں یا طریق احسان کے تسلیم کرنے والے نہیں۔لیکن اہل سنت والجماعت دیدار الٰہی کے آخرت میں ہونے کے معتقد ہیں۔ یعنی اسلام کا سواد اعظم رویت الٰہی کے امکان کو تسلیم کرتا ہے تعلیم احسان پر عمل کرنا اسی طرح ضروری سمجھتا ہے جس طرح اسلام اور ایمان کے مقتضیات پر عمل کرنا۔احسان کی تعلیم مشاہدہ پر مبنی ہے۔اور جب ایمان قلب میں پیوست ہوجاتا ہے تو اجزائے ایمانیہ مشاہدے میں آنے لگتے ہیں۔اس کا ثبوت حضرت عوف بن مالکؓ کی حدیث سے بھی ملتا ہے کہ جب حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ایمان کی حقیقت ظاہر کریں تو انہوں نے خدمتِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا کہ کَاَنِّی اَنْظُرُ اِلٰی عرشِ رَبِّیْ الخ گویا میں اپنے رب کے عرش کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔اسی طرح حضرت ابی بن کعبؓ کی

روایت میں ہے کہ

ضَرَب فی صَدرِی نَفِضتُ عَرَقًا وَ کَانّما اُنظُرُ اِلَی الله فرقا (مسلم) ترجمہ: آنحضرت نے میرے سینہ پر اپنا دست مبارک مارا اس کے اثر سے میں پسینہ پسینہ ہوگیا۔ خوف کے مارے یہ عالم ہوگیا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

ان احادیث سے بھی ظاہر ہے کہ مومن کو ایسا اعلیٰ کشف عطا ہوتا ہے کہ وہ صاحب عرش اور عرش کو دیکھ لیتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت خاتم الرسل ﷺ کی یہ دعا بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ آپ ﷺ نے جناب باری میں عرض کیا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسئَلُکَ لذۃِ النظر الیٰ وَجھکَ والشوقِ اِلیٰ لِقائِکَ ترجمہ: اے اللہ میں تیرے دیدار کی لذت اور تیری دید کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔

غرض یہ سارے بیانات دراصل تعلیم احسان کی توضیحات ہیں اور جس طرح اسلام اور ایمان اسی دنیاوی زندگی میں اختیار کرنے کے لئے ہیں اسی طرح احسان کے عمل کا مقام بھی یہی دنیا ہے۔ احسان پر عمل پیرا ہوکر مومن کو جس طرح زندگی گزارنا ہے وہ بھی اسی دنیا میں ہوگا کیونکہ انسان کے مرنے سے اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ اس لئے احسان کا محل بھی یہی دنیاوی زندگی ہے۔ تعلیم احسان پر عمل یا دیدار الٰہی یا بصیرت کا حصول اسی دنیاوی زندگی میں ہوتا ہے۔ کلام الٰہی بھی دنیاوی بصیرت پر زور دیا گیا ہے۔

وَمَنْ کَانَ فِی ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلاً (سورہ بنی اسرائیل) اور جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔ اور راہ (مستقیم) سے بہت دور ہے“

الحاصل تعلیم احسان اسی دنیا سے متعلق ہے۔

حضرت سید محمد جونپوری مہدی موعود علیہ السلام کے اصحاب نے آپ سے تحقیق کی ہے کہ

”مومن آں را گویند کہ بینائے حق باشد بچشم سر وپا بچشم دل ویادر خواب ودیگر کسے کہ ایں صفت ندارد وطلب ایں دارد اُو راھم حکم ایمان کردند“ (انصاف نامہ صفحہ ۳۰۴)

ترجمہ: مومن اس شخص کو کہتے ہیں جو بینائے حق ہو چشم سر سے یا چشم قلب سے خواب میں اور دیگر یہ کہ جو شخص (بصیرت کی یہ) صفت نہ رکھتا ہو لیکن اس صفت (بصیرت) کی طلب رکھتا ہو اس پر ایمان کا حکم ہے۔

حق تعالیٰ کی بینائی یا بصیرت بالفاظ دیگر تعلیم احسان ہی ہے۔ احسان یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کو دیکھے اس کی رویت حاصل کرے پس اسی کی تفصیل ارشاد ہدایت بنیاد میں ملتی ہے کہ حق کی رویت خواب میں ہوگی یا بچشم قلب (مراقبہ ومکاشفہ سے) یا چشمِ سر سے (مشاہدہ سے) غرض بصیرت کے تین درجے ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک درجے سے مشرف ہونا دلیل ایمان حقیقی ہے اگر ایسا شرف حاصل نہ ہو لیکن رویت کی طلب صادق ہو تب بھی حکماً ایمان حاصل ہوجائے گا۔ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے

قرآن شریف کی اس آیت سے رویت کو ظاہر فرمایا ہے۔

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَ لا یُشْرِکْ بِعِبَادَةِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا o (سورہ کہف آیت ۱۱۰) پس جو اپنے رب کی ملاقات (لقاءٔ دیدار) کی امید رکھتا ہے اسے نیک کام کرنا چاہئے۔اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

اس آیت میں لقاء کی شرط عمل صالح اور شرک سے اجتناب بتائی گئی ہے۔حضرت مہدی موعودؑ نے عمل صالح سے ترک وجود مراد لیا ہے اور ترک وجود کے بعد ہی رویت حق سے بندہ مشرف اور محسن کہلانے کا مستحق ہوجاتا ہے۔

(کتاب ''ولایت کا خزانہ'' شائع کردہ دائرۃ الاسلام مشیر آباد)

ہجرت

فرائض ولایت میں ہجرت ہی ایک ایسا فرض ہے جس کی توضیح اور تشریح اپنی نظیر آپ ہے۔حضرت مہدی علیہ السلام نے اس فرض کی توضیح اس طرح فرمادی ہے کہ کسی قسم کی تشنگی باقی نہ رہی۔لہٰذا ہجرت کی اہمیت بھی واضح ہوگئی۔انصاف نامہ کی روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا'' **ہجرت فرض عین است از خانماں** ''

ترجمہ یہ ہے کہ مکان اور خاندان کو چھوڑ دینا فرض عین ہے۔نقل شریف کے الفاظ اس قدر واضح ہیں کہ اس کا مطلب سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اور نہ کسی قسم کا شک وشبہ پیدا ہوتا ہے۔ہجرت کا یہ فریضہ خصوصاً اسی پر واجب ہے جو طلب خدا میں قدم رکھتا ہے۔گروہ مہدویہ میں طالبان خدا' تارک الدنیا کے عرف سے معروف ہیں۔اس وجوب کی خلاف ورزی کرنے والوں کو''نفاق'' کی وعید سنائی گئی ہے۔

ترک دنیا کے ساتھ''ہجرت'' کا گہرا تعلق ہے۔کیونکہ ترک دنیا' ترک وجود ہے اور ہجرت ترک وطن۔جب ان دونوں کا ساتھ ساتھ انجام دیا جاتا ہے تو ان کی تکمیل سے فائدہ ہوتا ہے ورنہ ادھورے اور ایکہرے عمل سے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوتے۔اسی حقیقت کو پیش نظر رکھ کر بندگی میراں سید محمود نے فرمایا۔

''کسی دنیا ترک کردہ است ہجرت وصحبت نمی کند۔ آں کسی متساوی است در طلب دنیا ودر ترک دنیا پس بر او فرض است کہ ہجرت وصحبت بکند وگرنہ او را بہرہ دین ہیچ نمی رسد'' (حاشیہ)

ترجمہ: جس نے دنیا ترک کردی ہے (لیکن) ہجرت اور صحبت (اختیار) نہیں کرتا وہ شخص طلب دنیا اور ترک دنیا میں برابر ہے (اس کے طلب دنیا اور ترک دنیا میں کوئی فرق نہیں ہے) اسی لئے اس پر فرض ہے کہ ہجرت اور صحبت (اختیار) کرے ورنہ اس کو دین کا بہرہ حاصل نہ ہوگا۔

اس نقل شریف سے ترک دنیا کے ساتھ ہی ہجرت اور صحبت کے فرائض پر عمل پیرائی کی ضرورت واضح ہورہی ہے گذشتہ سطور میں جس وعید (نفاق) کا ذکر ہوا ہے اس کی حقیقت بھی اس نقل سے ظاہر ہوگئی کہ ہجرت سے باز رہنے پر بہرۂ دین سے محرومی لازمی ہے۔اسی باعث ترک دنیا بھی بے ثمری پر منتج ہوتی ہے۔

ہجرت کا ایک مقصد بھی ہے اور وہ ہجرت باطن ہے۔لیکن یہ مقصد ہجرت ظاہر پر منحصر ہے تاوقتیکہ ہجرت ظاہر ادا نہ ہو۔ ہجرت باطنی حاصل نہیں ہوتی جو اصل مقصود ہے۔اس حقیقت کو حضرت مہدی علیہ السلام ہی نے اپنے مبارک الفاظ میں واضح فرمایا ہے چنانچہ نقل ہے کہ

فرمودند۔ تاکہ از خانہ ھائے ظاھری اول ھجرت نہ کنند ٗ ھجرت باطن حاصل نشود ٗ ولیکن ھجرت باطن ٗ بے ھجرت ظاھری نادر تراست کہ کسے را باشد چنانچہ النادر کالمعدوم (انصاف نامہ)

ترجمہ: فرمایا جب تک پہلے ظاہری گھروں سے ہجرت نہ کریں۔ہجرت باطن حاصل نہیں ہوتی۔لیکن بغیر ظاہری ہجرت کے باطنی ہجرت نادر ہے کہ کسی کو حاصل ہوجائے اور اس کا حکم یہ ہے کہ نادر معدوم (نہ ہونے) کے برابر ہوتا ہے۔

اس نقل شریف کے ذیل میں بتایا گیا ہے کہ ہجرت ظاہری میں بہت کچھ ابتلاء وآزمائش ہے اور جو شخص طلب خدا کا دعویٰ کرے اسے اس امتحان سے گذرنا پڑتا ہے۔اگر وہ اس امتحان (ہجرت ظاہر) میں کامیاب ہوجائے تب وہ ہجرت باطن سے مشرف ہوتا ہے ورنہ ہجرت ظاہری نہ کرنے والا باطنی ہجرت سے محروم رہتا ہے۔گویا وہ ہجرت کے بغیر تضیعِ اوقات میں مصروف ہے۔ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو روانگی کا حکم ہوا چنانچہ آپؑ روانہ ہونے لگے۔آپ کے ساتھ جو مہاجرین تھے وہ فوراً آپ کے ساتھ چل نہ سکے اس وقت حضور علیہ السلام نے یوں فرمایا کہ

شما از خانۂ چوب بیرون شدہ اید فاما از خانہ استخواں بیرون نہ شدہ اید

ترجمہ: تم لوگ لکڑی کے گھر سے باہر تو آئے ہو لیکن ہڈیوں (جسم) کے گھر سے (ابھی) باہر نہیں آئے ہو۔

اس بیان میں ایک زجر بھی ہے اور ایک وضاحت بھی۔زجر تو انداز بیان سے ظاہر ہے اور وضاحت اس امر سے کہ ہجرت ظاہر کرنے والے بھی اس امر پر مطمئن ہوجائیں کہ ہم نے اس فریضہ کو انجام دے لیا ہے۔کیونکہ ہجرت ظاہر وسیلہ ہے ہجرت باطن کا پس ظاہری ہجرت کر چکنے کے بعد اس کا نتیجہ باطنی ہجرت بھی حاصل ہوجانا چاہئے۔اگر ایسا نہ ہو تو عدم استفادہ ظاہر ہے۔

ہجرت باطنی کی ظاہری علامت یہ ہے کہ مہاجرؔ خانماں سے بالکل بے تعلق رہے اور اسے ترک خانماں میں کوئی دقت یا تاخیر نہ ہو۔یہ صفت اس وقت حاصل ہوگی جبکہ ترک وجود کمال درجہ کو پہنچا ہو۔لیکن تمام قسم کے تعلقات ٗ وجود یا نفس کے باعث ہیں۔ اگر سالک نفس یا خودی کو فنا کر چکا ہو تو انقطاع تعلقات میں کوئی دیر نہیں لگتی۔یوں بھی ہجرت باطن صرف وجود سالک ہی پر منحصر نہیں

ہے بلکہ اس کا تعلق سیر روحانی سے بھی ہے۔ مقامات اور غوالم کی سیرؔ اسی ہجرت باطن سے منسلک ہے ورنہ سالک کو عروج حاصل نہیں ہوتا اور بے حاصلیؔ محرومی ہے۔ خانۂ چوب سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مہاجرین لکڑی کے گھر یعنی جھونپڑیوں کو ترک کردیتے تھے۔ اس کے مقابل ''خانہ استخواں'' انسان کا جسم ظاہری ہے۔ اسی میں روح انسانی مقید اور مقیم ہے۔ روح کا جسم کو ترک کرنا موت طبعی کے وقت بھی ہوتا ہے۔ اور اس کے قبل بھی جس کو صوفیہ کی مشہور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ '' موتوا قبل ان تموتوا '' یعنی طبعی موت مرنے سے پہلے مرجاؤ۔ پس یہ موت ایک اختیاری امر ہے اضطراری نہیں اور یہ اسی وقت واقع ہوتی ہے جبکہ انسان اس دنیا اور اپنے نفس سے بالکل بے تعلق ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اس کی روح ہجرت باطنی حاصل کرلیتی ہے۔ ہجرت باطنی یا سیر روحانی کی کوئی حد نہیں ہے۔ سالک اپنے حوصلہ اور شوق کے مطابق ایک مقام سے دوسرے مقام تک، ایک منزل سے دوسری منزل تک مسلسل پرواز کرتا رہتا ہے۔ اور اس میں جو لذت ہے وہ وہی جانتا ہے جو روحانی پرواز سے واقف ہے۔

(مطبوعہ نور ولایت پندرہ روزہ ۱۵رمئی ۱۹۸۱ء)

ترک دنیا

فرائض ولایت میں ترک دنیا کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ حضرت مہدی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :۔ ورائے ترک دنیا ایمان نیست'' یعنے جب تک دنیا ترک نہ کی جائے ایمان حاصل نہیں ہوسکتا۔ ایک دوسری نقل میں امام علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ''ایمان ذات خدا است'' یعنے ایمان لانے کا مطلب، خدا کی ذات کو حاصل کرنا ہے۔ ان دونوں نقلون کی تطبیق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا ترک کرنے ہی سے خدا ملتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فریضۂ ترک دنیا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

شارح عقیدہ شریفہ نے واضح کیا ہے کہ جب تک بارہ امور ترک نہ کئے جائیں ترک دنیا کا مقصود حاصل نہیں ہوتا ۔ وہ بارہ چیزیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ ترک خودی ۔۲۔ ترک عزت ۔۳۔ ترک لذت ۔۴۔ ترک شرک وخفی وجلی ۔۵۔ ترک کفر ظاہری و باطنی ۔۶۔ ترک نفاق ۔۷۔ ترک رسم ۔۸۔ ترک بدعت ۔۹۔ ترک عادت ۔۱۰۔ ترک ریا۔۱۱۔ ترک اخلاق ذمیمہ۔۱۲۔ ترک گناہ ظاہری و باطنی

ان بارہ امور کو انجام دینے والا حقیقی طور پر تارک دنیا ہوتا ہے ان بارہ امور سے ملحق بھی چند مزید امور ہیں۔ گویا تکملہ ہیں۔ ان پر بھی عمل ضروری ہے۔

۱۔ ترک تدبیر۔۲۔ ترک تردد۔۳۔ ترک تعین ۔۴۔ ترک میراث ۔ ۵۔ سوال ۔۶۔ ترک علائق ۔۷۔ ترک فخر وغرور۔ ۸۔ ترک تکاثر۔

(۱) ترک خودی۔اس کا مطلب اپنے وجود ظاہری سے بیزاری ہے،نقل ہے کہ ترک دنیا ترک خودی ہے۔جان سے جینا، یہ خودی وہستی ہے۔اگر کوئی اپنی حیات ظاہری کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے اوراسی جان اورزندگی کی فکر میں لگا رہتا ہے تو یہ کفر ہے۔ہوائے نفس سے باز رہنا،خواہشات سے الگ ہوجانا،اپنے میں پنے کو فنا کر دینا ترک خودی ہے۔ایک دوسرے پر فخر کرنا، اولاداوراموال میں بڑھنے کی کوشش کرنا ہستی اورخودی ہے۔

قا یک نقل شریف ہے حضرت مہدی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ’’خدااور بندہ کے درمیان بندہ ہی کی ذات پردہ ہے‘‘۔

تارک، دنیا کواسی لئے چھوڑتا ہے کہ اسے خدا حاصل ہو،اسکو بتایا جاتا ہے کہ حیات ظاہری میں اسی کا وجودایسا ہے کہ وصال الٰہی کے راستہ میں رکاوٹ ہے،حجاب ہےاور پردہ ہے۔اپنے وجود یا اپنی خودی کو میٹنے ہی سے خدا ملتا ہے۔پس ترک دنیا کا مقصد، حصول خدااورترک خودی ہے۔ترک خودی کاایک ذریعہ مشاہدۂ مرشد ہےاور مرشد کی ذات میں فنائیت سے بھی اپنی خودی کی نفی ہو جاتی ہے یہ پہلی منزل ہےاس میں کامیابی ضروری ہے۔اس مرحلے میں کامیابی سے اگلے تمام مراحل میں آسانی ہوجاتی ہے۔فنافی المرشد کے بعد فنافی المھدی ،فنافی الرسول اورآخر میں فنافی اللہ ہے ذات باری میں فنائیت ہی کسی طالب کی منزل مقصود ہوسکتی ہے

روایت ہے کہ بندگی ملک الہ داد، حج کوتشریف لے گئے۔کعبۃ اللہ کے پاس پہنچے غلاف کعبہ کوتھاما،اورحق تعالیٰ سے التجا کی کہ خداوند، تیرےاورالہ داد کے درمیان الہ داد نہ رہے،یعنے الہ داد کی خودی، وصال حق میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے اور یہ خودی دور ہوجائے تو بندہ واصل بالحق ہوجائے گا

معمولی تدبیروں سے خودی کا دور ہونا مشکل ہوتا ہے۔اس لئے حضرت ممدوح نے تمسکِ غلافِ کعبہ کواختیار کیا ہرایک جانتا ہے کہ اس طریقہ میں کامیابی سوفی صدیقینی ہوتی ہے۔

(۲) عزت ولذت کوترک کرنا:۔عزت کی خواہش یہ ہے کہ دوسرے ہم کو بڑااور مقدس سمجھیں اسی کے نتیجے میں عزت کی خواہش رکھنے والا ، دوسروں کوحقیر و ذلیل سمجھتا ہے۔طالب عزت ، ہمیشہ اپنے آپ کونمایاں کرنے کی فکر کرتا ہے۔اس کا تعلق شہرت سے ہے۔

لذت عام طور پرکھانے پینے کی چیزوں سے تعلق رکھتی ہے۔جو مادی ہوتی ہے۔پھر یہ لذت، غیر مرئی چیزوں سے متعلق ہوجاتی ہے۔غرض اس کا طالب،لذت کی جستجو میں لگا رہتا ہے۔

لیکن حضرت مہدی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عزت اورلذت نفس کے دو شہہ پر ہیں،ان دونوں سے نفس کوترقی ہوتی ہے۔اورنفس انسان کومکمل طور پر دنیاوی زندگی میں مبتلا کر دیتا ہےاورانسان کودنیا سے محبت ہوجاتی ہےاورخدا سے دوری۔اسی لئے تاکید کی گئی ہے کہ نفس کوچھوڑدواورتوڑدواس مقصد کے لئے عزت کی طلب اورلذت میں مشغولیت سے دوررہنا چاہیئے ترک دنیا میں لذت وعزت کوچھوڑنا ضروری ہے۔نیستی، عاجزی اورانکساری، خدا کے بندوں سے اپنے آپ کوحقیر سمجھنا، ترک عزت ہے۔اپنا

کام آپ کرلینا، دوسرے سے خدمت نہ لینا ترک عزت ہے۔گھر پر ملنے کے لئے آنے والے کوانتظار نہ کروانا،اور کسی سے ملنے کے لئے جا کر،اونچی جگہ پر بیٹھنے کی خواہش نہ کرنا،اگرکوئی ملاقات کے لئے آئے،اور وہ مرتبہ میں چھوٹا ہوتب بھی اسکواپنے برابر بٹھالینا،وغیرہ ترک عزت ہے۔

نقلست کسے حضرت میرانؑ را پر پُرسید۔ میان بندہ و خدا چہ پردہ است ، میرانؑ نان گرفتہ نمود ند ، پردہ این نان است

ترجمہ:۔کسی نے حضرت مہدیؑ سے پوچھا ۔کہ بندے اور خدا کے درمیان کیا چیز پردہ ہے تو حضرت مہدیؑ نے روٹی پکڑ کر دکھائی اور فرمایا کہ بندئے اور خدا کے درمیان یہ روٹی پردہ ہے۔

لوگ روٹی کی لذت رکھتے ہیں ۔لیکن یہی روٹی حجاب بن جاتی ہے ۔اس طرح کہ دنیاوی چیزیں جو لذت کے لئے استعمال کی جاتی ہیں وہ انسان کے مادی جسم کو بڑھاتی ہیں ۔اور جو آدمی جسم ظاہر کی خدمت میں مشغول ہوجاتا ہے وہ دراصل نفس کی اطاعت کرتا ہےاس طرح خدا سے دور ہوجاتا ہے۔اس ضمن میں ایک اورنقل بھی ہے:۔

فرمود۔ بسیار خورندہ ، بسیار خوار اندک خورندہ اندک خوار

پیٹو نادین کانادنیا کا،

ترجمہ:۔حضرت مہدیؑ نے فرمایا۔ بہت کھانے والا، بہت ذلیل ہوتا ہے،تھوڑا کھانے والاتھوڑا ذلیل (یہ بھی فرمایا) پیٹو نہ دین (دار) ہوتا ہے اورنہ دنیا دار۔لذتِ نِفس کے سلسلے کی کثرت انتہا کو پہنچا دیتی ہے نقل شریف ہے

”حضرت میرانؑ فرمودند از خوردن ، چاہ تھی می شود

ترجمہ: فرمایا۔پینے سے تو کنواں بھی خالی ہوجاتا ہے

یہ دنیاوی لذتوں کی انتہاہے اورظاہر ہے یہ نقصان دینے والی ہے۔ایک اورنقل ہے:۔

فرمودند۔”بندیدہ بمیر د گردیدہ بچرد۔“

مطلب یہ کہ ”گوشے میں بیٹھنے والا مرنے سے پہلے مرتا ہےاور دربدر پھرنے والا جانور کی طرح چرتا ہے۔“

خدا کی طلب اختیار کرنے کے بعد دنیا ترک کرنا ہے۔ترک دنیا کا مطلب دنیا اور اہل دنیا سے بےتعلقی اختیار کرنا ہے۔بےتعلقی اورترک علائق کا مطلب ایک ہوتا ہے۔ترک علائق کا مقصد عزلت گزینی ہے۔اس کا فائدہ نقل شریف میں بیان ہوا ہے یعنے” موتوا قبل ان تموتوا“ مرنے سے پہلے مرجاؤ کا مقام حاصل کرنا ہے۔اسی عمل سے خدا حاصل ہوتا ہے۔ورنہ دربدر پھرنے والا خدا سے وابستہ نہیں ہوسکتا۔ترک دنیا میں ترک علائق اور عزلت گذینی ضروری ہے۔ترک دنیا کے لوازم بھی قابل عمل ہیں۔

(مطبوعہ ماہنامہ ”نورولایت“ خاتم الولایت محمدیہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نمبر۲۰۰۴ء)

عشق

حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے طلبِ دیدارِ خدا کے وسیلے کے طور پر عشق خدا کی تعلیم دی۔ تب مُلّا دریش خراسانی نے نعرہ مارا اور اپنے گریبان کو چاک کیا اور کہا کہ عشق کہاں سے لائیں۔ اس کے بعد حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ بندہ کسبی عشق کہتا ہے۔ کام کرو اور عمل میں کوشش کرو۔ کچھ کام کرو تا کہ اس کے واسطے سے عشق پیدا ہو۔ انبیاء کا عشق عطائی ہے جو بغیر کسب کے حاصل ہوا ہے اور دوسروں کو کسب کرنا چاہیئے۔ (انصاف نامہ صفحہ ۲۹۲)

کسب سے مراد محنت و ریاضت ہے اور حصول عشق الٰہی کے لئے کس قسم کی ریاضت چاہیئے؟ اس کی وضاحت بھی حضرت بندگی میراں علیہ السلام نے خود ہی ارشاد فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ واضح کرتے ہیں کہ ''ہمیشہ دل کو خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھئے۔ دل میں (تصور خدا کے سوائے) کوئی چیز نہ آئے۔ ہمیشہ خلوت (تنہائی) اختیار کرے اور کسی کے ساتھ (گفتگو اور معاملات میں) مشغول نہ ہو نہ تو دوست کے ساتھ اور نہ غیر کے ساتھ۔ ہر حالت میں حق کو دیکھتا رہے' کھڑے ہوئے' لیٹے ہوئے اور کھانے پینے کے وقت۔ (غرض) ہر حال میں خدا کو دیکھتا رہے۔ (صفحہ ۱۲۵ انصاف نامہ)

حصولِ عشق کے بعد دنیا ہی میں دیدارِ خدا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اپنی ناسمجھی سے اعتراضات کرتے تھے ان ہی میں ایک ملا نے عشق اور بینائی حق در دنیا کو ناممکن قرار دیتے ہوئے کہا کہ دنیا میں خدا کا دیدار حاصل کرنا' خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے اس نے ایک بیت پڑھی

کسے کو نسر نمی بازو کجا پائے نهد بالا

دلا این کوچۂ عشق است نباشد خانه خاله

وہ جو سر اور دھڑ کی بازی نہیں لگاتا بلندی پر کب قدم رکھ سکتا ہے اے دل یہ عشق کا کوچہ ہے' خالہ کا گھر نہیں ہے۔ (خالہ جی کا گھر نہ ہونا' کام کا آسان نہ ہونا' معمولی بات نہ ہونا' ایک محاورہ ہے)

اس ملاّ کے معترضانہ کلام کو حضرت مہدیؑ کے حضور میں پیش کیا گیا تو حضرت میراںؑ نے اس کے جواب میں ذیل کی فرد پڑھی۔

دورئ را دور کن از خود' یکی یبن در ته وبالا

تُرا گر ایں میسر شد همیں است خانهٔ خالا

ترجمہ: اپنے آپ سے دوی کو دور کردے زمین و آسمان میں ایک ہی وجود کو دیکھ اگر تجھے یہ صلاحیت حاصل ہوجائے تو اسی دنیا میں دیدارِ خدا آسان ہوجاتا ہے۔ (یہی خالہ جی کا گھر ہے)

معترض ملاّ نے جس شدت سے عدم امکانِ دیدار کو ثابت کرنے کی کوشش کی تھی حضرت بندگی میراںؑ نے اتنی ہی آسانی سے اسے ممکن الوقوع ثابت کردیا۔ اس سلسلہ میں آپؑ نے دو شرطیں بیان فرمائی ہیں (۱) دوئی کو دور کرنا اور (۲) کائنات میں وجود واحد کو ملاحظہ کرنا، ظاہر ہے جب یہ دونوں شرطیں تکمیل پاجاتی ہیں تو طالب مولا کو اسی زندگی اور اسی دنیا میں دیدارِ خدا حاصل ہوجاتا ہے۔

دوئی کو دور کرنا، نفس کو مٹانا، اپنے آپ کو فنا کردینا اور بشریت کو ختم کردینا، یہ سب مترادفات ہیں۔ ان سب کا مطلب ایک ہی ہے بڑی کڑی شرط ہے اور یہی سب سے بڑا عمل ہے۔ یہ جان اور دھڑ کی بازی لگانے سے زیادہ مشکل ہے۔ اس کا آغاز نفس کے ساتھ جنگ سے ہوتا ہے۔ اس میں نفس کو تمام لذات اور مرادات سے محروم کردیا جاتا ہے۔ جب یہ حال طالب میں راسخ ہوجاتا ہے تب وہ اپنے وجود کی نفی میں مشغول ہوتا ہے۔ **الا اللہ** توں ہے **لا الہ** ہوں نہیں سے یہ مرحلہ تکمیل پاتا ہے۔ مرحلہ دوم کے سلسلے میں حضرت بندگی میاں ولی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ارشادات ملاحظہ کے قابل ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ سالکین کے مذہب میں **لا الہ** کے معنی ''موجودات میں سے کوئی وجود نہیں ہے'' کے ہیں۔ کل اشیاء کا تعلق قائل کے وجود سے ہوتا ہے، جب قائل اپنے وجود کی نفی کردے تو کسی شئے کا اثر باقی نہیں رہے گا جب موجودات سے کوئی وجود نہیں رہا تو پھر حق کو ثابت کرے اس کے بعد یقین کرے کہ اس سے وہی متکلم ہوتا ہے اور بہ یقین تمام اس امر کو جانے کہ حق کے سوائے کوئی سامع نہیں ہے۔ (صفحہ ۲۵۸)

اس تشریح سے واضح ہورہا ہے کہ جب سالک اپنے وجود کو فنا کردیتا ہے تو وجود عالم بھی اسے سے محو ہوجاتا ہے۔ لیکن مقصود حقیقی محض فنائیت ہی نہیں بلکہ فنا کے بعد بقا بھی ضروری ہے اور یہ بقا مع اللہ ہونا چاہئے۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں بقا باللہ کہتے ہیں۔ اس وقت سالک تہہ و بالا میں وجود واحد کو شناخت کرتا ہے۔ یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب مطلوب بقا ہے تو پھر فنا کی ضرورت ہی کیوں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بقا مع النفس اور بقا باللہ دو جدا جدا احوال ہیں۔ سالک ابتداء میں ایک عام انسان کی طرح عالم ناسوت میں غرق رہتا ہے اور جب تک عالمِ ناسوت سے چھٹکارا حاصل نہ ہو اور ناسوت فنا نہ ہو، سالک کو بقا باللہ سے اتصاف حاصل نہیں ہوتا۔ پس ناسوت کی فنا ضروری ہے۔ ناسوت پارۂ حدید کے زنگ کے مانند ہے۔ پس جب صیقل سے زنگ دور ہوجائے اور اس پارۂ حدید کو مقناطیسِ حقیقت کے روبرو لایا جائے تب وہ اس سے واصل ہوجائے گا، اور اسی کے ساتھ رہے گا، عشق کی یہی حقیقت ہے۔

(مطبوعہ پندرہ روزہ ''نور ولایت'' یکم نومبر ۱۹۸۵ء)

ہر چہ است از ولایت است ظہور

حضرت خواجہ ابن طٰہٰ عرف میاں ملک جیوا المتخلص بہ مہریؔ فرماتے ہیں۔

کنت کنزا کہ بد قدم مستور
چوں زکتماں صرف خواست عبور
کرد نور نبی زغیب حضور
ہرچہ ہست از ولایت است ظہور

صوفیاء ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق (ترجمہ) میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے پسند کیا کہ پہچانا جاؤں میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

محدثین اس عبارت کو حدیث نہیں مانتے لیکن اس کا مضمون دوسری حدیثوں کے مطابق ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے۔اس حدیث کی تشریح یہ ہے کہ جمال عادتاً ظہور کا تقاضہ کرتا ہے اور ظہور اُس کے لئے مناسب بھی ہے۔اس لئے حکمت الٰہی کا اقتضاء ہوا کہ ذات وصفات کا ظہور ہو یہ تقاضہ فعل کی صورت میں ظاہر ہوا۔یعنی عمل تخلیق کار فرما ہوا۔حق تعالیٰ نے اپنی ذات اور اپنے صفات کو مخلوق کی شکل میں ظاہر کیا یعنی مخلوق آئینہ ہے ظہور ذات اور صفات کا۔پس خفا سے ظہور ہوا اور اس کو حُب سے تعبیر کیا گیا اور ظہور' معرفتِ ذات وصفات کا ذریعہ بن گیا۔ اس طرح کنت کنزاً کا مضمون صحیح حدیث سے ثابت ہوگیا۔

کنت کنزاً یہ ہے کہ قِدم میں مَیں خزانہ کے مانند مستور اور مخفی تھا پھر میں نے چاہا کہ اس پوشیدگی سے ظہور میں آؤں۔اس کے لئے میں نے نبی ﷺ کے نور کو غیب سے ظاہر کردیا۔یہ نور اول حقیقت میں تعین اول ہے اور مہدویوں کے پاس یہی ولایت نبی ﷺ ہے۔اور بعد میں ظہور میں آنے والی ساری خلق اسی نور نبی (ولایت نبیؐ) سے ظاہر ہوئی ہے۔

چونکہ از ذاتِ خویش قطعہ نور
حق جدا کرد بھر کل امور
آن ولایت شدہ بغیب حضور
ہر چہ ہست از ولایت است ظہور

حق تعالیٰ نے اپنی ذات پاک سے ایک قطعہ نور کو جدا کیا تا کہ کل کائنات کا اسی سے ظہور ہو یہ قطعہ نور ولایت محمدیؐ ہے جو غیب سے حالتِ ظہور میں آئی اور حقیقت یہ ہے کہ تمام کاظہوراسی نورِ نبیؐ (ولایت نبیؐ) سے ہوا ہے۔

آگے چل کر حضرت مہدیؑ فرماتے ہیں کہ

ھـر نبی را یقین دو وجـه بدان
یک ولایت دوم نبوت آن
آن زحق اخذ وایـن بخلق رسان
هـر چـه هست از ولایت است ظهور

فرماتے ہیں کہ ہر نبیؐ کے لئے دو جہت ہیں اک ولایت اور دوسری نبوت' ولایت کی جہت سے نبی حق تبارک وتعالیٰ سے فیض اخذ کرتا ہےاور جہت نبوت سے مخلوق کو یہ فیض پہنچاتا ہے۔اس طرح ولایت اور نبوت کا عمل' ولایت نبی صلعم سے ہی ہوتا ہے۔

به نبوت شریف ذات احمد
خاتم اندر جهان دین آمد
وولایت کـه بود داشت صمد
هـر چـه هست از ولایت است ظهور

ذات احمد نبوت سے مشرف ہوئی اور دین میں خاتم الانبیاء بن کر مبعوث ہوئی۔ولایت ذات صمدیت میں رکھی ہے۔

تـا کـه در اهـل بیت آن مفضل
کـرد ختـم ولایـت مـرسـل
تـا مـفـصـل کـنـد همـه مجـمل
هـر چـه هست از ولایت است ظهور

صاحب فضیلت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اہل بیت میں اللہ تعالیٰ نے خاتم ولایت کو بھیجا تا کہ احکام اسلام میں ولایت محمدیہ کے اجمال کو تفصیل میں بدل سکیں۔

کـرم صـاحـبِ زمـان مهدی
کـرد ظـاهـر حـقیقت احدی
گشت کـونیـن زنده ابدی
هـرچـه هست از ولایت است ظهور

صاحب الزماں حضرت مہدی (موعود) علیہ السلام نے تشریف لاکر بڑا کرم کیا۔ آپؑ نے مقام احد کی حقیقت بیان کی اور طالبوں کو احدیت کا عرفان بخشا۔ جب طالبان مولیٰ تعالیٰ معرفت الٰہیہ سے بہرہ ور ہوئے تو گویا کونین کو حیاتِ ابدی حاصل ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ ولایت محمدیہ کا طفیل ہے۔

ھر کہ تلقین شد از خجستہ دمش
بدمی پرشد از ملک قِدمش
محدشش نفی گشت در قِدمش
ھرچہ ھست از ولایت است ظھور

جوکوئی آپؑ کی مبارک دَم (سانس) سے تلقین ہوا یعنی حضرت خاتم ولایت محمدیہ نے جس طالب مولیٰ کو اپنی ''الا اللہ تو ہے'' والی سانس سے دم دیا یعنی تلقین کیا تو اُس کا قدم تک الا اللہ سے پُر ہوگیا۔ اُس طالب کا وجود ظاہری جس کو حدث یا بدعت کہتے ہیں اُس کے قدم میں فنا ہوگیا۔ وہ اعیان ثابتہ میں پہنچ گیا کیونکہ سارے ظاہری حجاب دور ہوگئے۔ اس طرح ولایت محمدی سے فیض یاب ہوگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلوک کی یہ منزل ایک آن میں طئے ہوگئی ورنہ برسوں کی ریاضت ہوتی تھی۔

چوں قرآن بیان کرد آں شاہ
گفت نقطہ اش مراد اللہ
کرد ھر دل علوم حق آگاہ
ھر چہ ھست از ولایت است ظھور

جب اُس شاہ (حضرت مہدی خاتم ولایت محمدیہؐ) نے قرآن مجید کا بیان طالبوں کو سنایا تو اس بیان کا ہر ایک نقطہ مراد اللہ سے موصوف تھا' برخلاف مفسرین کے جنہوں نے اپنے علم وفہم کے مطابق کلام الٰہی کی شرح کی اور بعض مقامات اُن کے لئے مشکل ہوگئے لیکن خاتم الولایت محمدیہؐ کا بیان ایسا تھا کہ ہر دل طالب' علوم حق سے آگاہ ہوگیا۔ اس طرح ہر چیز ولایت محمدیہ سے فیضیاب ہوئی۔

پیش ازیں راہ دین کہ بستہ شدہ
زلصوصان دین شکستہ شدہ
زقدومش کنون گسستہ شدہ
ھرچہ ھست از ولایت است ظھور

آپ کے آنے سے پہلے دین کا راستہ بند ہوگیا تھا۔ کیونکہ دین حق میں چوری کرنے والے ظاہری علماء نے دین کا راستہ توڑ دیا تھا اور راہ حق بند ہوگئی تھی۔ لیکن حضرت مہدیؑ کی تشریف آوری سے علماء سو کی سب بندشیں ٹوٹ گئیں اور اس طرح ولایت محمدیہ سے دین کو استحکام حاصل ہوا۔

بــــار ک الـلـــــه یـــا امــام هــدیٰ

مـــاحــی اسـم ورسـم وبـدع و غـویٰ

مــحــی دیــن و دل زفـیـض خــدا

هـرچـه هست از ولایـت است ظـهور

اے امامِ ہدیٰ اے ہادیٰ اے مہدیٰ بارک اللہ ۔ آپ اسم ظاہر ومفروضہ رسم بدعت اور گمراہی کومٹانے والے ہیں ۔فیض خدا تعالیٰ سے طالبوں کے دین اوردل کوزندہ کرنے والے ہیں اوراصل میں ولایت محمدیہ ہی سے ہرامر کاظہور ہورہا ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورولایت'' خاتم ولایت محمدیہ نمبرا گسٹ ستمبر ۲۰۰۱ء)

دعوتِ توحید

جس زمانہ میں حق تعالیٰ نے حضرت سید محمد (جونپوری) کو منصبِ مہدیت موعودہ پر فائز کیا اس وقت مسلمان روح اسلام سے بیگانہ ہو چکے تھے ۔وہ زبان سے اپنے آپ کو مسلمان ضرور کہتے تھے لیکن تقاضائے توحید سے غافل ہو چکے تھے ۔اس طرح ان کے ایمان اوراسلام کی بنیادیں متزلزل ہو چکی تھیں ۔ایسے میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کے وعدے کے مطابق مہدی موعود کا ظہور ہوا اورآپؑ نے اپنی ماموریت کا مقصد ان الفاظ میں ظاہر کیا۔

(من) خلق را سوی توحید وعبادت دعوت می کنم ومن مامور برائی ایں کارام از حضرت باری تعالیٰ۔(انصاف نامہ)

ترجمہ: میں مخلوق کوتوحید اورعبادت کی دعوت دیتا ہوں اور میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس کام کے لئے مامور ہوں ۔''

توحید ہی وہ عقیدہ ہے جس کی تعلیم تمام کتب منزلہ میں دی گئی ہے ۔ چنانچہ کسی شخص نے حضرت بندگی میراں سید محمد مہدی موعودؑ سے سوال کیا کہ تمام قرآن مجید کی مراد ایک جملہ میں بتادیجئے تو آپ نے فرمایا۔ **مـراد تـوریـت وانجیـل وزبـور وفـرقـان و وحـدانیت دی بیکه کلمه بگویم که لاَاِلٰهَ اِلاَّ الله مـراد تمام ایں کلمه است** (ترجمہ) توریت انجیل زبور فرقان اور اللہ کی وحدانیت کی مراد ایک جملہ میں بیان کرتا ہوں کہ تمام کی مراد لا الہ الا اللہ ہے اور سورۂ محمد میں آیت شریفہ **فـاعـلـم انه لاَاِلٰهَ اِلاَّ الله** سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ کلام اللہ کی مراد یہی کلمہ طیبہ ہے۔

لیکن کلمہ طیبہ کا زبان سے ادا کردینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کو سمجھنا اوراس کے تقاضوں پرعمل کرنا ضروری ہے۔ یہ اسی صورت

میں ممکن ہے جب کہ ایمان قلب میں جاگزیں ہو۔ مجرد زبان سے کہنے اور قلب میں جگہ دینے والوں کے بارے میں کلام الٰہی میں ارشاد ہوا۔ **قالوا امنا بافواھم ولم تومن قلوبھم** (پارہ ۶ رکوع ۱۰) انہوں نے اپنے منہ سے کہہ دیا کہ ہم ایمان لائے لیکن (حقیقت میں) ان کے دل ایمان نہیں لائے۔'' اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگ سچے مومن ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کی زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ۔ یہ صفت نفاق ہے۔ قرآن شریف میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ **ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمومنین** ''اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں کہ جو کہتے ہیں ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان والے نہیں'' (پ ارکوع ۲) کلام الٰہی کی یہ حقیقتیں اس عہد کے مسلمانوں میں پوری طرح شائع اور رائج ہو چکی تھیں۔ اس لئے حضرت سید محمد علیہ السلام نے مسلمانوں کو جتایا کہ ان کا **لاَاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** صرف کہہ دینا صفت نفاق کا حامل ہو چکا ہے۔ **لاَاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** گفتن صفت منافقان است کہ نفس ایمان ہم ندارند کسے کہ نفس ایمان ہم نہ دارد از عذاب خدا چگونہ زہد (ترجمہ) (صرف زبان سے) کہنے کا **لاَاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** منافقوں کی صفت ہے جو نفس ایمان بھی نہیں رکھتے اور جو شخص کہ نفس ایمان بھی نہیں رکھتا خدا کے عذاب سے کیوں کر نجات پائے گا۔ (انصاف نامہ)

اسی لئے آپ لوگوں کو توحید حقیقی کی تعلیم دیتے تھے اور اخلاق اسلامی کا پیکر بنانا چاہتے تھے۔ یعنی **ویقول الناس اعبدو اللہ وحدہ ولا تشرکوا بہ جلیاً ولا خفیاً ویامرھم بالعدل والاحسان والعفان عبادون ذلک وصدق المحبۃ والاخلاص والایمان الکامل** (ترجمہ) آپؑ لوگوں سے فرماتے کہ اللہ کی بندگی کرو کہ وہ ایک ہے اور شریک مت کرو کسی کو اللہ کے ساتھ نہ ظاہر میں نہ باطن میں اور مہدی تم سب کو عدل احسان اور اسی پر پورا پورا ایمان لانے کا حکم کرتے ہیں۔ توحید یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ذات وصفات کے اعتبار سے یکتا مانیں۔ لیکن شرک توحید کی ضد ہے کہ ذات الٰہی میں دوسرے کو شریک کریں اور صفات ربانی سے غیر کو متصف قرار دیں۔ اسلام توحید کی تعلیم دیتا اور شرک کو گناہ عظیم اور حرام قرار دیتا ہے۔ ایک سچا مسلمان تارکِ شرک اور عامل توحید ہوتا ہے نہ صرف اس کی عبادت بلکہ اس کا جینا اور مرنا بھی صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہوتا ہے اور یہی قرآن شریف کی تعلیم بھی ہے۔ **قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین** (ترجمہ) کہہ دو بے شک میری نماز اور میری قربانی زندگی اور موت، صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ (پ ۸ رکوع ۷)

اس طرح مسلمان کی زندگی کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے کہ اس میں شرک کے لئے گنجائش نکل سکے اور غیر اللہ کی مرضی اور حکم چل سکے۔ اس لئے حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے شرک جلی اور خفی کی نہی فرمادی۔ شرک خفی کے سلسلہ میں قرآن کی یہ آیت کافی ہے۔ **ارایت من اتخذ الھۃ ھواہ** کیا اے محمدؐ آپ نے اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے؟ اس کو حضرت خاتم

المرسلین ﷺ نے بھی یوں فرمایا کہ (بغض اله عبد فی الارض عند الله تعالٰی هوا لهوىٰ) (اخرجه طبرانی عن ابی امامة) ترجمہ: آلہ باطل جن کی دنیا میں پرستش کی جاتی ہے ان میں اللہ تعالیٰ کے پاس انتہائی مبغوض نفس ہے۔ نفس کی بندگی یعنی شرک خفی سے چھٹکارا پانے کے لئے جہد عظیم کی ضرورت ہے جس کو حدیث شریف میں جہاد اکبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قیل وما الجهاد الاکبر . قال مجاهدة العبد هواه (ترجمہ) سوال کیا گیا کہ جہاد اکبر کیا چیز ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ بندہ اپنی ہوائے نفس سے مجاہدہ کرنا (بڑا جہاد ہے)'' دوسری حدیث میں ہے عن فضالة الكامل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المجاهد من نفسافی اطاعة الله الخ (شعب الایمان) فضالہ کامل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجاہدہ ہے جو اللہ کی طاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔

حدیث شریف میں مہدی موعود کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ یملاء الارض قسطاً وعدلا كما ملئت ظلما وجـــوراً مہدی زمین کو جو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسی وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی۔ اسی ارشاد رسالت پناہی کے مصداق حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے عدل وانصاف پر زور دیا۔ واضح ہو کہ ظلم، عدل کی ضد ہے اور ظلم کی تشریح آیت قرآنی میں یوں فرمائی گئی ہے۔ ان الشرک لظلم عظيم (ترجمہ) بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اس ظلم یعنی شرک کو ترک کرنا عدل حقیقی ہے۔ عدل کے ساتھ ساتھ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے احسان کی بھی تاکید کی ہے۔ اور احسان کی تشریح حدیث جبرئیلؑ میں اس طرح کی گئی ہے۔ قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد الله كانک تراه فان لم تكن تراه فانه يراک الخ (مسلم) (ترجمہ) پوچھا کہ احسان کے بارے میں بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کی عبادت اس طرح کرنا گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر تجھ سے یہ ممکن نہ ہو کہ تو اسے دیکھے (تو سمجھ لے کہ) بے شک وہ تو تجھے دیکھتا ہے۔ احسان یا خدا کو دیکھنا بصیرت کہلاتا ہے۔ جس کی دعوت کا حضرت خاتم النبیین ﷺ کا بھی حکم ہوا تھا۔ قل هٰذه سبيلى ادعو آ الى الله على بصيرة انا ومن اتبعنى (پ۱۳ ارکوع ۱۲۶) ترجمہ: کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بصیرت پر بلاتا ہوں اور وہ بھی جو میری اتباع (کامل) کرے گا۔ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر صاحبان نے بصیرة کا ترجمہ بینائی کیا ہے یہ ترجمہ حدیث احسان کے عین مطابق آیت شریفہ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم کا تابع تام بھی دعوت بصیرة یعنی دیدار حق کی طرف بلایا اور اس نعمت کو حاصل کرنے کے لئے ماسوا اللہ سے پرہیز حق تعالیٰ سے سچی محبت اخلاص اور ایمان کامل اپنے آپ میں پیدا کرنے کی ہدایت فرمائی۔ جب مسلمان اس راستہ پر گامزن ہوتا ہے تو توحید حقیقی کا حامل بن جاتا ہے حق تعالیٰ ہر مومن کو سچا موحد بنا دے۔ آمین

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورولایت'' اگسٹ ۱۹۹۱ء)

اورشیطان مسلمان ہوگیا

حضرت بندگی میاں عبدالملک سجاوندیؒ نے لکھا ہے کہ:

وھکذا اخبر المھدی علیه السلام ان شیطانه ایضا اسلم عنده وھو الخبیر المشھور بین الناس منه ھذا ذکر ابن الحمید فی تر جیعه

مـــانـدھــمزاد ابن وآں کـــافـر شد مسلمـاں بھر دو تن ھمزاد

وضـع صـورت بـدیں تمام اُو کرد در دیـنِ مـعـانی ایں بکشـاد

ترجمہ: ایسی ہی خبر مہدی علیہ السلام نے بھی دی ہے کہ آپ کے ہمراہ جو شیطان پیدا ہوا تھا وہ بھی آپؑ کے حضور میں مسلمان ہوا۔ یہ خبر آپؑ کے تمام لوگوں میں مشہور ہے۔ چنانچہ اس کو میاں الہداد بن حمیدؒ نے اپنے ترجیع بند میں اس طرح نقل کیا ہے کہ

ہر ایک کا ہمزاد کافر رہا

محمدؐ اور مہدیؑ کا ہمزاد مسلمان ہوا

''محمدؐ نے دین کی وضع وصورت کو تمام کیا اور مہدیؑ نے معنی دین کا دروازہ کھول دیا''

اس نقل شریف میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ شیطان کا ساتھ پیدا ہونا' دوسرے یہ کہ اُس کا مسلمان ہو جانا۔ اس مضمون کی تائید حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث سے ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ حدیث یہ ہے۔

عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما منکم من احد الا وقد وکل الله به قرینه من الجن وقرینه من الملائکة قالو وایاک یا رسول الله قال وایای ولکن الله اعاینی علیه فاسلم فلا یامر نی الا بخیر (رواہ مسلم)

ترجمہ: ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص پر اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں مقرر فرمائی ہیں جو اس کے ساتھ رہتی ہیں ایک جن دوسرا فرشتہ۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا یہ دونوں قوتیں آپ کے ساتھ بھی ہیں؟ فرمایا جی ہاں میرے ساتھ بھی ہیں۔ لیکن شر کی قوت کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے۔ اس لئے میں اس کے فریب سے محفوظ رہتا ہوں مجھ کو وہ (بُری قوت بھی) بھلائی ہی کا مشورہ دیتی ہے۔ (ترجمان السنۃ صفحہ ۳۷۶)

اس مضمون کی تائید حضرت عائشہؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور آپ فرماتی ہیں کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے کہیں تشریف لے گئے مجھے آپ پر غیرت آئی (اور اس خیال میں پڑ گئی کہ آپ کہیں کسی دوسری بی بی کے یہاں تشریف

نہ لے گئے ہوں) اتنے میں آپؐ تشریف لائے اور آپؐ نے میری پریشانی کا حال دیکھا تو فرمایا۔ اے عائشہ ایسی پریشان کیوں ہو کیا تم کو مجھ پر غیرت آگئی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ جیسی بی بی آپ جیسے شوہر پر بھلا غیرت کیسے نہ کرتی؟ آپ نے فرمایا۔ **لقدجاءک شیطانک** (تمہارے دل میں یہ وسوسہ اس شیطان نے ڈال دیا ہے جو تمہارے ساتھ رہتا ہے) بی بی عائشہؓ نے پوچھا **یارسول اللہ اُمعی شیطان** (یارسول اللہ میرے ساتھ کوئی شیطان ہے) آپ نے فرمایا جی ہاں۔ پھر بی بی نے پوچھا یارسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا میرے ساتھ بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے مقابلے میں ہمیشہ میری مدد فرماتا ہے تو میں اس کے مکر وفریب سے محفوظ رہتا ہوں'' (مسلم شریف)

حدیث مذکورہ میں شیطان کے فرمانبردار ہوجانے کے سلسلے میں ربانی اعانت ومدد کا ذکر آیا ہے۔ یہ امداد کس طرح حاصل ہوئی؟ دوسری حدیث شریف میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے (اُس زمانے میں آپ بی بی حلیمہ کے پاس تھے) اُس وقت آپ بچوں کے ساتھ کھیل دیکھنے میں مشغول تھے۔ انہوں نے آپؐ کو پکڑ کر لٹا دیا اور قلب مبارک چیر کر اس میں سے خون بستہ کا ایک ٹکڑا نکال دیا اور کہا'' **ھذا حظ الشیطان منک** '' آپؐ میں یہ تھا شیطان کا حصہ (جس کو میں نے نکال کر پھینک دیا ہے) پھر آپؐ کے قلبِ مبارک کو زمزم کے پانی سے ایک سونے کے طشت میں ڈال کر دھویا پھر اس کو سی دیا اور اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ بچے آپ کی دودھ پلائی کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور اطلاع دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو قتل کردیئے گئے۔ لوگ آپ کو دیکھنے کے لے نکلے تو آپ کا رنگ فق پڑا تھا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ اس سلائی کا نسان آپ کے سینہ مبارک میں دیکھا کرتا تھا۔ (مسلم شریف)

حقیقت یہ ہے کہ نورِ محمدی حضرت آدم علیہ السلام سے گزرتا ہوا حضرت عبداللہ (والد ماجد آنحضرت صلعم) تک پہنچا۔ مختلف افراد سے گزرنے کے باعث خواص بشریہ اس نور پاک سے مل گئے تھے۔ لیکن حق تعالیٰ کا منشاء تھا کہ آپ کا قالب بھی تمام دوسرے انسانوں سے علیحدہ اور ممتاز رہے۔ اس لئے مقدس فرشتے نے شیطانی حصہ نکال پھینکا اور مقدس پانی سے قلب مبارک کو دھو دیا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ آپؐ کے جسدِ اطہر میں یہ حصہ پیدائشی طور پر رکھا ہی نہ جاتا' لیکن جب آپؐ کا نور عالمِ اسباب آدم علیہ السلام سے منتقل ہونے لگا تو خواص بشریہ بھی کچھ اُس سے مل گئے۔ نیز حق تعالیٰ اپنی خصوصی پرورش کا اظہار بھی فرمانا چاہتے تھے۔ اس لئے جبرئیلؑ کے ذریعہ قلبِ مبارک کی تطہیر عمل میں آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان اپنی ابتدائی تشکیل میں خون بستہ بھی ہوتا ہے اس کو مغمز شیطان کہتے ہیں۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ مغمز آپ کے والد کی طرف سے تھا۔ نورِ محمدیؐ کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ پس اسی کو آپؐ کے بچپن ہی میں نکال پھینک دیا گیا۔ غرض اس طرح حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائی طفولیت ہی سے شیطان کی سرکشی اور شیطنیت سے محفوظ ومامون ہوگئے اور شیطان آپ کا مطیع وفرمانبردار ہوگیا۔ چونکہ مسلمان کا مطلب خدا کا فرمانبردار ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ آپؐ کا شیطان مسلمان ہوگیا۔ اب وہ آپؐ کو فریب نہ دے سکتا تھا۔ صرف بھلائی ہی کا مشورہ دے سکتا تھا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے۔

اس نقل شریف میں حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے خود خبر دی ہے کہ **ان شیطانہ ایضا اسلم عندہ** یعنی آپ کا شیطان بھی آپ کے حضور میں مسلمان ہوگیا۔ حضرت میاں عالم باللہؒ نے لکھا ہے کہ آپؑ کی یہ نقل آپؑ کے اصحاب وتابعین میں مشہور تھی۔ یہاں تک کہ حضرت الہداد حمیدؓ نے آپؑ کی اس خصوصیت کو نظم بھی کر دیا اور تابعی کبیر حضرت میاں ولی یوسفؒ نے حاشیہ شریف میں یہ نقل درج کی ہے کہ ''**خناس رسول علیہ السلام ومیراں علیہ السلام ایں ہر دو خناساں مسلمان بودند** (صفحہ ۱۵۶)

ترجمہ: رسولؐ کا خناس اور مہدیؑ کا خناس دونوں خناس مسلمان تھے'' اس نقل شریف سے یہ بھی وضاحت ہوجاتی ہے کہ مندرجہ بالا حدیث ونقل میں جس شیطان کا ذکر ہے دراصل وہ خناس ہے۔ خناس شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ'' **الْخَنَّاسِ o الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ o مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ o** ترجمہ: خناس جو انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے (اور وہ) جنوں میں سے اور انسانوں میں سے (ایک ہے)۔ خناس کے معنی پیچھے ہٹ جانے والے کے ہیں اور شیطان جو وسوسہ اندازی کرتا ہے تو پیچھے ہٹ کر ہی کرتا ہے۔ روبرو نہیں آتا۔ شیطان یا جن پوشیدہ رہتے ہیں۔ اگر انسان ہوں تو بھی' ملے جلے نا قابلِ شناخت رہتے ہیں۔ خناس کا شر ایسا ہے کہ اس سے عام انسانوں کو پناہ مانگنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے تین ناموں کا واسطہ دیا گیا ہے۔ یعنی رب' ملک' الہ۔ خناس کے وسوسے ربوبیت' حاکمیت اور الوہیت کے بارے میں ہی خاص طور پر ہوتے ہیں۔ اس لئے بھی خدا تعالیٰ کے ان مقدس اسماء کے ذریعہ پناہ حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اگرچہ نقل شریف میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کا شیطان کس طرح مسلمان ہوگیا لیکن جس طرح حدیث میں بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اعانت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہوگیا تھا۔ ایسی ہی اعانت حضرت مہدی علیہ السلام کو حاصل ہوئی۔ چنانچہ نقل ہے کہ **حضرت میراںؑ نیز ذات خود را نمودہ فرمودند کہ ایں ولایت مصطفی است۔ وقال علیہ السلام ارواحنا اجسادنا ارواحنا** حضرت مہدیؑ نے اپنی ذات کو بتلا کر فرمایا کہ یہ مصطفیٰ کی ولایت ہے۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہمارے ارواح ہمارے اجساد ہیں اور ہمارے اجساد ہمارے ارواح ہیں۔ اس جہت سے ثابت ہوا کہ جو کچھ نبیؐ کا شرف بیان کیا جائے وہ سب مہدیؑ کا شرف ہوگا اس لئے کہ مہدی انس ولایت (محمدیؐ) کا خاتمہ ہے۔'' (صفحہ ۱۸' رسالہ تسویت الخاتمین) پس حضرت مہدیؑ کا شیطان بھی اسی طرح مسلمان ہوگیا۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان ہوا تھا۔ ونیز خناس کے وسوسہ نفس انسانی میں ہوتے ہیں۔ ارواح میں نہیں ہوتے اور انوار میں نہیں ہوتے۔ چونکہ حقیقت مہدی نورِ محمدی ہے اس لئے خناس کے وسوسوں کی یہاں گنجائش ہی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے جو منتخب بندے ہوتے ہیں اُن پر شیطان کا تسلط ہو ہی نہیں سکتا۔ جب کہ قرآن شریف میں ارشاد ہوا ہے۔ **ان عبادی لیس علیھم سلطان** (سورہ حجر آیت نمبر ۴۲) ترجمہ: بے شک جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تجھ کو کچھ بھی تسلط نہیں ہوسکتا'' اس آیت شریفہ کے مخصوص مصداق حضرات خاتمین علیہما السلام ہیں کیونکہ ''مقام عبداللہ'' پر فائز ہیں۔

اہلِ دانش

خَلَقَ الاِنسَانَ. عَلَّمَہ' اَلبَیانَ کے بموجب حضرت بندگی میراں علیہ السلام ہرروز بعد نماز عصر مجلس بیان میں اسرار و معارف قرآن مجید بیان فرمایا کرتے تھے۔اس بیان کا ہرطرف چرچا تھا،لوگ دور دور سے اس بیان کو سننے کے لئے حاضر ہوتے ، اگرمسجد کے اندر بیٹھنے کی جگہ نہ ملے تو مکانوں کی چھت یا درختوں پر چڑھ کر یہ بیان سنتے اور معجزہ یہ تھا کہ نزدیک بیٹھنے والا ، اور دور کھڑے رہنے والا ، حضرت بندگی میراںؑ کی آواز یکساں طور پر سنتے تھے ، حضرت میراں ، سامعین پر نظر ڈالتے اور سننے والوں میں جو صاحب فہم وذکاء ہوتا ، اُسے اپنے قریب بُلاتے اور دوسروں سے فرماتے کہ انہیں جگہ دو۔

بندگی میاں ولی یوسفؓ لکھتے ہیں کہ **حضرت میرانؑ فرمودند که اگر کسے فهیم باشد اُورا نزدیک طلبید وخود طلبیدند که نزدیک بیائید، و یاران را فرمودند که جائے بدهید۔**

و نیز چند بار دیدم که در دعوت ، ایشان پسِ برادرانِ دائره می نشتند مگر آں که کسے فهیم باشد یا خواننده بودے اُورا نزدیکِ خود طلبیدند خواه فقیر و خواه غنی ۔

ترجمہ: حضرت مہدیؑ سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص سمجھدار (فہیم) ہو تو اُس کو نزدیک بلاؤ اور خود بھی فرماتے تھے کہ نزدیک آؤ اور یاروں کو فرماتے کہ جگہ دو۔

حضرت مہدیؑ کی اتباع میں حضرت بندگی میاں شاہ خوندمیر رضی اللہ عنہ کا معمول میاں ولی یوسفؓ نے چند بار دیکھا کہ بیان (کے موقع) پر تو انگر برادران دائرہ کے پیچھے بیٹھتے تھے مگر اِن میں جو شخص کہ سمجھ دار (فہیم) یا پڑھا لکھا ہوتا اُس کو اپنے نزدیک کرتے خواہ فقیر ہو یا تو انگر (انصاف نامہ باب ششم صفحہ ۱۶۱)

خلاصہ یہ کہ سامعین بیان میں اہل دانش وفہم افراد پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔

اسرار ومعارف قرآن کا تقاضہ ہے کہ سننے والے صاحبان فہم ہوں کہ وہی کتاب اللہ کے معارف کو سمجھنے کے قابل ہوتے ہیں۔انہی میں استفادہ کی زبردست صلاحیت ہوتی ہے اور وہ بیان کی ماہیت کو سمجھ کر دوسروں کو سمجھانے کے قابل ہوتے ہیں۔یعنی اہل دانش کی وجہ سے استفادہ عام ہوسکتا ہے اور اہل دانش کا گروہ تعلیمات کے حقیقی مطلب کو سمجھ کر خود عمل کرنے اور حقائق کو دوسرں تک پہنچانے کے قابل ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں حضرت مہدیؑ، اہل دانش کا انتخاب کرتے تھے تا کہ ولایت محمدیہ کی باتیں عام ہوسکیں۔

دوران ہجرت حضرت مہدی علیہ السلام مختلف مقامات پر گئے ، اور معمولاً اپنا بیان قرآن جاری رکھا ، اور ہر جگہ نئے سامعین آپؑ کے بیان میں استفادے کی غرض سے حاضر ہوتے اور ہر مجلس میں اہل دانش کو مقام قرب عطا کیا گیا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیام مہدیؑ کو پہنچانے کی ذمہ داری ، اہل فہم کو دی جاتی تھی ۔غرض حضرت مہدیؑ نے اشاعتِ دین و مذہب کی جو کوشش

فرمائیں اس کی وجہ سے آپ کا گروہ سمجھ داروں کا ایک خاص گروہ بن گیا۔

آگے چل کر دیکھا جاتا ہے کہ حضرت مہدیؑ نے اپنے گروہ کی جو خصوصیات بحکم الٰہی ظاہر فرمائیں اُن میں فہم و دانش کا نشان بھی ملتا ہے۔ ہژدہ آیات میں صفت گروہ مہدی ان الفاظ میں ملتی ہے۔

قَوْلَہٗ تعالیٰ. لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً و علی جنوبھم . الخ

رُوی عن المہدی الموعود ، اَنّہ قال . ان اللہ تعالیٰ اَمَرَ لی اَن المراد مِن اُولی الالباب . قَومَک فقط. اقول الحق ماقال

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (بہتری نشانیاں میں) عقل مندوں کے لئے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے، روایت کی گئی ہے کہ مہدی موعود نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم کیا ہیکہ ''اولی الالباب'' سے مراد فقط تیری قوم ہے۔

بندگی میاں عبدالغفور سجاوندی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں ''میں کہتا ہوں حق وہی ہے جو امامؑ نے فرمایا۔ کیونکہ وہ لوگ (گروہ مہدویہ) تمام اُمت میں سے ثابت قدم ہیں، اللہ کی مختلف صفتوں میں غور وفکر کرنے کے لئے اور ہر حالت یعنے کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں۔ اور صداقت کی زبان سے کہنے والے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے اس کو بے فائدہ نہیں بنایا، تیری ذات پاک ہے۔ پس ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے اور (اہل دانش) ان باتوں میں مخصوص ہیں یعنے ان کی خصوصیتیں ہیں، مثل توکل، تسلیم، بذل انفاق، مروت اور حلم اکثر احوال محمودہ ہیں اور یہ باتیں ان میں مشہور ہیں، خاص و عام میں سے کسی پر پوشیدہ نہیں ہیں۔

اُولوا الالباب. الباب ، لُبّ کی جمع ہے لُب کسی چیز کے خلاصہ یا مغز کو کہتے ہیں اور انسان میں لُبّ اُس عقل خالص کو کہتے ہیں جو ہر قسم کے شائبہ سے پاک ہو، یعنے خالص عقل۔

اولی الالباب کی دو بڑی صفات بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اہل دانش ہر حال میں ذکر اللہ کرتے ہیں اور خلق میں فکر کرتے ہیں۔ اس فکر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پکار اُٹھتے ہیں کہ **ماخلقت ھذا باطلاً** یعنے حق تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک حقیقت بنائی ہے اور اس کی تخلیق کی ایک غرض بھی ہے۔

اہل دانش یہ کہتے ہیں کہ **سبحانک فقنا عذاب النار**. یہ خلق میں فکر کرنے کا نتیجہ ہے اگر چہ ہر چیز باطل نہیں ہے اور ہر شئے کی ایک حقیقت اور غرض ہے لیکن مخلوقات کمال، اہل دانش کی رہبری کرتا ہے کہ ان کا خالق خود نہایت کمال والا اور اعلیٰ وارفع ہے اور ہر انسان کو اسی کی طرف رجوع ہونا چاہیئے۔ ولایت محمدیہ کی تعلیمات کے لئے اہل دانش کی ضرورت تھی اس لئے حضرت بندگی میراںؑ نے اہل دانش کا گروہ ترتیب دیا اور تعلیمات مہدویہ کے حاملین میں اہل دانش ایک خصوصیت رکھتے ہیں۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورولایت'' خلیفۃ اللہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نمبر جون' جولائی ۲۰۰۵ء)

تبلیغ حضرت شاہ نعمتؓ

حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے اصحاب میں بندگی میاں نعمت رضی اللہ عنہ جذبہ مذہبی اور عمل کے اعتبار سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ استقامت علی الحق اور اشاعت حق میں پیش پیش رہتے تھے۔ عہد مہدی موعودؑ میں جب آپ گجرات سے فرح جارہے تھے تو بہت سے مصدقین نے دنیا ترک کر کے امام الزماں علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور صحبت اختیار کرنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ حضرت شاہ نعمتؓ نے ان کے جذبہ مذہبی کی قدر کر کے ان طالبان مولیٰ کو اپنے ساتھ لے لیا اور ان کے اخراجات سفر اس فتوح میں سے ادا کئے جو حضرت مہدی علیہ السلام کے لئے روانہ کی گئی تھی۔ مہاجرین کی یہ جماعت اپنے صدقِ جذبہ کی وجہ سے گروہ میں رحمۃ اللّٰہی جماعت کہلاتی ہے۔ (دیکھو دفتر اول شاہ برہانؒ)

روایت بالا سے ظاہر ہے کہ حضرت شاہ نعمتؓ نے ایسے افراد کی بلا تامل مدد کی جو اپنے عقیدے و مذہب کے فرائض ادا کرنے کا دلی اشتیاق رکھتے تھے۔ لیکن اسباب ظاہری سے محروم تھے۔ ان کی یہ مدد'' تعاونوا علی البر والتقویٰ'' کے حکم قرآنی کی متابعت تھی۔ اس طرح جماعت مذکور فرائض مذہبی پر عمل کرنے کے قابل ہوئی۔ حضرتؓ کا یہ عمل بھی ترویج واشاعت مذہب میں تعاون کی حیثیت رکھتا ہے۔

جب حضرت شاہ نعمتؓ گجرات سے دکن تشریف لے جارہے تھے راستہ میں سات یا دس گجراتی بے روزگار سپاہی ملے جو نوکری کی تلاش میں برہان پور جارہے تھے۔ دریافت کرنے پر انہوں نے اپنا مقصد بیان کیا۔ حضرتؓ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں نوکری کرو اور وہی تنخواہ یہاں بھی ملے گی۔ ہر شب اپنی تنخواہ ہم سے حاصل کر لینا۔ پھر ان سواروں نے اپنے گھوڑے باندھ دیئے اور پوچھا کہ کیا خدمت ہے فرمایئے۔ حضرتؓ نے انہیں تلقین کا اور حجروں میں بٹھایا اور ذکر اللہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ اس کام میں مشغول ہو گئے۔ جب انہوں نے بیان قرآن سنا تو بے حد متاثر ہوئے۔ شام ہوتے ہی جو کچھ خدا تعالیٰ بھیجتا تھا حضرت ان لوگوں کو دے دیئے تھے اور کچھ نہ ہوتا تو قرض لیتے تھے۔ دائرے کے برادروں نے حضرتؓ سے عرض کیا۔ آپ کتنے دن اس طرح قرض کر کے دیں گے۔ حضرتؓ نے فرمایا کہ کل معلوم ہو جائے گا۔ اگر یہ لوگ خدا کے طالب ہیں تو ہرگز وہ قبول نہیں کریں گے۔ اگر دنیا کے طالب ہیں تو دائرے میں نہیں رہ سکیں گے۔ اس کے بعد سات اشخاص طالب مولیٰ بن کر دائرے میں رہے اور تین بھاگ گئے۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت شاہ نعمتؓ کی ساری کوشش یہی تھی کہ لوگ مذہب مہدویہ کے پیرو بن جائیں اور آپؓ مختلف طریقوں سے انہیں ترغیب دیا کرتے تھے۔ اس تبلیغی کوشش میں بندگان خدا کے فائدے بھی پیش نظر تھے۔ کیونکہ دنیا کے لوگ،

طالب مولیٰ بن جائیں تو ان کی دنیا وآخرت میں فلاح یقینی ہوسکتی ہے۔اس طرح حضرتؒ نے نبی کریم صلعم کی حدیث مبارک پر عمل کر دکھایا کہ **خیر الناس من ینفع الناس** ”یعنی سب سے بہتر وہ شخص ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔

اس روایت سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت شاہ نعمتؒ نے تبلیغ واشاعت ان طریقوں پر عمل نہیں کیا جو فرسودہ ہو چکے تھے۔اور جن میں ابتداء ہی سے تصدیق واقرار کا مطالبہ ہوتا تھا۔اس کے برخلاف حضرتؒ نے یہ عملی طریقہ مناسب سمجھا کہ حقیقی مذہب کی ذراسی جھلک انہیں دکھادی جائے تاکہ وہ مکمل تجلی کے طالب بن کے مذہب حقّہ کو اختیار کریں۔اور جب اس طرح تجربے کے بعد وہ مذہب اختیار کرتے تو ایسا مذہب ان کے دل میں بیٹھ جاتا تھا۔میرا تو یہ خیال بھی ہے ک اس میں خود حضرت ممدوحؒ کے تصرف کو بھی دخل رہا ہوگا۔کیونکہ قلیل ترین مدت میں ان نو واردوں نے حق کو جان لیا اور معلوم کرلیا ورنہ اس کشف کے لئے مدت درکار ہوتی ہے۔ اگر یہ خیال صحیح ہو تو یہ بھی ثابت ہوگی کہ حضرت شاہ نعمتؒ یا دوسرے مہدوی بزرگ اشاعت مذہب کے لئے اپنی روحانی قوت سے کام لیتے تھے۔واقعی روحانی قوت کا اس سے زیادہ بہتر استعمال اور کیا ہوسکتا ہے؟

(مطبوعہ پندرہ روزہ ”نور ولایت“ ۱۵/جون ویکم جولائی ۱۹۸۰ء)

دیدار جونپور

مدت دراز سے جونپور کے مہدویہ آثار دیکھنے کا اشتیاق تھا بہ فضل خدا ۱۴/مارچ ۱۹۸۲ء کو وہ دن آیا کہ اس مسافر نے تن تنہا جون پور کی راہ لی۔چنانچہ سکندر آباد اسٹیشن سے ساڑھے بارہ بجے کونارک ایکسپریس سے قاضی پیٹ جنکشن پہنچ گیا پریشانی یہ تھی کہ اس طویل سفر کے لئے ریزرویشن نہ مل سکا تھا۔لیکن میں نے ہمت نہ ہاری ہر حال میں اپنی مراد کو پہنچنے کا تہیہ کرلیا۔شام کے وقت مدراس سے گنگا کاویری ایکسپریس آئی بے شمار مسافروں کی دھکا پیلی میں یہ ناتوان کمپارٹمنٹ میں داخل ہوگیا اور ایک سیٹ بھی مل گئی۔تب خیال ہوا کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام گروہِ مقدس کے اس ناچیز فرد کی پشتی پر ہیں۔الحمدللہ رات ساری بیٹھے بیٹھے اور جاگتے ہوئے گزر گئی۔دوسرا دن طلوع ہوا اور گاڑی بھی فراٹے بھرتی ٹھیک ساڑھے پانچ بجے شام الہ آباد پہنچ گئی۔باہر نکلا تو دیکھا کہ یہاں بارش ہوچکی ہے۔بوندا باندی جاری ہے‘ آسمان ابر کے دامن میں چھپ چکا ہے۔ماحول میں سردی پھیل چکی ہے۔اس سردی سے تکلیف ہونے لگی جب حیدر آباد سے روانہ ہوا تو موسم کافی گرم ہو چکا تھا۔سمجھا کہ شاید شمالی ہند کا بھی یہی حال ہوگا۔اس لئے گرم کپڑے ساتھ نہ لئے۔غرض الہ آباد ریلوے اسٹیشن سے ڈسٹرکٹ بس اسٹانڈ پہنچا۔اور جون پور کے لئے ٹکٹ لے لیا بس چھ بجے شام روانہ ہوئی۔بارش کے چھینٹے تیز ہو چکے تھے۔بس کی کھڑکیوں کے پردے چھوڑ دیئے گئے اس کے باوجود سردی کاٹے کھا رہی تھی۔

ایک مسافر نے اپنے پاس سے ایک زائد چادر دے دی۔ اس کے لپیٹ لینے سے کچھ بچاؤ ہوا۔ بس چل رہی تھی۔ اندھیرے میں منزل کا راستہ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ بڑی دیر کے بعد بس دریائے گومتی کے پل پر سے گذرنے لگی۔ شہر جونپور کی اسٹریٹ لائٹس نظروں کے سامنے جگمگانے لگیں۔ اپنی محبوب منزل دیکھ کر دل بلیوں اچھلنے لگا۔

مورخ شمس سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ جب سلطان فیروز تغلق دوسری مرتبہ بنگال کے باغی سکندر شاہ بن حاجی الیاس کی سرکشی فرو کرنے دہلی سے بنگال روانہ ہوا تو ظفر آباد میں ٹھیر گیا۔ موسم باراں شروع ہو چکا تھا۔ اس لئے یہاں قیام کرنا ہی قرین مصلحت سمجھا گیا۔ اس سال رجب تا ذی الحجہ (مئی تا اکٹوبر و نومبر) چھ مہینے تک مینہ برستا رہا۔ اسی دوران ایک صبح تفریح کرتے کرتے سلطان نے ظفر آباد کے شمال کی جانب چار میل کے فاصلے پر ایک وسیع اور ہموار میدان دیکھا اور اس کی ہمواری سے سلطان بہت متاثر ہوا۔ پھر ان خوش نما عمارتوں کو بھی دیکھا جنہیں رت گڑھ کے گھار و قبیلہ کے معزول راجپوت راج کمار نے بنوایا تھا۔ غرض سلطان نے یہاں ایک شہر بسانے کا منصوبہ بنایا۔ ۷۶۱ ہجری مطابق ۱۳۵۶ء میں نئے شہر کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ اور ۷۷۲ھ میں جونپور مکمل ہو گیا۔ بہر حال یہی گومتی ندی ہے جس کے دامن میں جونپور نے جنم لیا تھا اور اسی کے کنارے کھوکری مسجد میں حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت سید محمد جونپوری کو امانت نبوی سپرد کی تھی اور آپ کے مہدی موعودؑ ہونے کا انکشاف کیا تھا۔

غرض ساڑھے دس بجے بس نے جونپور اسٹانڈ پر اس مسافر کو اتار دیا۔ اس سے پہلے ہی میں نے اُس ہمدرد مسافر کو اس کی چادر واپس کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔ اُترنے کے بعد اطراف کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ساری دکانیں بند ہو چکی ہیں۔ دور دور پر کسی کسی دکان کی لائٹ مدھم ہو کر نظر آ رہی ہے۔ مسافرت' پردیس' رات کا وقت ٹھکانے کا راستہ نا معلوم' اور اپنی اجنبیت اس پریشانی کو محسوس ہی کیا جا سکتا ہے' بیان کرنا مشکل ہے چند اشخاص نظر آئے' ان سے جناب سید اقبال احمد صاحب جونپوری کا پتہ پوچھا' ایک شخص نے پتہ بتایا ضرور' لیکن اجنبی کوچہ و بازار اور' رات کا وقت' آمد و رفت سے مفقود پہنچوں تو کس طرح' راہنما نے رکشا والوں کو بلایا' کوئی بھی چلنے آمادہ نہ ہوتا تھا' خدا خدا کر کے ایک رکشا والا تیار ہوا' اور اندازے پر چلنے لگا' اور اٹالہ مسجد کے پاس لے جا کر چھوڑ دیا۔ کرایہ تین روپئے طئے پایا تھا' میں نے اسے دو دو کے نوٹ دئے اور ایک روپیہ واپس مانگا تو کہنے لگا اتنا ہی کرایہ ہوتا ہے اور اس کے بعد چل دیا' لیکن اقبال صاحب کا پتہ ہنوز معلوم نہ تھا۔ اتنے میں اٹالہ مسجد کے پاس ہی ایک شخص آتا ہوا نظر آیا۔ پتہ پوچھتے ہی اقبال صاحب کے مکان پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر موصوف نکل آئے' ملاقات ہوئی مسرت حاصل ہوئی۔ رات ہو جانے پر معذرت کرتے ہوئے میٹھے سے تواضع کی کمرے اور سونے کا انتظام کر دیا۔ دماغی بار اور جسمانی تھکاوٹ بہت کچھ تھی۔ سکون جو ملا تو خوابِ شیریں نے دامن راحت کو پھیلا دیا۔

۶/ مارچ ۱۹۸۲ء مطابق ۲/ جمادی الاول ۱۴۰۲ھ یوم شنبہ ۹/ بجے صبح حضرت مخدوم شیخ دانیالؒ کی زیارت کی۔ مزار مبارک

تک جناب اقبال احمد صاحب نے رہنمائی کی۔نظروں کے سامنے اس ہستی کی آخری آرام گاہ تھی' جس کا نام اکثر مہدوی خانوادوں میں بوقتِ ذکر حضرت خضر علیہ السلام کے اسم گرامی کے ساتھ تیمناً وتبرکاً لیا جاتا ہے۔ چنانچہ بندگی میاں محمود بن الہ داد بن حمید قریشی رحمۃ اللہ علیہ اور بندگی میاں سید محمود عرف سیدن جی خاتم المرشد رحمۃ اللہ علیہ اور بندگی میاں سید عیسیٰؒ ابن حضرت سید نور محمد خاتم کارؒ نے اپنے رسالوں اور مکتوب میں ذاکر کو کلمات وسیلہ میں بندگی مخدوم دانیال کا نام لینے کا طریقہ بتایا ہے۔حضرت مخدوم کی ولادت شہر بلخ میں ہوئی۔ چونکہ آپ کا گھرانہ دولتِ علم سے مالا مال تھا اس لئے آپ نے علوم ظاہری کی تحصیل وتکمیل اپنے بردار بزرگ سے کی' فاتحہ فراغ کے بعد مسندِ تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ پھر بلخ سے ہجرت کر کے دہلی پہنچے۔ یہاں شاہی ملازمت سے منسلک ہوگئے پھر ملازمت ترک کر کے دہلی سے نکل گئے۔ واقعات مسلمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دلی سے اجمیر پہنچے اور کچھ عرصہ بارگاہِ چشتیہ میں قیام کر کے مشرقی ہندوستان میں مانک پور آ گئے۔ یہاں ایک تنہا حجرے میں ترک علائق کر کے خلوت گزیں ہو گئے۔ پھر یہاں سے بنارس روانہ ہوئے۔ یہاں بھی ریاضت شاقہ میں مشغول رہے تب کہیں حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کو باطنی اذکار کی تعلیم دے کر ارشاد کی اجازت بھی دے دی۔اس کے بعد مخدومؒ جونپور تشریف لائے۔

عبدالرحمٰن چشتی مولف مراۃ الاسرار (سنہ تالیف ۱۰۵۴ھ) نے لکھا ہے کہ مخدوم دانیال سلطان حسین شرقی کے دور میں جونپور تشریف لائے۔اور آپؒ سے میراں سید احمد اور میراں سید محمد نے تعلیم حاصل کی ہے۔ برخلاف اس کے کتب مہدویہ سے مخدوم دانیال کا سلطان حسین شرقی کے دور سے بہت پہلے جونپور آنا ثابت ہوتا ہے۔مثلاً کتاب حجۃ المنصفین سنہ تالیف ۹۵۱ھ میں بندگی میاں ولی یوسفؒ لکھتے ہیں کہ میاں شیخ دانیال ایک سپاہی کی حیثیت سے امام مہدیؑ کے قبیلہ میں ملازمت کرتے تھے۔لیکن بعد میں طلبِ مولیٰ کی خاطر ملازمت ترک کردی۔(صفحہ۴' حجۃ المنصفین)اس واقعہ کے بعد میراں سید احمد بھی عسکری تربیت سے فراغ پا کر بندگی مخدومؒ سے درسیات کی تکمیل کرنے لگے۔جمیع کتب مہدویہ سے ثابت ہے کہ حضرت سید محمد کی ولادت ۸۴۷ھ میں ہوئی۔اس زمانے میں مخدوم دانیالؒ جونپور ہی میں موجود تھے۔اور ندائے غیبی سن کر اور حقیقت کا کھوج لگا کر میراں سید عبداللہؓ سے ملاقات کی اور نومولود مسعود کا احوال پوچھا جب میراں سید محمد چار سال چار ماہ کی عمر کو پہنچ گئے اور تسمیہ خوانی کی رسم ادا ہوئی تو مخدوم دانیالؒ ہی نے بسم اللہ پڑھائی۔ اس کے بعد بارہ سال کی عمر تک درسیات مروجہ کی تعلیم دیتے رہے۔اور حضرت میراں سید محمد کے بے مثال کمال علم وفضل کو دیکھ کر اسد العلماء سے مخاطب کیا۔اور جب آپ کی عمر ۱۵ سال ہوئی یعنی ۸۶۲ھ اس وقت سلطان حسین کی تخت نشینی واقع ہوئی۔ان واقعات کی روشنی میں کتب مہدویہ کی روایت حقیقت پر مبنی ہے اور مراۃ الاسرار کا بیان غلط ہے۔

خزینۃ الاصفیاء وغیرہ میں شیخ دانیال چشتی جونپور کو سید راجی حامد شاہ کا مرید اور خلیفہ بتایا ہے۔لیکن بندگی مخدوم کی سرگزشت کے پیش نظر یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔حضرت دانیالؒ راجی حامد شاہ کے کہاں مرید ہوئے قطعی طور پر کہا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اگر یہ کہا

جائے کہ یہ ارادت مانک پور میں واقع ہوئی ہے تو غلط ہے۔ کیونکہ جب راجی حامد شاہ شیخ حسام الدین مانک پوری کے زیر تربیت تھے مانک پور ہی میں رہے۔ تکمیل سلوک اور خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد جون پور روانہ کئے گئے۔ اس طرح زیر تربیت شیخ سے جسے ابھی خلافت حاصل نہ ہوئی ہو بیعت کرنا اور مرید ہونا خلاف حقیقت ہے۔ مخدوم دانیالؒ مانک پور سے بنارس اسی لئے چلے گئے کہ مانک پور میں آپ کی باطنی تعلیم کی تکمیل نہ ہوسکی اور جب بنارس میں حضرت خضر علیہ السلام سے فیض حاصل ہو چکا اور ارشاد کی اجازت مل گئی تو آپ جون پور آگئے۔ اس وقت آپ خود مرشد کامل تھے۔

جب حضرت سید الاولیاء سید محمدؓ سلطان حسین شرقی کے ساتھ متھیل گورا اور اٹکل گوڑ کے جہاد میں شریک ہوئے اور اٹکل گوڑ کے دل پتی کو اپنی تلوار آبدار سے دو پارہ کیا یہاں تک کہ اس کا دل نکل پڑا اور آپ نے اس پر نظر ڈالی تو دل پتی کا معبود نظر آیا۔ آپ اس نظارہ سے بے حد متاثر ہوئے۔ اس موقعہ پر بھی بندگی دانیال آپ کے ہمراہ تھے اور آپ کو تھامے ہوئے تھے۔ (دیکھو سیرت مہدی موعود مولفہ میاں سید فرید محمدؒ) و نیز جب (۴۰) سال کی عمر میں حضرت بندگی میرانؑ جونپور سے حج کے لئے روانہ ہوئے تو مخدوم دانیالؒ کسی طرح آپ کے ساتھ نہ جاسکے لیکن اس واقعہ کے بعد ہی آپ کی رحلت واقع ہوئی۔ اور اس کی اطلاع حضرت خاتم الاولیاءؑ کو دانا پور میں ملی ہے۔ واقعہ ۸۸۷ھ کا ہے اس اعتبار سے بندگی مخدوم دانیال کا سنہ رحلت جو بیان کیا جاتا ہے غلط ہے۔ یعنی ۹۹۲ھ میں آپ کا وصال نہیں ہوا' بلکہ اس سے بہت پہلے ۸۸۷ھ کے لگ بھگ آپ واصل بالحق ہوئے ہیں۔ آپ کی سیرت کے واقعات پر غور کرنے سے اس بات کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔

غرض ہم فاتحہ گزران کر واپس ہوئے۔ ۶/ مارچ بوقت ۴ بجے شام محلّہ دریبہ جاکر مسجد خالص مخلص اور مزار میاں سید عثمان شیرازیؒ کی زیارت کی۔ حضرت شیرازیؒ کے پائینتی دو قبریں ہیں جو امراء خالص مخلص کی بتائی جاتی ہیں۔ ربیع الثانی سنہ ۸۰۱ھ اہل دہلی کے لئے خون افشانی کا مہینہ تھا۔ تیمور کے خونخوار فوجی پائے تخت کے اطراف خون کی ندیاں بہانے لگے۔ بیشمار دہلی والے قتل ہوئے۔ بے حساب لوٹ مار کے شکار ہوئے۔ اس کے بعد تیمور تو چلا گیا' لیکن دہلی اجاڑ ہوگئی۔ اہل علم نے جونپور کا رخ کیا۔ زبدۃ العارفین' قدوۃ المحققین' فخر اماثل واقران بندگی میاں سید عثمانؒ از سادات امام موسیٰ کاظمؒ شیراز سے دہلی آکر ٹھیرے ہوئے تھے۔ لیکن آپ بھی اپنے اہل وعیال کے ہمراہ جونپور کی سمت عازم سفر ہوئے۔ جب آپ کے تشریف لانے کی اطلاع سلطان ابراہیم شرقی کو ہوئی تو سلطان دیگر علماء وامراء کو ساتھ لے کر آپ کے استقبال کے لئے نکلا اور آپ کے شایان شان آپ کا خیر مقدم کیا۔ حضرت ممدوح نے دریائے گومتی کے مغربی کنارے کے قریب سکونت اختیار کی۔ علوم ظاہر و باطن میں آپ کا پایہ اتنا بلند تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں جونپور کے عوام وخواص سب کے سب آپ کے گرویدہ ہوگئے۔ افادہ علمی کے ساتھ ساتھ آپ کا ارشاد روحانی بھی جاری ہوگیا۔ ایک بڑی تعداد نے آپ کے دستِ فیض بخش پر طریقۂ چشتیہ میں بیعت کرلی۔ اور اکثر تو آپ کی نگرانی میں آپ ہی کی خانقاہ میں روحانی

ریاضت میں مشغول ہوگئے۔ عہد ابراہیمی کی مشہور خانقاہوں میں شیرازی خانقاہ بھی شمار ہوتی تھی۔ سلطان ابراہیم شرقی کے دو امراء سید خالص وسید مخلص جو سلطان کے رشتہ دار بھی تھے' اور ماژندران (ایران) سے جونپور آکر ابراہیم شرقی کی حکومت میں مفتخر اور ممتاز ہوگئے تھے۔ ان امراء نے بطور خاص حضرت شیرازیؒ سے حسن عقیدت اختیار کی اور بیعت کر کے حلقہ مسترشدین میں داخل ہوگئے۔ امرائے مذکور نے اپنے مرشد کی ضرورت کا خیال کر کے ایک مسجد اور اس سے متصل ایک خانقاہ بھی بنوادی تعمیر مسجد کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ لیکن ڈسٹرکٹ گزیٹر جونپور میں ۸۲۰ھ مطابق ۱۴۱۷ء تاریخ بتائی گئی ہے اور یہی صحیح ہے۔ جونپور کی دوسری مسجدوں کے مقابل یہ مسجد سادگی کا ایک منفرد مرقع ہے۔ یہ سادگی بندگی سید عثمانؒ کی ہدایت ہی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ مسجد کے باب الداخلہ کے بائیں جانب جنوبی ستون میں ایک تین انچ لمبا پتھر لگا ہوا تھا اس میں یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ ہر ایک آدمی کے ناپنے پر اس کی چار انگلیوں کے برابر معلوم ہوتا تھا۔ چاہے ناپنے والے کا ہاتھ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ممکن ہے یہ کرامت وخصوصیت حضرت کرامت مآب سید شیرازیؒ کی توجہ کا اثر ہو' اس پتھر کو ہندو اور مسلمان عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس خصوصیت کی وجہ سے یہ مسجد بنام مسجد چار انگل مشہور ہوگئی اور آج تک اسی نام سے معروف ہے۔ لیکن وہ پتھر آج موجود نہیں ہے۔

بندگی سید عثمانؒ شیرازی کی برکت انفاس سے استفادہ کے لئے اہل طریقت مسجد ہذا میں اکثر حاضر رہا کرتے تھے۔ بالخصوص نماز جمعہ میں یہ تعداد بہت کچھ بڑھ جاتی تھی۔ شہر جونپور کے محلّہ پرانی بازار میں شیخ محمد بن عیسیٰ تاج چشتی اپنے والد کی خانقاہ میں سکونت رکھتے تھے۔ لیکن ہر جمعہ اپنے مقام سے پالکی میں بیٹھ کر حضرت عثمانؒ شیرازی کی مسجد جاتے اور سید شیرازیؒ کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ ان کا یہی عمل بڑھاپے تک جاری رہا یہاں تک کہ شاہان شرقیہ ان کی کبرسنی کا لحاظ کر کے جامع الشرق جونپور تعمیر کروادی۔

میاں سید عثمان شیرازیؒ کے دوسرے فرزندوں کی طرح میاں سید عبداللہ بھی علم ظاہری وباطنی سے آراستہ وپیراستہ تھے۔ لیکن اپنی فطری شجاعت وشہامت کے باعث سپہ گری کو پسند کرتے تھے۔ اس لئے سلطان ابراہیم کی فوج میں داخل ہوکر ایک رسالہ کے آفیسر بن گئے۔ آپ سلطان کے لئے با اعتماد فوجی تھے۔ پھر اپنے کارناموں کی وجہ سے افسر الملک سید عبداللہ سے مخاطب ہوئے۔ دیگر رسالہ داروں کی طرح آپ کے آوردہ میں بھی سپاہی اور گھوڑے بڑی تعداد میں موجود تھے۔ ان سب کو خزانۂ سلطانی سے تنخواہ اور خوراک دی جاتی تھی۔ مخدوم شیخ دانیال جب پہلی مرتبہ جونپور آئے تو افسر الملک سید عبداللہ کے رسالے میں ایک لشکری کی حیثیت سے نوکری کرلی تھی۔

حضرت سید شیرازیؒ اپنے خوردترین اور محبوب' لختِ جگر میاں سید عبداللہ افسر الملک کے کارناموں کو فخر ومسرت سے دیکھ ہی رہے تھے۔ پھر آپ نے امرائے شاہی میں سے جناب قیام الملک کی بہن سیدہ آمنہ سے میاں سید عبداللہ کا عقد پڑھ دیا۔ اس تقریب کتخدائی میں شاہِ وقت' امرائے دربار' سربراہان' افواجِ شاہی' وابستگان سلطنت' علمائے شہر' مشائخ کرام سب ہی شریک ہوئے۔ عروس

اورنوشہ پر مبارک بادی کے گل نچھاور کئے۔اور بزرگوں نے دعاؤں کے تحفوں سے اس جوڑے کو مالا مال کردیا۔ جب سیدہ آمنہ شیرازی گھرانے میں آئیں تو سیادت مآب سید عثمان شیرازیؒ نے اپنی بہو کو سسرالی خطاب آغا ملکہ دیا اور سارا خانوادہ سیدہ عفیفہ کو اسی محبوب لقب سے پکارنے لگے (فرہنگ عمید میں لکھا ہے کہ آغا = ت = **کلمۂ احترام که با نام شخص بخصوص نانام زنان ذکر می شود دربارۂ مردان آقامی گویند** = آغا معنی بانو=Lady-woman) ''آغا'' عزت واحترام کا لفظ ہے۔ جو خاص طور پر عورتوں کے نام کے ساتھ بولا جاتا ہے۔اور مردوں کو آقا کہتے ہیں۔اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد جناب سید عثمان شیرازیؒ نے عالم بقا کا سفر اختیار کیا اور مسجد کے صحن میں دفن ہوئے۔امرائے سلطنت سید خالص وسید مخلص نے وفات پائی تو آپ کے زیرِ قدوم دفن ہوئے۔مسجد کے صحن کے احاطے میں شمالی مشرقی گوشہ میں میاں سید عبداللہ المخاطب سید خاں کا مزار بتایا جاتا ہے۔جب ۸۶۲ھ میں سلطان حسین تخت نشین ہوا تو اپنے تمام ہوا خواہوں کو خطابات اور جاگیرات سے نوازا۔چنانچہ میراں سید عبداللہ کو بھی ''میراں سید خاں'' کا خطاب دیا' اور آپؒ اپنے اسی خطاب سے تاریخ ہندوستان میں مشہور ہوئے۔

غرض ان مزارات پر فاتحہ پڑھ کر ہم واپس ہوئے۔ جناب سید اقبال احمد صاحب نے اپنی ہندی زبان کی تالیف ''تاریخ جونپور'' دی۔ میں نے اس سے کچھ اقتباسات لے لئے۔آپ کی دیگر تالیف بھی دیکھنے کا موقعہ ملا۔حق یہ ہے کہ آپ موجودہ عہد کے جونپور کے مایۂ ناز فرزند اور مورخ ہیں۔اپنی کتاب ''تاریخ شیراز ہند جونپور'' کو مملکت شرقیہ کی انسائیکلو پیڈیا بنادیا ہے۔اور دوسرے ایڈیشن میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔آپ برسرِ موقع پہنچ کر تحقیق کی تکمیل کرتے ہیں۔ناچیز نے جونپور میں جو کچھ دیکھا وہ صاحب موصوف کی رہنمائی میں دیکھا۔اس رہنمائی اور میزبانی کا نہایت ہی ممنون ومتشکر ہوں۔

جون پور کا یہ سفر ''سوانح جدید مہدی مراداللہ '' کی تحریر کے سلسلے میں مرکزی انجمن مہدویہ چنچل گوڑہ کی امداد پر کیا گیا۔۷/ مارچ ۱۹۸۲ء صبح ساڑھے نو بجے بنارس روانہ ہوا اور وہاں سے حیدرآباد۔فقط

(ماہنامہ ''مہرولایت'' جون پور نمبر اپریل ۱۹۸۴)

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے حوالے مہدویہ لٹریچر میں اکثر وبیشتر دیئے جاتے ہیں۔مہدی علیہ السلام کے متعلق آپ کے بعض کشف صحیح ثابت ہوئے ہیں ونیز حضرت مہدیؑ کے متعلق آپؒ سے حدیث بھی مروی ہے۔اس لئے ذیل میں آپ کے مختصر حالات پیش کئے جارہے ہیں۔تاکہ آپؒ کی سوانح کا تعارف ہوجائے۔

اسم گرامی آپ کا امام محمد بن علی ہے اور لقب محی الدین اور عرف شیخ اکبر اور ابن عربی ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عدی رضی اللہ عنہ ابن حاتم الطائی سے ملتا ہے۔ حاتم الطائی مشہور صاحب سخاوت ہیں۔ آپ کی ولادت اسپین (Spain) یعنی مغربی یورپ میں ہوئی۔ تاریخ ولادت ۱۷ ررمضان ۵۶۰ ہجری ہے۔ آپ کے والد محترم علی کو اولا دنرینہ نہ تھی' لیکن آپ باوجود کبرسنی اولا دنرینہ کے آرزومند تھے۔ بغداد میں آپ نے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ سے دعا کروائی۔ چنانچہ حضرت محمد تولد ہوئے۔ جناب علی نے آپ کو حضرت جیلانیؒ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے اپنی زبان مبارک نومولود کے منہ میں دے دی اور بشارت دی کہ انشاء اللہ یہ ولی اللہ مقرب باری تعالیٰ ہوں گے۔

اسپین ہی میں آپ نے مروجہ تعلیم حاصل کی اور قراءت سبعہ کی سند بھی حاصل کی آپ نے بڑے بڑے محدثین سے حدیث بھی سنی اور اجازت بھی حاصل کی۔ آپ حج کرنے کے لئے گئے اور وہاں کے محدثین سے حدیث کی سماعت کی۔ پھر آپ نے علامہ ابن رشد القرطبی سے علم کلام' فلسفہ اور علم منطق کو حاصل کیا۔ مراقش کے سلطان کی خواہش پر آپ نے امور مذہبی کے محکمہ کی صدارت سنبھالی اور مالکی مذہب پر فتویٰ دینے لگے۔

اسی زمانے میں آپ نے دنیا ترک کی اور مراقش کے قطب الاقطاب شیخ ابومدین شعیب مغربی کی خانقاہ میں گوشہ نشین ہوگئے۔ آپ کے شیوخ طریقت میں ابومدین' حافظ جمال الدین' امام ابوالحسن علی۔ آپ نے حضرت علیہ السلام سے خرقۂ طریقت پہنا ہے۔ اور فتوحات مکیہ میں مذکور ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روحانی تربیت حاصل کی ہے آپ نے مختلف شہروں کی سیاحت فرمائی۔ دمشق میں حضرت جلال الدین رومیؒ نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ مکہ معظّمہ میں چندسال قیام کرکے آپ نے فتوحات مکیہ تحریر فرمائی۔ بیت المقدس سے دمشق آگئے اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔

آپ امام مالکؒ کی اکثر امور میں اتباع کرتے تھے اور ائمہ مجتہدین کے بارے میں فرمائے تھے کہ آنحضرت کا قدم علوم غیب میں نہایت راسخ تھا۔ اور اُن کا ظن علم الیقین تھا۔ اور ائمہ مجتہدین تدوین شرع نبوی کی وجہ سے رسولوں کے مرتبے میں ہیں اور وہ وارث انبیاء ہیں۔ اور سرورعالم ﷺ نے اجتہاد ان پر (ائمہ مجتہدین پر) مباح کیا ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ نے خضر علیہ السلام سے ائمہ اربعہ کا مرتبہ پوچھا تو حضرت خضرؑ نے فرمایا وہ صدیقین میں تھے۔ امام شافعیؒ اوتاد میں تھے اور امام احمد ابدال ہیں۔

شیخ اکبرؒ پر وحدۃ الوجود علماً و کشفاً طاری تھا۔ دوران وعظ میں آپ وحدۃ الوجود کے اسرار بیان کرتے تھے۔ شعرانی نے الیواقیت میں فرمایا ہے کہ شیخ اکبرؒ کتاب وسنت کے سخت پابند تھے مخالف سنت نبوی سے دور رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ سنت نبویؐ کو ایک لحظہ چھوڑنا ہلاکت ہے۔

آپؒ کی ولایت کے بارے میں حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔ سیکون ولیاً مقرباً انشاء اللہ تعالیٰ

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ آپ حقائق کا سمندر تھے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ کا قول ہے آپ قطب مدار تھے۔ امام فخر الدین رازی نے کہا کہ آپ عظیم ولی تھے۔ آپ خضر علیہ السلام سے کثرت سے ملاقات کرتے تھے۔

فن حقائق کو آپ نے تدوین کیا اور اُس کی اشاعت کی ورنہ یہ علم معدوم ہوجاتا۔ آپ کی بہت تصانیف ہیں لیکن اُن میں فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کو نہایت درجہ شہرت حاصل ہوئی ہے۔ اہل طریقت بزرگوں نے ان کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ مولانا روم نے خود شیخ اکبرؒ سے فصوص الحکم پڑھی ہے۔

فصوص الحکم کی فص عزیزی میں آپ نے فرمایا کہ ولایت' نبوت سے افضل ہے یعنی رسول بہ حیثیت اپنی ولایت کے اپنی نبوت پر فضیلت رکھتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ وہ ولی جو نبی کے تابع ہے نبی سے افضل واعلیٰ ہوسکتا۔ **العیاذ باللہ**۔ وحدۃ الوجود کا پورا جملہ یہ ہے۔ **وحدۃ الوجود للہ تعالیٰ**۔ یعنی حضرت باری تعالیٰ ہی موجود ہیں۔ فقہ اکبر میں حضرت ابوحنیفہؒ کا قول درج ہے کہ **اللہ سبحانہ واحد لا من طریق العدد ولکن من انہ لا شریک لہ** ''اللہ سبحانہ ایک ہے گنتی کے طور پر نہیں بلکہ اس طریق سے کہ اُس کا کوئی شریک نہیں'' امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ **شھدت بان اللہ لا شئی غیرہ** ''میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سواء کوئی چیز (موجود) نہیں ہے یعنی عالم میں غیر خدا کچھ بھی نہیں۔'' حضرت ابن عربی ایمان فرعون کے قائل تھے۔ لیکن حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے اس خیال کی تصحیح کی ہے اور فرمایا کہ فرعون کو صبح وشام عذاب ہوتا ہے۔ حضرت شیخ اکبر نے فصوص کے فص شیثی میں فرمایا کہ انبیاء واولیاء علم خاص مشکوٰۃ خاتم الاولیاء سے حاصل کرتے ہیں۔ لوگوں نے مخالفت کی لیکن حضرت مہدی علیہ السلام نے اسے درست قرار دیا۔

شیخ اکبرؒ کے مذہب کو وجودی کہتے ہیں اور اس کے برخلاف کو شہودی کا نام دیا گیا ہے۔ گروہ مہدویہ کے محققین وجودیت کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ بندگی میاں سید محمود صاحب المعارج الولایت فرماتے ہیں کہ وجودیہ کا قول ہے کہ عبد ورب میں حقیقی عینیت ہے اور مجازی غیریت جس طرح سمندر اور بلبلہ' سیاہی اور حرف اور مٹی اور ظرف۔ شہودیہ کہتے ہیں کہ عبد ورب میں حقیقی غیریت اور مجازی عینیت ہے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی کے غلبہ سے ستارے نظر نہیں آتے لیکن رات میں نظر آتے ہیں۔ وجود دونوں کا باقی ہے یہ مذہب شہودیہ ہے۔ وجودی اس بات کو باطل مانتے ہیں۔ مہدویوں کے پاس وجودی مذہب معتبر ہے کیونکہ انسانی وجود بدعت ہے اور وجود حقیقی باری تعالیٰ کا ہی ہے۔ جو مہدوی اس دانست پر پختہ ہوجائے وہ مقرب بارگاہِ حق ہوجائے گا۔

مسئلہ دقیق یہ ہے کہ ہستیٔ حقیقی' حق کا ہی خاصہ ہے لیکن یہ ہستی نیست نظر آتی ہے۔ ہستیٔ مجازی مخلوق کی ہے۔ اور حقیقت میں وہ نیست ہے لیکن دیکھنے میں موجود نظر آتی ہے۔ یہیں سے خرابی شروع ہوتی ہے کہ دونوں کو حق جانتے ہیں۔ یہ غلط اعتقاد ہے نور آفتاب حقیقی ہے اور نور ماہتاب مجازی اور غیر حقیقی ہے۔ اسی طرح وجود حقیقی رب کا ہے۔ غیر حق عدم ہے اگرچہ ہستی حقیقی واحد ہے لیکن

ایک ظاہر وجود ہے اور ایک باطن۔ باطنِ وجود ایک نور ہے جو عالم کے لئے جان ہے اُسی نور باطن پر تو ظاہر وجود ہے جو ممکنات کی صورت میں نظر آتا ہے۔ کثرت کی حقیقت وحدت صرف ہے۔ یعنی **الحق محسوس و الخلق معقول** وحدۃ الوجود کا خلاصہ ہے۔ نقل ہے کہ ابن عربیؒ نے کہا کہ حق محسوس ہے اور خلق موہوم ہے۔ سید محمد گیسو درازؒ نے کہا کہ حق موہوم ہے اور خلق محسوس ہے۔ اگر ابن عربیؒ ہمارے زمانے میں ہوتے تو میں مسلمان کرتا۔ صحابہؓ نے یہ بات حضرت مہدی علیہ السلام کے حضور میں عرض کی۔ حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ ابن عربیؒ توحید کے پہلوان تھے سید محمد نے اُن کے کلام کو سمجھا نہیں۔ ابن عربی کے پاس سید محمد ایسے ہیں جیسا کہ شیر خوار بزرگ کے پاس (حاشیہ شریف صفحہ ۱۵۲)

اس نقل میں حضرت خاتم الولایۃ محمدیہؑ نے حضرت ابن عربی کی توصیف فرمائی اور توحید میں اُن کے رسوخ کو ظاہر کیا ہے۔ اور فرمایا کہ ابن عربیؒ کا کلام اتنا بلیغ ہے کہ حضرت گیسو درازؒ نے اُس کو سمجھا نہیں کیونکہ شیر خوار طفل، مرد بزرگ کی گفتگو کو جب کہ وہ نہایت درجہ بلاغت کی حامل ہو، نہیں سمجھ سکتا۔

نقل ہے کہ کسی نے حضرت مہدیؑ کے حضور میں عرض کیا کہ ابن عربیؒ نے فرمایا کہ میں نے فرعون کو دوزخ میں نہیں دیکھا۔ حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''گھیر لیا فرعون والوں کو آگ نے اور حاضر کئے جاتے ہیں آتش دوزخ پر صبح وشام۔ ابن عربیؒ کو دوزخ کی سیر درمیانی تھی مرد خدا تھا' اُس نے حق کہا۔ (حاشیہ صفحہ ۱۵۴)

اس نقل میں حضرت مہدی علیہ السلام نے شیخ اکبرؒ کو '**مرد حق تعالیٰ بود حق گفت**'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ مرد یا مردِ خدا طالب حق تعالیٰ کو کہتے ہیں جو سوائے حق کے کسی اور کو نہیں چاہتا ہے۔ اور حضرت مہدیؑ نے گواہی دی ہے کہ ابن عربیؒ طالب الحق تھے اور اُن کا کشف حق تھا' غلط نہ تھا۔ جنہوں نے اُسے غلط سمجھا وہی غلطی پر تھے۔ شیخ اکبرؒ حق پر تھے۔ حضرت ابن عربیؒ کا وصال بتاریخ ۲۲ ربیع الثانی ۶۳۸ھ میں شب جمعہ ہوا۔ عمر شریف ۷۸ سال یعنی بحالت سجدہ نماز مغرب ہوا۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نور ولایت''، خصوصی شمارہ بمسرت ۵۷۰ واں میلادِ خلیفۃ اللہ حضرت سید محمد جونپوری مہدی موعودؑ بابتہ اکٹوبر، نومبر ۱۹۹۶ء)

حضرت بندگی ملک برہان الدینؓ

احمد آباد سابرمتی ندی کے کنارے دنیاوی جنت بن چکا تھا لاکھوں کی آبادی تھی خوشحالی اور فارغ البالی اہالیان احمد آباد پر سایہ فگن تھی۔ شہر وسیع باغات سے گلستان ارم کو مات کر رہا تھا۔ شہر بھر میں ۳۶۰ محلے اور مساجد کا شمار ایک ہزار تھا۔ جمال پور کے دروازے کے قریب تاج خاں بن سالار نے ایک عظیم الشان مسجد بنوائی تھی۔ ۹۰۳ھ میں بہ حکم خدا' امام آخر زماں' محبوب ربِّ دوجہاں' مراد مالک کون

ومکان حضرت بندگی میراں السید محمد جونپوری صلوٰۃ اللہ علیہ وسلام احمد آباد تشریف لائے۔ اللہ عزوجل کے اس خاص فرستادہ نے مسجد تاج خاں سپہ سالار میں نزول فرمایا۔ دیڑھ سال تک بہ حکم رب العالمین حضرت بندگی میراںؑ کافۂ انام کو کلام رب الانام سناتے رہے۔

''اس زمانے میں آنحضرت علیہ السلام کو مرشد یا پیر ہونے یا استاد و واعظ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں تھا۔ آنحضرتؑ کی روش اور اولیاء کی روش نہیں تھی یعنی آپ علم فقہ یا تفسیر یا حدیث یا سلوک وطریقت یا حقائق وتصوف کی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول نہیں رہتے تھے اور نوافل کی صورت میں عبادات کی جانب آپ کی توجہ نہیں تھی۔ فرائض اور موکدہ سنتوں کی ادائی کے سوائے کوئی آپ کا وظیفہ نہ تھا۔ ملاؤں کے طور وطریق، مشائخوں اور واعظوں کے رسوم سے جو بدعت کی طرف منسوب اور سنت کے خلاف ہیں، آپ بالکل پاک تھے۔ بلکہ ہمیشہ گریہ فقر تام اور توکل تمام پر ذات خدا اور پیغمبر علیہ السلام کی طرف فرائض اور موکدہ سنتوں اور ذکر الٰہی کی جانب دعوت فرماتے رہے۔ ہر روز آنحضرت خاتم ولایتؑ کے بیانِ فیض رساں ودعوت پُر منفعت کے سننے کے لئے زبردست مجمع ہوا کرتا تھا۔ خاص وعام لوگوں کا ہجوم اس کثرت سے رہتا کہ حضرت امام علیہ السلام کے اطراف جگہ نہیں رہتی تھی۔ اگر چہ مسجد کی چوڑائی بہت ہے اور اس میں ہزاروں آدمیوں کی نشست کی گنجائش ہے اس مسجد کا صحن بڑی سے بڑی مسجدوں کے صحن سے کشارہ ہے۔ غرض یہ کہ جب آنحضرت علیہ السلام کے اطراف جگہ نہیں رہتی تو لوگ مسجد کے صحن میں کھڑے ہوجاتے تھے۔ اور جب صحن میں بھی جگہ نہیں رہتی تو مسجد کی دیواروں اور درختوں پر کھڑے ہوکر بیان پُر فیضانِ آنحضرت علیہ السلام کو سنا کرتے تھے۔ اس بیان میں حضرت مہدی موعود علیہ السلام کا علانیہ معجزہ اظہر من الشمّس یہ تھا کہ جو شخص حضرت کے زانو در زانو (بالکل قریب) بیٹھا ہوتا اور جو شخص سب سے زیادہ دور رہتا بیان آنحضرت علیہ السلام کی آواز مبارک سب یکساں سنتے تھے۔ حضرتؑ امام آخر زماں کے بیان کے وقت جو لوگ حاضر رہتے تھے ان میں سے اکثر وبیشتر اہل سعادت پر آنحضرت علیہ السلام کے فیض بے دریغ اور پسخوردہ کی تاثیر سے سُکر اور جذب کی حالت طاری ہوتی تھی .... ادنیٰ معجزہ حضرت مہدی موعودؑ کا خاص وعام کے حق میں یہ تھا کہ جو کوئی ارادت کے ساتھ آپؑ سے ملتا بے شک وشبہ محبّ ہوجاتا۔ فوراً دنیا کی رغبت اس کے دل سے جاتی رہتی اور ذاتِ حق کے ذکر سے اس کا دل آرام پاتا جو بات سال ہا سال کی ریاضت وخلوت سے نصیب ہوتی ایک گھڑی میں نصیب ہوجاتی تھی .... حاصل کلام اس ذات پیغمبر صفات کے قدموں کے صدقے سے ہر ایک اہل دل نے مشغولیت بحق کی حفاظت اختیار کی ایسی محویت کے ساتھ کہ علماء تعلیم وتعلم سے مشائخین مشیخت سے، وزراء وزارتوں سے اُمراء اپنے کاروبار سے اور ہر قسم کے پیشہ ور اپنے پیشوں سے دست بردار ہوگئے اور اکثر اہل دنیا نے کاروبار دنیاوی سے منھ پھیر لیا۔ (شواہد الولایت صفحہ ۹۹)

امرائے احمد آباد میں بعض خاندان اہل سیف ہونے کے باوجود اہل علم وفضل بھی تھے۔ دس دس ہزار سوار کے سردار بھی تھے اور کتب وصحائف کے معلم ومتعلم بھی، حکومت کی طرف سے خطاب ''ملک'' سے مخاطب وموسوم بھی۔ ان ہی خانوادوں میں میاں ملک

برہان الدین کا خاندان اپنی نجابت، شرافت، امارت اور علمیت کے لحاظ سے بے حد ممتاز تھا۔ جس وقت مہدی موعود علیہ السلام کے دعویٰ کا چراغ نورِ ذاتِ ربِّ جلیل سے ملک گجرات میں روشن ہوا تو عاشقان حق طالبان صادق کی جانیں اطراف و جوانب کے تمام شہروں سے بہ صفت پروانگی دیوانہ وار اس شمع منور کے گرد جمع ہونے لگیں، تو ملک مذکور بھی آنحضرت علیہ السلام کی دعوت کی خبر سن کر تلوار کمر سے باندھے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر آنحضرت کی خدمت میں آپہنچے (تذکرہ الصالحین صفحہ ۲۲۶) جب آپ مسجد تاج خاں سالار پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہزاروں کا مجمع ہے لیکن سب کے سب گوش برآواز ساکت وصامت، مجذوب و مستغرق بیٹھے ہیں ایک سرچشمہ عرفان دریائے معرفت بہا رہا ہے۔ دلوں کی خشک زمین آب عشق الٰہی سے سیراب ہوتی چلی جارہی ہے۔ ایسی ہر کیاری میں محبت خداوند ذوالجلال والکمال کی کونپلیں پھوٹ رہی ہیں یہ سارا نظارہ ایک مسحور کن حقیقت تھا جب حضرت ملک نے یہ سب کچھ دیکھا اسپ تازی سے اتر پڑے۔ اس خوبصورت اور خوب سیرت گھوڑے کو جسے بے حد عزیز رکھتے تھے سائیں کے حوالے کر دیا۔ اور خود مسجد میں داخل ہوئے چونکہ ازل ہی سے برگزیدۂ رب العالمین تھے اس لئے جب آگے بڑھنے لگے تو حاضرین نے خود بخود راستہ دینا شروع کیا یہاں تک کہ آفتاب ولایت، شمع راہ معرفت، داعی عشق رب العزت کی نگاہِ پُر انوار کے روبرو پہنچ کر بیٹھ گئے اور گوش دل سے کلام حقیقت التیام سننے لگے تو اس وقت امام آخر الزماں وارث نبیٔ الرحمٰن عالم علم الکتاب والایمان، مبینِ الحقیقت والشریعت والرضوانؑ نے اس طرح حقیقت کشائی کی کہ " لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (سورہ آل عمران آیت ۹۲) "عام ترجمہ: (ہرگز نہ پاؤ گے تم خیر کو تا آنکہ خرچ کرو اپنی محبوب ترین چیز کو)

فرمایا کہ یہاں " بِـــرّ " سے مراد ذات الٰہی ہے پس حصول ذات خدا کے لئے اپنی پیاری اور عزیز ترین چیز اس کی راہ میں صرف کرنا ضروری ہے۔ بغیر اس کے حصول ذات اور اس کی رضا محال ہے۔

" تـــرکِ جـــان وتـــرکِ مـــال وتـــرکِ ســـر

در طـــریـــقِ عشـــق اول مـــنـــزل اســـت "

جب بندگی ملک مذکور نے امام البر والبجو ر سے کلام رب الانام کا بیان حقیقت کشا سنا تو فوراً اپنی تلوار آبدار و اسپ والاحسب کو نذرِ حضور کیا اور عرض کیا کہ میراں جی مجھے ان دونوں چیزوں سے بہت محبت ہے۔ حضرت الامامؑ نے اس پیشکش کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ " **بندہ برائے گرفتن اسپ وشمشیر نیا آمدہ است** " ترجمہ: بندہ گھوڑا اور تلوار لینے کے لئے مبعوث نہیں ہوا ہے۔ پھر سوال کیا " **ایں اسپ وشمشیر برائی کیست؟** " ترجمہ: اس گھوڑے اور تلوار (کے رکھنے) کا مقصد کیا ہے؟ بندگی ملک نے عرض کیا کہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے۔ حضرت مبین مراد اللہ نے فرمایا کہ " **خدائے تعالیٰ جان شمارا می طلب نہ اسپ نہ شمشیر** " ترجمہ: خدائے تعالیٰ تمہاری جان طلب کرتا ہے نہ کہ گھوڑا اور تلوار۔ اس کلام کو سنتے ہی حضرت بندگی ملک نے اپنا مال

ومتاع راہ خدا میں دے کر فقر اختیار کیا۔ اور حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی صحبت اختیار کر لی۔ سفر وحضر میں ہمیشہ صحبتِ حضرت الامیرؑ کیمیاء تاثیر میں موجود رہے۔ اور روایت ہے کہ ہمیشہ نماز میں خلیفہ رب العالمین کے عین عقب میں کھڑے ہوتے اور بارگاہ الہ العالمین میں رکوع وسجود کرتے تھے۔ (پنج فضائل) راہ خدا میں بندگی ملکؓ کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت خلیفۃ اللہ مراد اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ السلام بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ **"ملک برہان الدین ذاتِ خود خدائے رادا دہ وذات خدا خود گرفتند"**

ترجمہ: ملک برہان الدینؓ نے اپنی ذات خدا کو دے کر ذات خدا کو خود حاصل کیا ہے۔

حقیقت میں یہ ایک عظیم الشان بشارت ہے۔ یہ حضرت خلیفۃ الرحمٰن علیہ السلام کی طرف سے تصدیق وثبوت ہے کہ آپ ہی کے فیض یافتہ طالب ذات خدا ملک برہان الدین نے فنائیتِ ذات خدا اور دیدار رب العالمین حاصل کیا ہے کیونکہ بندگی ملک مذکور کے لئے امام البر والبحور نے یہ بھی فرمایا تھا کہ

ملک برہان الدین طالب سبحان اند

ملک برہان الدین عاشق سبحان اند

ترجمہ: ملک برہان الدین حق سبحانہ وتعالیٰ کے طلبگار یا عاشق (جان نثار) ہیں۔

حضرت بندگی ملکؓ کی طلب خدا میں انتہائی کوششوں سے منازل سلوک بہت جلد طئے ہونے لگے اور آپ نے مختلف عوالم کو بڑی تیزی سے طئے کیا۔" ملک مذکور کی ذات نیک صفات عالی درجات کی قابلیت ذاتی ایسی تھی کہ حضرت امام علیہ السلام بندگی میاں شاہ نظامؓ کو دریا نوش فرماتے تھے باوجود اس کے نقل ہے کہ ایک روز بندگی ملک برہان الدین اور بندگی میاں شاہ نظامؓ کے درمیان کچھ گفتگو تھی باہم بحث کر رہے تھے۔ بنابریں بندگی میاں شاہ نظامؓ فرماتے تھے کہ میاں برہان الدین ہوشیار رہو کہ دریا میں قدم رکھتے ہو۔ یہ سن کر ملک برہان الدینؓ نے حضرت شاہ نظامؓ کو جواب دیا کہ ہاں میاں نظامؓ آپ جس کو دریا سمجھتے ہیں بندہ ایسے سات سات دریا کو ایک گھونٹ کر کے پی جاتا ہے۔ اوپر کا ہونٹ تر نہیں ہوتا۔ آخر کار یہ گفتگو حضرت امام علیہ السلام کے گوش مبارک تک پہنچی تو آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ "ہاں میاں برہان الدین جو کچھ کہتے ہیں درست ہے۔ میاں برہان الدین جیسا کہتے ہیں ویسا ہی ہے" (شواہد الولایت صفحہ ۱۰۰)

عالمِ اسرار الٰہ ابن بندگی میاں خواجہ طٰہٰ صحابی مہدی موعودؑ یعنی بندگی میاں ملک جی مہری ملکؓ مذکور کی تعریف میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

۱	**نیز زخاصانِ گروہ اخص**	**بود یکے رُستہ زقید قفص**
۲	**از حشمِ شاہ شجاعان دین**	**کو ملک حجت وبرہان دین**

۳ بود چوں آں شاہد سلطان دین زاں علمش گشت بہ برہان دین

۴ منحرص عمر رائی باعلأ حق آختۂ تیغ برا عداء حق

۵ منحرص بدل بہ میدان عشق صف شکن ارم عدوّانِ عشق

ترجمہ: (۱) ایک اور جو خاص (خدا کے طلب کرنے والوں کے) گروہ میں خصوصی امتیاز رکھتے نفس کے پنجرے سے رہا ہو چکے تھے۔

(۲) شجاعان دین کے شاہؑ کے خدام میں سے تھے اور وہ دین کی حجت اور دلیل تھے۔

(۳) سلطان دین کے محبوب تھے اور برہان الدین کے نام سے مشہور تھے۔

(۴) حق کو بلند کرنے میں حضرت عمرؓ (فاروق) کے ہم رائے تھے اور حق کے دشمنوں کے لئے تیغ بکف تھے۔

(۵) میدان عشق کے جانباز اور دشمنانِ عشق کا سر اُڑا دینے والے۔

ملک برہانؓ کی یہ قابلیت دیکھ کر حضرت بندگی میراں علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور جب احمد آباد سے ہجرت کر کے پٹن تشریف لائے اور اس تمام عرصہ میں ملک برہان الدینؓ کے حال کو ملاحظہ فرمایا تو اپنی دوسری صاحبزادی بی بی فاطمہؓ سے آپ کا عقد پڑھ دیا۔ یہ عقد جس شان سے ہوا وہ روایت نہایت سبق آموز ہے۔

"نقل است در حجرہ میراں علیہ السلام چراغ افروختہ بود بندگی میاںؓ دیدند وفرمودند کہ امشب در حجرۂ میرانؑ چراغ افروختہ است بعضے گفتند امشب نکاح بیبی می شود" (حاشیہ صفحہ۱۴۲)

ترجمہ: نقل ہے حضرت مہدی علیہ السلام کے حجرہ میں چراغ روشن کیا گیا تھا بندگی میاںؓ نے دیکھ کر فرمایا کہ آج رات مہدیؑ کے حجرہ میں چراغ لگایا گیا ہے بعضوں نے کہا آج رات بی بی فاطمہ کا نکاح ہوتا ہے۔

اس نقل شریف سے نہ صرف اہل گروہ بلکہ قافلۂ سالارؑ طالبانِ دیدار کی عسرت اور بے سروسامانی اور ترک اسباب وسامان دنیاوی کا اظہار ہوتا ہے۔ حال یہ تھا کہ اہل دائرہ کے حجروں میں چراغ تک نہ سلگتا تھا اور مرشد دائرہ کا حجرہ بھی اس حالت سے مستثنٰی نہ تھا۔ سب کے سب ایک حال سے گذر رہے تھے۔ جب بی بی فاطمہؓ کا رشتہ طئے کر کے عقد پڑھانا چاہا تو حجرہ میں چراغ سلگایا گیا یہ بظاہر غیر معمولی واقعہ تھا اس لئے بندگی میاںؓ نے دوسرے اصحاب دائرہ حضرت مہدیؑ سے دریافت کیا کہ آج غیر معمولی طور پر حضرت مہدیؑ کے حجرہ میں چراغ سلگایا گیا ہے جن اصحاب کو اس عقد مسعود کا علم تھا انہوں نے اطلاع دی کہ آج بنتِ مہدی موعودؑ کا عقد ہو رہا ہے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ تقریب نہایت سادگی سے منائی جا رہی تھی اور آنے والوں کے لئے ایک نمونہ قائم کیا جا رہا تھا۔ یہ سادگی کچھ آج ہی کی مجبوری نہ تھی بلکہ جس زمانے میں حضرت بندگی میرانؑ جونپور میں اپنے والد کے عظیم الشان مکان میں تشریف رکھتے تھے اور جذبات الوہیت سے فراغت ہوئی تھی کہ میاں ابوبکر جونپوری کے سرپرستوں کی طرف سے بی بی خونزا برڈن کے لئے

خواستگاری ہوئی اس وقت حضرت بندگی میراں نے میاں ابوبکرؓ کوطلب کرکے خود خطبۂ نکاح پڑھ دیا تھا۔ دنیاوی شان وشوکت اور دھوم دھام اس وقت بھی حضرت سید الاولیاءؓ کی پیش نظر نہ تھی آج پٹن میں دوسری صاحبزادی کے وقت بھی اسی سادگی کو اختیار فرمایا تاکہ آپ کے پیروؤں کے لئے ایک نمونہ مل جائے۔ الخضر آفتاب فلک ولایت کی سرپرستی میں اس طرح زہرہ ومشتریٔ ولایت کا قرآن السودین واقع ہوا۔ یہ تقریباً سنہ ۹۰۴ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے پٹن سے ہجرت کی اور بڑلی پہنچ کر دعویٰ موکد فرمایا پھر وہاں سے روانہ ہوکر راجستھان سے گذر کر سندھ پہنچے۔ سندھ میں تبلیغ مہدیت کرکے خراسان روانہ ہوئے اور فرہ پہنچ کر قیام پذیر ہوگئے۔ اور یہیں واصل بالحق ہوئے۔ اس تمام عرصہ میں حضرت بندگی ملک برہان الدینؓ صحبتِ خلیفۃ اللہ علیہ السلام سے اکتساب فیض کرتے رہے اور اپنے قلب عالی کو بہرہ ولایت محمدیہؐ سے معمور کرتے رہے۔ جب تمام اصحاب فرہ سے واپس ہوئے تو آپؓ بھی گجرات آگئے۔ تاریخ سلیمانی کی روایت ہے کہ احمد آباد میں سانبرمتی ندی کے کنارے موضع چیرمونیرہ میں دائرہ باندھ کر رہے یہاں آپ کی ذاتِ بابرکات سے بے شمار لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ یہاں تک کہ اسی موضع میں ۲۵/ جمادی الاخری سنہ ۹۱۵ھ میں واصل بالحق ہوئے آپؓ کو ایک صاحبزادی بی بی خونزہ اور ایک فرزند ارجمند میاں خلیل محمد ہوئے۔ رضی اللہ عنہم

بندگی میاں سید محمودؒ

مولف کتاب معارج الولایت

آپ کا اسم گرامی سید محمود عرف میاں صاحب میاں، والد کا نام حضرت سید عیسیٰؒ عرف سید و میاں، والدہ کا نام بی بی مانجا بنت میاں درویش محمد جاگیر دار دھاراسیون (موجودہ ضلع عثمان آباد)

آپ ۱۰۳۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور بڑے ہوکر اپنے والد محترم سے تعلیم حاصل کی جو بہت بڑے عالم ذہین اور فطین بزرگ تھے۔ اور علماء آپ کا بیان سن کر عش عش کرتے تھے۔ میاں سید محمودؒ نے اپنے والد بزرگوار کے علم سے کما حقہ استفادہ کیا اور خود بھی علم وفضل میں درجہ کمال کو پہنچے۔ آپ کی تصانیف سے آپ کے علم وفضل کا اظہار ہوتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد میاں سید عیسیٰؒ نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ گجرات کا سفر کیا اور واپس ہوکر دکن پہنچے۔ اور شہر حیدرآباد کے محلّہ ٹوٹہ گوڑہ میں دائرہ باندھا اور تادم آخر یہیں مقیم رہے۔ اور میاں سید محمودؒ اپنے والد کے ہمراہ رہے۔

حیدرآباد میں موسیٰ ندی کے چادرگھاٹ پل کے شمال میں، کسی زمانہ میں ایک بڑا میدان تھا، اس میدان کے مغرب میں ایک کوٹھی جو ریذیڈنسی کہلاتی ہے (اور جس میں آج کل کلیہ اناث ہے) اسی ریذیڈنسی کوٹھی کے مشرق میں ایک بڑا میدان تھا جو قطبی گوڑہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میدان کے مشرق میں محلّہ بشیر پورہ آباد تھا (بشیر پورہ کو بسیط پورہ بھی کہتے ہیں) اس میدان میں باغات لگائے گئے تھے۔ اور جن کے اطراف ایک بستی بھی بس گئی تھی اس کا نام ٹوٹہ گوڑہ تھا۔ یہ آبادی موسیٰ ندی کے شمال میں واقع تھی۔ اس بستی میں مہدوی کثرت سے آباد تھے۔ آپ حضرت سید عیسیٰؒ اسی ٹوٹہ گوڑہ میں سکونت پذیر ہوئے اور آپ کے ساتھ آپ کے فرزند ارجمند حضرت میاں سید محمودؒ بھی رونق بخشِ آبادی ہوئے۔

جب تعلیم ظاہری ختم ہوئی تو میاں سید محمودؒ نے اپنے والدِ محترم کے ہاتھ پر ۱۰۵۰ھ میں دنیا ترک کی اور طالبانِ الٰہی کے زمرے میں شامل ہوگئے اور تقریباً ۲۸ سال تک والد و مرشد کی صحبت (صادق) سے استفادہ کرتے رہے اور جب ۱۰۷۷ء میں میاں سید عیسیٰؒ کا انتقال ہوگیا تو آپ ہی انکے جانشن ہوئے۔

حضرت میاں سید محمودؒ کے علمی افادات میں کتاب معارج الولایت (سوانح عمری حضرت مہدی علیہ السلام) اور رسالۂ محمود (سلوک وتصوف مہدویہ) قوم میں مشہور اور موجود ہیں۔ حضرت مولف معارج الولایت کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں۔

(ترجمہ) ایک طویل مدت اور عرصہ دراز سے بعضے مرید ومشتاق اس عاصی سے بار بار اس امر کا تقاضہ کرتے تھے کہ ہمارے دیکھنے میں کوئی ایسی کتاب نہیں آئی جو حضرت امامنا سید محمد مہدی موعود آخرالزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام حالات مبارکہ پر مشتمل ہو اور جن کے ضمن میں آنحضرتؐ کے تمام معاملات و واقعات بھی بیان ہوئے ہوں۔ اس وجہ سے ہماری درخواست اور آرزو یہ ہے کہ صحیح ترین کیفیات اور واضح ترین واقعات وسوانحات اس امام خاص وعام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو آپ نے اپنے مرشدوں سے یا اس گروہ کے دیگر بزرگوں سے سنے ہوں یا کتب قومی میں دیکھے ہوں، تحریر میں لایئے اور تفصیل سے لکھ دیجئے تاکہ اس کتاب کے مطالعے سے ہمارے دلوں کو تسکین وتشفی ہو اور دوسری کتابوں کے مطالعے کی حاجت باقی نہ رہے۔

اس بناء پر اس ناقص نے اپنی سماع کے مطابق دینی بھائیوں اور یقینی دوستوں کی خاطر لکھنے کی ابتداء کی۔ اور جب یہ کتاب ختم ہونے کے قریب ہوئی تو پھر مشہور نقلوں اور قوم کی کتابوں سے چند معتبر روایات بھی اس کتاب میں درج کردیئے۔ اور جب یہ کتاب ختم ہوگئی تو حضرت بندگی میاں سید نور محمدؒ (خاتم کارؒ آخر حاکم) کے بہرہ عام کے روز ایک ہزار اٹھتر (۱۰۷۸ھ) میں پڑھی گئی اور برادران دائرہ کے اتفاق سے اس کتاب کا نام ''معارج الولایت'' رکھا گیا اور یہ کتاب اٹھارہ ابواب پر مشتمل ہے (صفحہ ۵ مطبوعہ)

صاحب کتاب نے تو لکھا ہے کہ کتاب مذکورہ اٹھارہ ابواب پر ترتیب دی گئی۔ لیکن آج اس کے صرف پندرہ باب دستیاب ہوئے اور ۱۶، ۱۷، ۱۸ویں ابواب، جو ذکر خلفاء و یاران آنحضرتؐ (مہدی علیہ السلام) ار ذکر علماء ومشائخین، مصدقین اور ذکر امراء وحکام

وسلاطین پر علی الترتیب مشتمل تھے' دستیاب نہیں ہوئے۔

معارج الولایت بعض دیگر سوانح عمریوں کے مقابل' مفصل ضرور ہے اوراس میں بہت سی ایسی باتیں ملتی ہیں جو دوسری کتابوں میں موجودنہیں ہیں۔مثلاً حضرت مہدی موعودعلیہ السلام کی پیدائش کی تاریخ ۱۴ر جمادی الاول ۸۴۷ہجری۔ یہ تاریخ سابقہ کتب میں نہیں ہے حتیٰ کہ صاحب شواہدالولایت نے بھی اس تاریخ کا اندراج نہیں کیا ہے۔ولادت کی یہ تاریخ حسابی طور پر بالکلیہ صحیح ہے۔غالباً صاحب تاریخ سلیمانی نے یہ تاریخ' معارج الولایت سے حاصل کی ہو۔اس کتاب کی دیگر خصوصیات کا بیان اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے تاہم اگرکوئی قاری حضرت مولفؒ کی علمی پرواز کانمونہ دیکھنا چاہتا ہوٗ اسے اس کتاب کا گیارھواں باب پڑھنا چاہئے کیونکہ اس بات کے مباحث اور مولف کے انداز بیان سے قاری حضرت موصوف کے تبحر علمی کا کچھ اندازہ کرسکتا ہے۔مولف نے اس کتاب میں جابجا کلام منظوم کے چار چاند لگا دیئے ہیں اور کتاب کے ختم پراس کوبہرہ عام کے مجمع خاص وعام میں سنانا ایک غیر معمولی' جرات مندانہ اورمنفرد اقدام تھا جومعارج الولایت کی خصوصیات میں داخل ہے۔

اس کتاب کے سواحضرت میاں سید محمودؒ نے سلوک وتصوف مہدویہ میں ایک بےنظیر رسالہ تحریر کیا ہے جس کی اگراشاعت وطباعت ہوجائے تو دنیا حقیقی مہدویت سے آگاہ ہوجائے۔رسالہ محمود میں حقائق واسرار کاایک سمندرنثر ونظم کی شکل میں ٹھاٹھیں ماررہا ہے۔حضرت موصوف کے یہ دونوں شاہکارٹوٹہ گوڑہ میں معرض وجود میں آئے اورمعارج الولایت نے ٹوٹہ گوڑہ کے مشرق میں بشیر پورہ (بسیط پورہ۔کاچی گوڑہ) میں اردوترجمہ کاجامہ پہنا ہے۔

حضرت موصوفؒ ٹوٹہ گوڑہ والوں کوعلمی وروحانی فیضان سے سیراب فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ۲۹رشوال ۱۰۸۷ھ کو واصل بالحق ہوئے۔اورتاریخ وصال ''مقبول خداشد'' (۱۰۸۷ھ) ہوئی۔تازہ میت ٹوٹہ گوڑہ سے منچپہ لے جائی گئی اورمیاں سید عیسیٰؒ کے پہلوئے راست میں قبلہ کی طرف تدفین عمل میں آئی (ماخوذازاخبارالاسراردیگر کتب وغیرہ)

(مطبوعہ کتاب ''معارج الولایت'' جلدسوم)

لسان الامّت

خطابت کی صلاحیت واستعداد بھی ایک خدائی دین ہے۔خطابت کمال ہے انسان کے اُس وصف امتیازی کوجس کونطق کہتے ہیں۔اس کی ابتداء بڑی عجیب ہے۔انسان عہد طفلی میں ''گفتگو'' تقلیدی عمل کے طور پراختیار کرتا ہے اور جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے' اپنے احساسات کوالفاظ کے ذریعہ ادا کرنے لگتا ہے۔اس طرح عام گفتگوانسانی دماغ کے ارتقاء کانتیجہ ہے۔لیکن خطابت حیات

شعوری کے ارتقاء کی پیداوار ہے۔ پروفیسر ولیم میگ ڈوگل کہتے ہیں کہ قوم میں بعض ارکان ایسے ہوتے ہیں جن میں خاص فطری ذکاوت ہوتی ہے یہی لوگ جدید نظریوں کی تحقیق کرتے اور بعض خاص اعمال کی قوم میں اشاعت کرتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے جس صلاحیت کو فطری ذکاوت بیان کیا ہے وہی قدرت کی دین ہے۔ جو خاص خاص افرادملت میں پائی جاتی ہے۔

خطابت کا وصف قائد ملت نواب بہادر یار جنگ میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ حقیقت میں دکن کے لئے ایک مایہ ناز ہستی تھے۔ دکن کی سرزمین کی ایک خصوصیت بڑی عجیب ہے۔ اور وہ یہ کہ یہاں کے باشندے اجتماعات کثیر میں تقریر وخطابت میں بہت پیچھے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں Self assertion کا وصف اپنی ارتقائی حالت میں نہیں ملتا۔ بہ اعتبار قابلیت' علمیت' وسعتِ معلومات' ان کی لیاقت میں کلام نہیں۔ لیکن اظہار کے مقام پر اخفا وانکسار کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس طرح مجامع عام کو اُن کی علمیت سے بہت کم فائدہ پہنچتا ہے۔ اور جیسی چاہئے رہنمائی حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن حضرت قائد ملتؒ نے اس کا کفارہ ادا کر دیا۔ انہوں نے میدان خطابت میں شہسواری کے وہ جوہر دکھلائے کہ اپنے اور پرائے دنگ رہ گئے۔ اور بے اختیار سبھوں کی زبان سے نعرۂ تحسین ومسرت ادا ہو گئے۔

حضرت قائد ملت میں خطابت کے تمام جوہر عجیب طور پر ودیعت ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی تقریر' تقریر نہیں ہوتی بلکہ ایسا جادو تھا جس سے سامعین مسحور ہو جاتے تھے۔ اُن کی تقریر سن کر یہ حدیث پاک اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی تھی جس میں فرمایا گیا ہے کہ

انّ مِنَ البَیَانِ لَسَحَرا ترجمہ: بے شک بعض بیان ایسے ہوتے ہیں جن میں جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔

بہترین تقریر کے حسب ذیل اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) بہترین تقریر وہ ہوتی ہے جس میں مقرر کا احساس ذاتی شامل ہو۔

(۲) تقریر اظہارِ خیال نہیں بلکہ اظہار ذات کا نام ہے۔

(۳) جوش اور ولولہ تقریر کے لوازم ہیں۔

(۴) بہترین تقریر **ادعا و تحکم** اور رہنمائی کے رجحان سے متصف ہوتی ہے۔

(۵) تقریر کی اعلیٰ صفت فصاحتِ کلام ہے۔

(۶) بہترین تقریر وہ ہے جس سے خود مقرر لطف اندوز ہو۔

یہ اوصاف حضرت قائد ملتؒ کی تقاریر میں مکمل طور پر موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک دردمند دل عطا فرمایا تھا۔ اور جب زندگی نے مواقع فراہم کئے تو یہ دردمندی اور بھی بڑھ گئی۔ مثلاً جب وہ حج بیت اللہ کو گئے اور ممالک اسلامیہ کی سیاحت کی تو عالم اسلام

کے حالات کا مشاہدہ کر کے اُن کے دل پر بڑی چوٹ لگی۔ جب وہ اپنے وطن واپس آئے اور تقاریر کا سلسلہ شروع فرمایا تو اُن کے درد دل کو ہر سننے والا اچھی طرح محسوس کرنے لگا۔ بلکہ یہ مشاہدہ ہے کہ موصوف کے جلسہ ہائے تقاریر میں سامعین پر اکثر رقت طاری ہوجاتی تھی۔

وسیع مطالعے‘ مشاہدے‘ تجربات اور زندگی کے نشیب وفراز نے اُن کو ایک خاص راہِ عمل سجھائی تھی۔اور اُن کے چند ذاتی نظریئے قائم ہوچکے تھے۔ اور وہ غیر سیاسی زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ بلکہ مذہب‘ معاشرت اور ادب وغیرہ چیزوں سے متعلق تھے۔اور وہ ان کو اپنی تقاریر میں برملا ظاہر کرتے تھے۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی تقریر محض اظہار خیال نہیں ہوتی تھی بلکہ اُن کی شخصیت کا پرتو بن جاتی تھی۔اور سامعین اس عظیم اور ہمہ گیر شخصیت سے بے حد متاثر ہوجاتے تھے۔مثلاً سیاسی پلیٹ فارم سے مسلمانانِ دکن کو جونعرے دئے وہ آج بھی ذہنوں میں محفوظ ہیں۔وہ فرمایا کرتے تھے۔’’ایک بنواور نیک بنو‘‘اسی ایک مقولے کی تشریح کی جائے تو طویل مضمون مرتب ہوسکتا ہے۔لیکن مختصر طور پر یہ ہے کہ وہ نہ صرف اتحاد قومی چاہتے تھے بلکہ اس اتحاد کے بنیاد اور اس کا امتیازی وصف’’نیکی‘‘ کو قرار دیتے تھے۔اتحاد خود ایک نیک مقصد ہے۔لیکن اتحاد حاصل ہوجانے کے بعد اجتماع کی توانائیاں نیک مقاصد کے حصول میں صرف ہونی چاہئے نہ کہ اتحاد سے مضرت رساں مقاصد حاصل کئے جائیں۔

جوش اور ولولہ بھی تقریر کا ایک عمدہ وصف ہے لیکن ایک عام غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ تقریر کے دوران میں چیخنے یا چلاّنے کا نام جوش ہے۔ جوش وولولہ دراصل جذبات کی ایک انتہا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب مقرر کا اظہار ذات اپنی انتہائی حد کو پہنچ جاتا ہے۔اور اُس پر ایک خمار سا چھا جاتا ہے۔اُس وقت اُس کے قلب میں ولولوں کا ایک سمندر موجیں مارنے لگتا ہے۔اور اُس کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے اُسے سن کر سامعین بھی پُر جوش ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ البیان والتبین میں جاحظؔ نے بیان کیا ہے کہ جب ایک عرب خطیب سحار بن عیاش عبدی سے پوچھا گیا کہ تمہاری تقریر میں جوش کیوں کر پیدا ہوجاتا ہے۔تو اس نے جواب دیا کہ۔’’شئی تجیش به صدورنافتقد مةعلی الستنا

ادعا وتحکم اور رہنمائی کے عناصر بہترین تقریر میں پورے طور پر نمایاں رہتے ہیں۔کیونکہ ایک اعلیٰ پایہ کا خطیب‘ نہ صرف خطیب ہی ہوتا ہے بلکہ وہ قائد بھی ہوتا ہے۔اعلیٰ خطابت خود ہی مقرر کو رہنمائی کے مقام پر لے جاکر کھڑا کردیتی ہے۔اس لئے وہ تمام اوصاف جو ایک قائد اور رہنما میں ہوتے ہیں تقریر میں منعکس ہوجاتے ہیں۔قائد ملت مرحوم میں اوصاف قیادت ورہنمائی نہایت اعلیٰ پایہ کے موجود تھے۔اُن کی قومی زندگی کے آغاز میں ہی انہیں قیادت ورہنمائی کا منصب حاصل ہوگیا۔مثلاً ۱۹۲۹ء کو انہوں نے اپنی خدمات مجلس جاگیرداراں کو دیں۔اور اُس بے جان انجمن کو زندہ اور کارکرد ادارہ بنادیا۔وہ اس کے معتمد ہی نہ تھے بلکہ روح رواں بھی

تھے۔۱۹۳۰ء میں وضع قوانین میں جاگیرداروں کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے اور چار سال تک اُس کے رکن رہے۔۱۹۳۴ء میں مجلس بلدیہ کا قیام عمل میں آیا تو وہ متفقہ طور پر اُس کے رکن منتخب ہوئے۔اور مجلس بلدیہ کے پہلے میئر چنے گئے۔غرض اس طرح قائد ملت مرحوم ابتداء ہی سے منصب قیادت پر فائز رہے۔

فصاحت دراصل الفاظ کی موسیقی ہے۔ایک راگ ہے جو لفظوں میں چھپا ہوتا ہے۔جب ایسے مترنم الفاظ جملوں کی شکل میں ڈھل کر کانوں تک پہنچتے ہیں تو سامع بے قرار ہوجاتا ہے۔جھومنے لگتا ہے۔اور ذوق لینے لگتا ہے۔اثر آفرینی فصاحت ہی میں پوشیدہ ہے۔قائد ملت کے خطبات فصاحت وبلاغت سے مالا مال ہوتے تھے۔تقاریر کے قطع نظر اُن کے عام بول چال تک فصاحت سے معمور ہوتی تھی۔ چنانچہ مرحوم نے خود ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ''میں ابھی چھوٹا تھا۔حضرت قبلہ گاہی مرحوم کے ایک دوست ملنے آئے۔میری گفتگو کوسن کر انہوں نے پوچھا کہ میاں تمہارے والد کی زبان تو ایسی نہیں ہے جیسی تمہاری ہے۔وہ تو وہی حیدرآباد کی زبان بولتے ہیں۔اور تم ہو کہ بڑی اچھی گفتگو کرتے ہو۔

بہترین تقریر کی یہ صفت بھی بتائی گئی ہے کہ مقرر بھی اپنی تقریر سے لطف اندوز ہو۔کیونکہ جس نغمہ سے مغنی خود متلذذ نہ ہو وہ بے اثر ہوتا ہے۔اور جس راگ سے مغنی بھی لطف اندوز ہوتا ہے اس کی سحر آفرینی بیان سے باہر ہوتی ہے۔ایسا نغمہ اُس میں ایک نئی روح پھونک دیتا ہے۔وہ گاتا ہی چلا جاتا ہے۔یہی حالت بہترین تقریر کی بھی ہوتی ہے۔مقرر خود ہی اپنے بیان سے آپ لطف لینے لگتا ہے۔بلکہ نغمہ کے مقابلہ میں تقریر کا مئے دوآتشہ کے مانند ہے۔کیونکہ اس میں اظہار شخصیت کا میلان بھی موجود ہوتا ہے۔یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ مقرر گھنٹوں بولتا چلا جاتا ہے۔اور تھکتا نہیں اور سامعین بھی ''ھل من مزید'' کی آواز لگائے چلے جاتے ہیں۔چنانچہ یہ وصف قائد ملت کی تقاریر میں اکثر ظاہر ہوتا ہے۔وہ بڑی دیر تک تقریر کرتے رہتے تھے۔اور اُس وقت ان کی تقریر شاعری کا روپ اختیار کر لیتی تھی۔اسی بات کو علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی بیان کیا تھا کہ ''ان کی نثر شاعری کا نمونہ ہوتی ہے'' جب قائد ملت تقریر ختم کرتے تو سامعین گویا چونک پڑتے اور جلسہ سے واپس ہوتے ہوئے قائد ملت کے الفاظ ہی کو دہراتے جاتے تھے۔

خطابت قائد ملت کے لئے خداداد عطیہ تھی۔اور انہوں نے اس صلاحیت کو قوم کی بیداری کے لئے وقف کر دیا تھا۔اپنے وطن حیدرآباد کی ہمہ جہتی خدمت کرتے ہوئے کل ہند اساس پر بھی اپنی خدمات کا بھی آغاز کر دیا تھا۔اور انہی کے قول کے مطابق خطابت زبردست حربہ تھی۔غرض قائد مرحوم کی خطابت ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔اور اسی لئے ان کو بجا طور پر ''لسان الامت'' کے نام سے پکارا گیا ہے۔

(مطبوعہ ہفتہ وار نغمۂ حیات قائد ملت نمبر)

جلسے کیوں کامیاب نہیں ہوتے؟

(جلسوں کی کامیابی وناکامی کا کیا معیار ہونا چاہیئے)

آپ دیکھتے ہیں کہ آئے دن قوم میں جلسے منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ان کی تیاریاں عرصہ پہلے شروع کردی جاتی ہیں۔اخباروں میں اعلان چھپوائے جاتے ہیں۔اورگلی کوچوں میں لمبے چوڑے خوشنما' رنگین اشتہارات چسپاں کئے جاتے ہیں۔جن سے درودیوار کی رونق بھی بڑھتی ہے۔اورناظرین رک کران اعلانات کوپڑھنے پرمجبوربھی کردیئے جاتے ہیں۔تاریخ ویوم مقررہ پروسیع جلسہ گاہ کوسنوارا اورسجایا جاتا ہے۔رنگین قمقموں سے باغ وبہار کا پورا سماں پیدا کرنے کی پوری کوشش کرلی جاتی ہے۔غرض اس دھوم دھام کے باعث سامعین بھی خاصی تعداد میں شریک ہوجاتے ہیں۔

جلسے کی کاروائی کئی گھنٹوں تک چلتی رہتی ہے۔دھواں دھاراور بلند آہنگ تقریریں ہوتی ہیں اور ہرمقرر کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ صرف اپنی ہی تقریر میں جلسہ کا زیادہ سے زیادہ وقت صرف کردے۔کبھی کبھارسامعین بھی''واہ واہ'' کرہی دیتے ہیں غرض کارکنوں کے چندے اور توانائی کا زیادہ سے زیادہ حصہ خرچ ہونے کے بعداطمینان کا سانس لیا جاتا ہے کہ جلسہ توبہت کامیاب رہا۔

لیکن کیاایسے تمام جلسے کامیاب قراردیئے جاسکتے ہیں؟ کامیابی کا حقیقی معیار کیا ہے؟ ان جلسوں سے کوئی فائدہ بھی ہوتا ہے؟ کوئی مقصد بھی حاصل کیا جاتا ہے ان سوالوں کے جواب سے معلوم ہوگا کہ جلسوں کے انعقاد اوران کی کامیابی کے اصول کیا ہیں۔

اگرآپ تمام اقسام کے جلسوں کا تحلیلی مطالعہ کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ اشخاص اور مسائل ہی ایسے دوموضوعات ہیں جن کے سلسلہ میں جلسوں کا انعقادعمل میں آتا ہے۔

(۱) اشخاص سے مراد ایسے تمام افراد ہیں جن کا قوم اور ملک (مخلوق خدا) کی خدمت سے تعلق رہا ہو۔مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام' اولیائے کرام' علماء' مصلحین' مدبرین' مجاہدین وغیرہ۔

(۲) مسائل سے مراد ایسے تمام موضوعات ہیں جن کا قوم وملک کی تعلیم' معاشیات' سیاست' اجتماعی زندگی اور مذہب واخلاق' ادب اور فنون سے تعلق ہو۔غرض یہی افرادومسائل وہ موضوعات ہیں جن کے سلسلہ میں خاص خاص مواقع پر ہمارے ملک میں جلسوں کا انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے۔ان مواقع کی مثالیں یہ ہیں۔اشخاص کی ولادت' ترقی وکارہائے نمایاں' سالگرہ' جوبلی' استقبال' خیرمقدم' سپاس گزاری' جام صحت' وداع' وفات' شہادت' کوئی تاریخی یوم' سیاسی انتخابات' پروپگنڈہ' مسائل قومی' تعلیمی معاشرتی' ضیافت' سالانہ

تقاریب' افتتاح' احتجاج' مسائل مذہب' مقدس مذہبی مواقع جیسے شب براءت' شب قدر' فتح مکہ' یوم القرآن' تبلیغ' مناظرہ وغیرہ وغیرہ۔

حضرات خاتمین علیہما السلام کی ولادت کو ہندوستانی زبان میں میلاد کہا جاتا ہے۔ اولیائے کرام کی وفات کو وصال اور اس دن کو عرس سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اعلائے کلمۃ الحق میں جان دینا ''شہادت'' کہلاتا ہے۔ علمی وسیاسی افراد کی ولادت کو'' سالگرہ'' کہتے ہیں۔ اور ان کی وفات کے موقع پر'' یوم'' منانے کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ مندرجہ بالا مواقع پر جو جلسہ منعقد کئے جاتے ہیں ان میں سے ہر ایک کا مقصد ہوتا ہے یہی مقصد جلسہ کی بنیاد ہے۔ اس کا حصول جلسہ کی کامیابی ہے۔ اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو جلسہ ناکام قرار دیا جائے گا۔ چاہے ظاہری دھوم دھڑ کا کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ ہر جلسہ کے ہر ایک مقرر کا فرض ہے کہ مقصد جلسہ کو پیش نظر رکھے بلکہ یہاں تک ہدایت کی جاتی ہے کہ تقریر کی تیاری میں مقصد جلسہ وتقریر کو ایک کاغذ پر لکھ کر اپنے روبرو رکھے۔ چنانچہ ایک امریکی مصنف مسٹر گلن کک لکھتے ہیں:

Before starting to prepare, you must think out early and put into words the objective which you hope to accomplish by the talk. This may sound obvious perhaps unnecessary. However. This can be one of the hardest yet most rewarding steps in the preparation........... Don't be fuzzy about it. write it down on your out link in one or two clear concise sentences"

ترجمہ: (تقریر کی) تیاری شروع کرنے سے پہلے تم کو واضح طور پر غور کر لینا اور اس مقصد کو الفاظ میں لکھ لینا چاہئے جسے تم اپنی تقریر کے ذریعہ حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہو بظاہر یہ بات پیش پا افتادہ۔ شائد غیر ضروری معلوم ہوتا ہم (تقریر کی) تیاری کے سلسلہ میں نرمی اختیار نہ کرو۔ (اپنی تقریر کے) خاکے پر ایک یا دو واضح ومختصر جملوں میں (مقصد تقریر) لکھ ڈالو۔

یہ ہدایت نوآموز مقرروں کے لئے لازمی اور آزمودہ کاروں کے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ تقریر ایک جذباتی عمل ہے۔ اور مقرر اکثر دوران تقریر میں مقصد سے بہت دور جا پڑتا ہے۔ اس لئے مقصد جلسہ کو پیش نظر رکھنا بے حد ضروری ہے۔ اگر جلسہ کی تقاریر سے مقصد جلسہ حاصل نہ ہو تو جلسہ ناکام قرار دیا جاتا ہے۔

وہ مقاصد کیا ہیں جن کے حصول کے لئے جلسے منعقد کئے جاتے ہیں؟ ان کے جاننے سے پہلے تقریر اور مقرر کے بارے میں چند باتوں کا مختصر طور پر جاننا ضروری ہے۔

تقریر یا خطابت فنون لطیفہ میں شامل ہے۔ جس طرح تمام فنون لطیفہ انسانی جذبات کو متاثر کرتے ہیں۔ تقریر یا خطابت بھی یہی عمل کرتی ہے ان فنون میں خطابت کا شاعری' موسیقی اور تمثیل نگاری سے قریبی ربط ہے۔ لیکن ایک واضح فرق بھی موجود ہے۔ خصوصاً

شاعری اور تقریر میں وہ فرق علامہ شبلی نعمانی اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ:

''خطابت بھی شاعری کی طرح جذبات اور احساسات کا برانگیختہ کرنا منظور ہوتا ہے۔لیکن حقیقت میں شاعری اور خطابت بالکل جدا جدا چیزیں ہیں۔خطابت کا مقصود حاضرین کو خطاب کرنا ہوتا ہے۔اسپیکر حاضرین کے مذاق' معتقدات اور میلان طبع کی جستجو کرتا ہے۔تاکہ اس کے لحاظ سے تقریر کا ایسا پیرایہ اختیار کرے جس سے ان کے جذبات کو برانگیختہ کرسکے۔اور اپنے کام میں لائے۔ برخلاف اس کے شاعر کو دوسروں سے غرض نہیں ہوتی۔وہ نہیں جانتا کہ کوئی اس کے سامنے ہے بھی یا نہیں۔اس کے دل میں جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ بے اختیار ان جذبات کو ظاہر کرتا ہے۔شاعر اگر اپنے نفس کے بجائے دوسروں سے خطاب کرتا ہے دوسروں کے جذبات کو ابھارنا چاہتا ہے۔جو کچھ کہتا ہے اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے کہتا ہے تو شاعر نہیں بلکہ خطیب ہے۔اگر ایک شخص کے اندرونی احساسات تیز اور مشتعل ہیں تو وہ شاعر ہوسکتا ہے لیکن خطیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے جذبات واحساسات کا نباض ہو۔

خطیب کا احساس بھی شاعر کے احساس سے کم نہیں ہوتا لیکن خطیب اس احساس سے مغلوب نہیں ہوتا اس کی غرض دوسروں پر اثر ڈالنا ہوتا ہے وہ اپنے احساس کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔اس سے اسی حد تک اور اسی ترتیب اور مناسبت سے کام لیتا ہے جہاں تک اوروں کے متاثر کرنے میں کام آئے۔

شاعر کو صرف موجودہ حالات سے کام ہوتا ہے لیکن خطیب یہ بھی دیکھتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا۔اسی بنا پر اہل عرب شعر کو جادوگری اور خطبہ کو حکمت کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ خطابات کا مقصود' جذبات کو احساسات کو برانگیختہ کرنا اور اپنے کام میں لانا ہے۔جس کی بہترین مثال یہ ہے کہ مارک انٹونی نے اپنی تقریر کے ذریعہ رومیوں کے جذبات برانگیختہ کئے۔اور جب اہل روما مشتعل اور مغلوب الغضب ہوگئے تو ان کے ہاتھوں جولیس سیزر کے دشمنوں کو ختم کراکے انتقام کی پیاس بجھائی۔اس وضاحت کے بعد ذیل میں جلسوں کے مقاصد پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(۱) اظہار مسرت و بہجت' ان تمام جلسوں کا مقصود ہے جو ولادت' میلاد' سالگرہ' جام صحت' جوبلی' وغیرہ کے مواقع پر منعقد کئے جاتے ہیں۔

(۲) ترقی کارہائے نمایاں' استقبال وخیر مقدم' سپاس گذاری' ضیافت' سیاسی انتخابات کے مواقع پر ممدوح کی مدح وتحسین' فخر' تشکر وامتنان' تائید وحمایت' کے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔

(۳) اظہار رنج وملال کے موقع پر تعزیت اور وداع کے جلسے ہوتے ہیں۔

(۴) شہادت کے جلسے راہ حق میں جاں سپاری کی ترغیب کے لئے ہوتے ہیں۔

(۵) تاریخی ایام پر جلسوں کا انعقاد قوم کو ایک مخصوص موقع کی یاددہانی کے لئے ہوتا ہے۔

(۶) مقدس ایام ولیالی میں جلسوں کا منعقد کرنا جذبات مذہبی کو تازہ کرنے کے لئے ہے۔

(۷) قومی مسائل کے جلسے عمل واصلاح کے جذبات اُکسانے کے لئے ہوتے ہیں۔

(۸) مذہبی جلسوں میں مذہب سے وابستگی کے جذبات میں شدت پیدا کی جاتی ہے۔اور فرائض مذہب پر عمل کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

مندرجہ بالاسطور کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ تقریر وخطابت کا مقصد سامعین کے مردہ جذبات میں جان ڈالنا' عمل کے لئے بیدا رکرنا' راہِ عمل پر گامزن کردینا' اعتقاد ویقین میں پختگی پیدا کرنا ہے۔علمی وادبی تقاریر کا مقصد جذبۂ جستجو وتحقیق کو متحرک کرنا ہے۔اگر انعقاد جلسہ سے یہ مقاصد حاصل ہوں تو وہ جلسہ کامیابی سے ہمکنار ہے۔ورنہ تمام ظاہری اہتمام کے باوجود جلسہ ناکام قرار دیا جاتا ہے ۔پس جلسہ کو کامیاب بنانے یا مقصد جلسہ حاصل کرنے کے لئے بانیان جلسہ کو مندرجہ ذیل اصولوں پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے ورنہ ان کی سہولت پسندی سے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔

(۱) داعی جلسہ یا کمیٹی کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ موقع ومقصد کو پیش نظر رکھ کر تقریر کے عنوان کا انتخاب کرے۔لیکن بڑے افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ بانیان جلسہ اپنا سارا زور جلسہ کی ظاہری شان وشوکت پر صرف کردیتے ہیں۔اور اصل مقصد کی طرف توجہ نہیں کرتے۔حالانکہ انعقاد جلسہ کی غرض منتخبہ عنوان پر اچھی تقریر سنوانا ہے۔اور یہی غرض نظر انداز کردی جاتی ہے۔اور طرّہ یہ کہ مقرروں کے صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ جس عنوان پر چاہیں تقریر کریں۔اور مقررین بھی سہولت کے پیش نظر گھسے پٹے عنوانات پر سامعین کو مخاطب کرکے جلسہ کی ناکامی پر اپنی مہر تصدیق ثبت کردیتے ہیں۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔بانیان جلسہ کا عنوان کو منتخب نہ کرنا ایک گناہ عظیم ہے جو بالکل ناقابل معافی ہے۔

مناسب وموزوں عنوان کا انتخاب یقیناً مشکل لیکن اہم مرحلہ ہے جس کام کے لئے علمیت ولیاقت اور وسیع معلومات کی ضرورت ہوتی ہے۔انتخاب عنوان کی کمیٹی ایسے لائق افراد پر مشتمل ہو جو موقع ومقصد جلسہ کے متعلقات سے خوب واقف ہوں۔اگر ایسے افراد کسی مقام پر موجود نہوں تو بانیان جلسہ کو چاہئے کہ دور دراز رہنے والے لائق قومی افراد سے خط وکتابت کے ذریعہ عنوانات حاصل کریں۔بہر صورت اس کام کو انجام دیں۔

(۲) عنوان کا انتخاب کافی عرصہ پہلے ہونا چاہئے۔یہ مرحلہ بھی اہم اور ناقابل نظر انداز ہے۔کیونکہ اچھوتے اور نادر عنوان کی تلاش وسعت وقت کی متقاضی ہے تاکہ نہایت غور وفکر اور سکون وسہولت کے ساتھ انتخاب عنوان کے مرحلہ کو سر کیا جائے۔اس اصول پر عمل کرنے سے اچھے اچھے عنوانات حاصل ہوسکتے ہیں۔اور بیرونی مقامات سے مشورہ کی گنجائش بھی موجود رہتی ہے۔ورنہ جلسہ سے کچھ ہی دن پیشتر عجلت میں عنوان کی تلاش کی جائے تو اس غواصی میں سوائے حزف ریزوں کے کچھ ہاتھ نہیں آسکتا۔اس عمل سے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مقررین کو بھی ایک عرصہ پہلے عنوانات مل جاتے ہیں۔اور انہیں بھی ان پر غور وخوض کرنے مواد مہیا کرنے اور نکتہ آفرینی کا

موقعہ مل سکتا ہے۔ ورنہ مقررین متبدل پہلوؤں پر تقریر جھاڑ دیتے ہیں۔ جس سے جلسہ کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اگر اتفاقاً کوئی مقرر شرکت جلسہ سے معذرت کرے تو متبادل انتخاب کا موقعہ حاصل رہتا ہے۔

(۳) عنوان کے انتخاب میں موقع اور مقصد کو پیش نظر رکھے۔ مواقع کی تفصیل ابتداء مضمون میں پیش کی جاسکتی ہے اور اسی طرح مقاصد جلسہ ہائے گوں ناگوں کا اظہار بھی کیا جاچکا ہے۔ پس بانیان جلسہ کو چاہیئے کہ انتخاب کے موقع پر ان کو نگاہ میں رکھیں۔ یہ دیکھیں کہ یہ جلسہ کس موقع پر منعقد کیا جارہا ہے۔ مثلاً جلسہ میلاد کا انعقاد منظور ہو تو اس کا صاف وصریح مقصد یہ ہوگا کہ سارے عنوانات وموضوعات واقعہ ولادت سے متعلق ہوں گے۔ اور کوئی غیر متعلق عنوان تجویز نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ جلسہ کے مقصد کے منافی ہوگا۔ مثلاً واقعات وفات کے تعلق سے کوئی موضوع میلاد کے پروگرام میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ وقس علی ھذا القیاس

تشریح مزید کی خاطر جلسہ میلاد کے عنوانات کی ایک فہرست دی جاتی ہے تاکہ اس قسم کے عنوانات دوسرے جلسوں کے لئے بھی منتخب کئے جاسکیں۔

(۱) عہد ولادت کے معاشری، اخلاقی، علمی حالات۔ (۲) رواجی مذہب یا مذاہب۔

(۳) ملکی وقومی سیاست۔ (۴) عہد ولادت کی مخصوص تحریکات۔

(۵) خاندان وماحول ونسب وغیرہ۔ (۶) علائم ارہاصیہ۔ تغیرات سماوی ودنیاوی۔

(۷) واقعہ ولادت، حالات زمانۂ پرورش۔ (۸) بچپن کے حالات، مخصوص ابتدائی رجحانات۔

(۹) معاصرین سے امتیاز۔ ماحول۔ (۱۰) مماثل افراد سابق سے تقابل۔

واضح ہو کہ میلاد کے موقعوں پر ان کارناموں پر تقریریں نہیں کی جائیں گی۔ جو زمانہ مابعد میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ پس جلسہ میلاد کو ذکر ولادت تک ہی محدود رکھنا ضروری ہے تاکہ مقصد جلسہ متاثر نہ ہو۔ کیونکہ عنوانات میں نامناسب وسعت پیدا کر دینے سے حقیقی مقصد ختم ہو جاتا ہے۔

البتہ سیرت کے عنوان سے جو جلسہ منعقد کئے جاتے ہیں ان میں ممدوح کے تمام کارناموں کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے ایسے جلسوں کا مقصد فخر ومباہات ہوتا ہے تاکہ قوم میں بیداری اور مثالی زندگی کی تڑپ پیدا ہو۔ تاہم سیرت کے جلسوں میں بھی ولادت کی تفصیلات یا وفات (وصال) کے تذکرے بالکل بے محل ہوتے ہیں۔ اور مقصد جلسہ کو بالکل متاثر کر دیتے ہیں۔

(۴) عنوانات کی مناسبت سے مقرر کا انتخاب کرے۔ بانیان جلسہ کے لئے یہ مرحلہ کچھ زیادہ ہی مشکل ہے۔ اس لئے کہ عنوانات گوں ناگوں قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں تاریخ، سیاست، معاشیات، اخلاق، مذہب، فلسفہ اور سائنس کے مسائل زیر بحث آجاتے ہیں۔ ہر مضمون کے بیان کا اسلوب بھی جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے عنوان کی خصوصیت کے لحاظ سے ایسے ہی مقرر کا انتخاب کرنا پڑتا ہے جو اس موضوع پر اچھی طرح ''بول'' سکے۔ اگر کوئی مقرر کسی مخصوص عنوان پر خاطر خواہ اظہار خیال نہ کر سکتا ہو تو اُسے تقریر کی''

زحمت‘‘ ہی نہ دینی چاہئے۔

بانیان جلسہ کا فرض ہے کہ قومی مقررین کی صلاحیت ولیاقت سے بخوبی واقف ہوں۔عنوان کی مناسبت اور تقاضے کے لحاظ سے ایسے ہی مقرر کا انتخاب کریں جو اس عنوان کا پورا پورا حق ادا کرسکے۔اس طرح کسی مخصوص عنوان پر ایک جچی تلی تقریر سنوانا بانیان جلسہ کی مساعی کی بڑی کامیابی ہے۔اور جلسہ کی کامیابی کی ضمانت بھی ہے۔

اگر بانیان جلسہ اپنی افسوناک ناواقفیت کے باعث کسی مقرر کو خود منتخب نہ کرسکیں تو کم از کم عنوانات کی فہرست مقرر کو بتا کر انہیں خود کسی عنوان کے انتخاب کا موقعہ دے دیں۔(یہ طریقہ بصورت مجبوری ہی اختیار کیا جاسکتا ہے)

اگر کسی مقام پر مطلوبہ علمیت ولیاقت کے مقررین موجود نہ ہوں تو ’’باہر‘‘ سے مقرر کو مدعو کیا جاسکتا ہے۔لیکن ان کے انتخاب میں بھی ان ہی شرائط کو ملحوظ رکھنا ہوگا جو مقامی مقررین کے انتخاب میں مذکور ہیں۔

ایسے جلسوں میں ’’مہمان خصوصی‘‘ کی تقریر ناپسندیدہ بدعت ہے۔اگر منتخبہ عنوانات پر تقریر کرنے والا کوئی بھی مقرر قوم میں موجود نہ ہو تو قوم کو اپنی بدنصیبی پر ماتم کرنا چاہئے اور جلسہ منعقد ہی نہ کرنا چاہئے کیونکہ ایسے جلسوں سے توانائی‘ روپیہ اور وقت کے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مقررین قومی سرمایہ ہوتے ہیں جو قوم کو بیدار‘ متحرک اور قومیت سے وابستہ رکھتے ہیں۔قوم کا فرض ہے کہ اپنی اجتماعی کوشش سے ہر زمانے میں معیاری مقررین کو ابھرنے کا موقعہ دے۔

(۵) پروگرام کی ترتیب: یہ مرحلہ بھی کچھ کم اہم نہیں۔واضح ہو کہ پروگرام کی ترتیب عنوانات کے لحاظ سے ہوتی ہے مقررین کے لحاظ سے نہیں ہوتی۔لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ بانیان جلسہ عنوان کی اہمیت کو نظر انداز کر کے مقررین کو اہمیت دینے لگتے ہیں۔اور عنوانات اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ شتر گربگی پیدا ہوجاتی ہے۔یہ ایک نازک اور اہم نکتہ ہے جس کی طرف خیال نہیں جاتا اور نتیجہ یہ ہے کہ جلسہ لاحاصلی کا شکار ہوجاتا ہے۔مختصر یہ کہ پروگرام کی ترتیب میں عنوانات کے منطقی تعلق کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔کیونکہ جلسہ ایک کُل ہے اور ہر تقریر ایک جُز۔ساری تقریروں کا مقصد اس کل کے مقصد کو حاصل کرنا ہے۔تمام تقریروں کو سننے سے سامعین کے ذہن میں ایک خاص تصور ابھرنا چاہئے۔اور ایک خاص تاثر پیدا ہونا چاہئے۔اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ ہر مقرر اپنی تقریر کے ذریعہ اسی کو پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

پروگرام کی ترتیب میں ہر تقریر کے لئے وقت کے تعین کا مسئلہ بھی اہمیت رکھتا ہے۔یہاں بھی بانیان جلسہ ایک بنیادی غلطی کرجاتے ہیں اور وہ یہ کہ بعض مقررین کی خوشنودی کے پیش نظر تقریروں کے وقت میں اضافہ یا کمی کردیتے ہیں۔حالانکہ اصولاً تقریر کا وقت عنوان کی اہمیت کے لحاظ سے مقرر کیا جاتا ہے۔عنوان کی وسعت یا محدودیت وقت تقریر کی توسیع یا تحدید کی بنیاد ہوتی ہے۔اس میں مقرر کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔بہرحال پروگرام میں جس قدر وقت تقاریر کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس کو عنوانات کی اہمیت کے لحاظ

سے بانٹ دینا چاہئے۔

(٦) دعوت تقریر اور مقرر کی رضامندی وغیرہ: جلسہ کا پروگرام وغیرہ تیار کرنے کے بعد بانیان جلسہ کا فرض ہے کہ کافی عرصہ پہلے مقرر سے ملاقات کرکے پروگرام کی تفصیلات پیش کریں اور مقرر کو دعوت تقریر دیں اور اس کی رضامندی بھی حاصل کرلیں۔ اگر مقرر جلسہ میں حصہ لینے پر آمادہ ہوجائے تو اس صورت میں اُسے تیاری تقریر کے لئے کافی وقت مل جاتا ہے۔ اگر مقرر پروگرام میں حصہ لینے سے قاصر ہے تو متبادل انتظام پر غور کرنے کا موقع بھی رہتا ہے۔ دعوت تقریر کی قبولیت کے لئے مقرر کو کچھ مہلت بھی دینا چاہئے تا کہ عنوان کے تقاضوں کے مطابق مقرر تیاری کرسکتا ہے یا نہیں اس کا علم مقرر کو ہوجانا چاہئے پھر وہ مکمل اعتماد کے ساتھ دعوت تقریر کو قبول کرسکتا ہے۔

اگر مقرر کو تقریر سے معذرت خواہی کرنی ہو تو یہ اطلاع بانیان جلسہ کو پروگرام کی طباعت سے پہلے ملنا چاہئے۔ ورنہ نام کی اشاعت کے بعد مقرر کا جلسہ میں نہ آنا خود مقرر، جلسہ اور داعیان جلسہ کے لئے تکلیف دہ امر ہوتا ہے۔

بانیان جلسہ کے فرائض میں یہ بھی ہے کہ جلسہ گاہ تک مقرر کی آمد و رفت کا خود ہی انتظام کریں اور مقرر پر نہ چھوڑ دیں۔ اکثر یہ غلطی بھی ہوجاتی ہے۔ یا تو تمام مقررین کو آغاز جلسہ سے پہلے بلوالینا چاہئے یا حسب سہولت ایک ایک مقرر کو جلسہ گاہ تک پہنچانے کا انتظام کرنا چاہئے۔ ہر مقرر اپنے وقت مقررہ سے کم از کم آدھا گھنٹہ پہلے پہنچ جائے۔ اب مقرر کی خواہش کے مطابق اس کے بیٹھنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ بعض مقرر تنہائی کو ترجیح دیتے ہیں۔ تا کہ اپنی تقریر پر نظر ثانی کرلیں۔ اس لئے انہیں سب سے الگ تھلگ بٹھا دینا چاہئے۔ اور کسی کو اس تنہائی میں مخل ہونے کی اجازت نہ دینا چاہئے۔ اور اکثر ایسا موقعہ پیش آجاتا ہے لیکن سختی کے ساتھ تمام ملاقاتیوں کو روک دینا چاہئے ہاں یہ اور بات ہے کہ مقرر کسی سے ملنا ضروری سمجھے۔ اور جو مقررین جلسہ گاہ میں بیٹھنے کو ترجیح دیں ان کے لئے اسٹیج سے قریب کسی مقام پر بیٹھنے کا انتظام کیا جائے۔ تقریر سے پہلے کسی مشروب سے مقرر کی تواضع بھی کی جاسکتا ہے۔

(٧) تقریر سے پہلے مقرر کا تعارف: عام طور پر بڑے بھاری جلسوں میں مشہور و معروف مقررین کو ہی مدعو کیا جاتا ہے جن سے سامعین بخوبی واقف ہوتے ہیں اور پروگرام میں ان کا نام شامل ہوجانا جلسہ کی مقبولیت کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے مقررین کے تعارف کی چنداں ضرورت نہیں۔ اگر بانیان جلسہ کی وجہ سے اس بات کو ضروری سمجھتے ہیں تو اعلان و اشتہار میں مختصر سا تعارف کافی ووافی ہوتا ہے۔ اسٹیج پر مقرر کے تعارف کی ضرورت نہیں۔ ناگزیر صورت میں مختصر، بلیغ محتاط اور پروقار الفاظ سے تعارف کرایا جاسکتا ہے۔ تعارف کرانے والے کی زبان سے کوئی لفظ بے احتیاطی سے نکل جائے تو وہ مقرر اس کی تقریر کے حق میں سمِ قاتل ہوتا ہے۔ اس لئے تعارف میں شدید ترین احتیاط کی ضرورت ہے۔ تعارف کے موقعہ پر اکثر مبالغہ اختیار کیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ مقرر کے حق میں بڑی بھلائی ہے لیکن حقیقت میں یہ نادان کی دوستی ہے۔ بانیان جلسہ کو اس میں احتیاط کرنا چاہئے۔ آجکل تعارف کا ایک نیا طریقہ اختیار کیا جارہا ہے کہ تعارف کنندہ خود مختصر سی تقریر کردیتا ہے اور اکثر و بیشتر مقرر پر کوئی شعر چسپاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن یہ ''بدعت''

ہر طرح قابلِ مذمّت ہے کیونکہ بڑی محنت سے جلسہ کے لئے جو فضاء تیار کی جاتی ہے وہ ایسے تعارف سے درہم برہم ہوجاتی ہے۔اس لئے بانیانِ جلسہ کا فرض ہے کہ ایسی بدعتوں سے کوسوں دور رہیں۔

مہمان مقرروں کو ملاقاتوں اور تفریح کے ذریعہ تھکایا نہ جائے' کیونکہ تھکا ماندہ مقرر پر جوش تقریر نہیں کرسکتا و نیز تقریر سے پہلے مقرر کو مرغن غذاؤں سے ''بوجھل'' بنایا نہ جائے۔ایسی ''خاطر تواضع'' تقریر کا چراغ بجھا دیتی ہے۔غرض انعقاد مجالس کے یہ چند اہم اصول ہیں جن پر داعیٔ جلسہ یا بانیان مجالس کو عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' جولائی ۱۹۷۹ء)

مقرر کے اوصاف

فلاسفۂ قدیم اور محققین دورِ جدید' ہر دو نُطق وکلام کو نوعِ انسان کا امتیازی وصف سمجھتے ہیں۔جب کوئی فردِ نوع' اس وصف کو ترقی وتکمیل کے ذریعہ ممتاز بنالیتا ہے تو وہ خود ابنائے جنس میں صاحب امتیاز ہوجاتا ہے۔اُس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ' حکیمانہ اقوال کی مانند' دنیا کے لئے مشعل ہدایت بن جاتے ہیں۔قومی زندگی کے ہر قدم پر اس کی معجز بیانی لاینحل عقدوں کو سلجھا کر منزل مقصود کے مرحلوں کو طے کرنے میں معاون بنتی ہے۔فارقلیس (Perceles) اور ڈیماس تھینز (Demosthenes) یونانی اور قس بن ساعدۃ الایادی وغیرہ کی زندگیاں شاہد ہیں کہ شہرت' عزت اور مراتب علیہ' خطباء کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہوجاتے ہیں۔ اولوالعزم انبیاءؑ ' مصلحانِ قوم' رہنمایان مذاہب' اور قائدین ملل جیسی بلند اور پُرعظمت ہستیاں بھی خطباء ہی کی صفوں میں شامل ہوجاتی ہیں۔الحاصل تقریر وبیان کی عظمت' تحریر وبیان سے باہر ہے۔

اگرچہ قوتِ بیان عطیۂ الٰہی ہے تاہم جب تک تہذیب وتمرین کے ذریعہ اُسے سنوارا نہ جائے وہ ''آب محض'' کے مانند ہے جو ابھی ''تاک'' میں ہو اور جب یہی قوت فن کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے تو دودھاری تلوار بن جاتی ہے۔

انگور میں تھی یہ مئے' پانی کی چار بوندیں
جس دن سے کھنچ گئی ہے' تلوار ہوگئی ہے

اسی حقیقت کے پیشِ نظر فلاسفۂ یونان نے پانچویں صدی قبل مسیح سے قوتِ بیان کو فن خطابت کی صورت دینی شروع کی۔ابو الخطابت امپی دوقلس (Empedocles) گورجیاس (Gargias) بروطاغورس (Protagoras) انطیفون (Antiphon) قوراقیس (Carais) اور شہزادۂ خطابت ایسقراطیس (Isocrates) وغیرہ جو فن کے مجتہد اور امام تھے فن خطابت کو مُدوّن کر کے کئی کتابیں تصنیف کیں' جو افسوس ہے کہ آج تقریباً ناپید ہیں۔معلم اول ارسطاطلیس (Aristotle) نے

تقریباً ۳۲۲ ق م میں خطابت پر ایک کتاب رایطوریقا (Rhetoric) تصنیف کی تھی جو خوش قسمتی سے آج بھی موجود ہے۔ علمائے عرب سے معلم ثانی ابونصر فارابی اور دیگر حکماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔

فنی اعتبار سے شائق تقریر کے لئے چند مخصوص شخصی اوصاف کی تحصیل و تکمیل نہایت ضروری ہے ان میں سے چند بنیادی صفات کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

صحت وتندرستی:

اس عنوان پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ دینی ودنیوی ہر قسم کے کاموں کی تکمیل کے لئے صحت مندی کی کتنی ضرورت ہے۔ خطابت میں اس کو اس لئے اولین اہمیت دی جاتی ہے کہ نطق وکلام میں وافر توانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ توانائی بغیر صحت وتندرستی کے حاصل نہیں ہوتی۔ گفتگو انسانی نظام اعصاب کا ایک نہایت پیچیدہ فعل ہے۔ جب آدمی بات چیت کرتا ہے تو چھوٹے بڑے کم وبیش اٹھارہ عضلات کام میں لگے رہتے ہیں۔ اسی لئے جتنی دیر ہم بات چیت کرتے ہیں ہمارا جسم براہ راست اسی نسبت سے تکان محسوس کرتا ہے۔ اور تکان اُسی وقت محسوس ہوتی ہے جب طاقت وتوانائی صرف ہوتی ہے۔ اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ روزمرہ کی معمولی بات چیت میں تندرستی کی کس قدر اہمیت ہے۔ اور یہ اہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب کوئی شخص تقریر کے میدان میں گامزن ہونے لگتا ہے۔ اس لئے شائقین خطابت کی اولین کوشش یہی ہونی چاہئے کہ اعلیٰ درجہ کی تندرستی حاصل کرلیں۔ اعلیٰ تندرستی وافر توانائی پیدا کرتی ہے اور جب مزاج اعتدال پر ہو تو طبیعت میں ایک فرحت پیدا ہوتی ہے۔ آمد کا ایک عجیب عالم طاری رہتا ہے۔ طبیعت پوری طرح حاضر رہتی ہے اسی کیفیت کو عام طور پر موڈ (Mood) کہا جاتا ہے۔ جب مقرر پر بولنے کا عالم (موڈ) طاری ہو' اور اس وقت' وہ جو بھی تقریر کرتا ہے وہ عدیم المثال' فقید النظیر ہوتی ہے۔

ان امور کے علاوہ تندرستی اور دوسرے اوصاف کا بھی' مصدر ومنبع ہے۔ مثلاً عمدہ قوت حافظہ' شیریں وبلند آہنگ آواز' خود اعتمادی' ضبط نفس' استقلال' وجاہت اور دبدبۂ ظاہری وغیرہ جسمانی طاقت وتوانائی کے بہت کچھ رہین منّت ہیں۔ اس لئے مقرر کو جسمانی طاقت حاصل کرنے اور اپنی صحت کی حفاظت کے قاعدوں پر چلنے کی بے حد ضرورت ہے۔

وجاہت:

مشہور ماہر نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کہتے ہیں کہ ''انسان اپنے ہم جنسوں کی موجودگی سے متاثر ہوتا ہے'' یعنی معاشرے میں ہمیشہ ایک انسان دوسرے پر اثر ڈالتا رہتا ہے اور یہ اثر آفرینی اُس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جبکہ متاثر کرنے والا فرد صاحب وجاہت بھی ہو۔ وجاہت اور دبدبہ سے سامعین کافی متاثر ہوجاتے ہیں۔ بلند وبالا' لحیم شحیم' عبا یا جُبّہ یں ملبوس شخص' حاضرین کے لئے بڑا مرعوب کن ہوتا ہے' چاہے اُس میں ذاتی جوہر کچھ نہ ہوں۔

وجاہت سے مراد قد وقامت' ڈیل ڈول' پوشاک اور وضع کا مجموعی تاثر ہے۔ اس اعتبار سے وجاہت کو وہبی یا قدرتی سمجھا

جاتا ہے۔لیکن یہ خیال جتنا زیادہ عام ہے' اُس قدر صحیح نہیں۔ کیونکہ لباس اور وضع قطع کو نظر انداز کرنے کے بعد قامت اور جسمانیت بھی انسانی دسترس سے باہر نہیں۔ اگر چہ انسانی جسم وجبّہ موروثی خصاص کی نمائندگی کرتا ہے تاہم یہ موروثی چوکھٹا ایک حدتک قابل تغیر ہے۔ زمانہ حاضر کے سائینس دان اور نفسیات دان موروثی نظام کے استحکام کے قائل نہیں۔ چنانچہ مشہور ماہر نفسیات پروفیسر ایچ ایس جننگس کہتے ہیں کہ ''جو کچھ والدین نے وراثتاً چھوڑا ہے وہ چند کیمیائی اجزا کے پیکٹ ہیں جو ایک قسم کے حالات میں ایک قسم کے اور دوسری قسم کے حالات میں دوسری قسم کے اوصاف پیدا کرتے ہیں'' پروفیسر جننگس کے اس قول کی تشریح ماہر نفسیات مسٹر ای۔اے۔مینڈر یوں کرتے ہیں کہ ''اس طرح ایک بچے میں جسمانی طور پر ایک درجن یا درجن سے زائد طریقوں سے کسی ایک طریقے پر نشو ونما پانے کے امکانات موجود ہیں۔ اور جس طریقے سے نشو ونما ہوگی اس کا دارومدار اس (بچے) کے اردگرد کے حالات اور تجربات ہے'' سائنس دانوں میں نیویارک سائینس اکاڈیمی کے معتمد ڈاکٹر روکس کا قول ہے کہ ''ہماری انفرادی خصوصیتوں کا معاملہ تمام تر وراثت پر موقوف نہیں ہے بلکہ ان خصوصیات اور جذبات کا تعین کیمیائی ضبط گرون (Regulators) سے ہوتا ہے جن کو درون افرازی غدود پیدا کرتے ہیں''

ماہرین کے ان بیانات سے ثابت ہے کہ جسمانی خصائص میں تبدّل وتغیّر عین ممکن امر ہے۔ اور اس تغیر کا دارومدار دروں اِفرازی غدود پر ہے اور ان میں بھی بالخصوص غدہ ورقیہ (Thyroid Gland) اور غدہ نخامیہ (Pituitary Gland) انسانی قامت کی پستی اور بلندی کے ذمہ دار ہیں۔ اس لئے وجاہت افزا نشو ونما کے لئے ضرور جدوجہد کرنا چاہئے۔ چنانچہ اُصول حفظان کی پابندی' مناسب غذا باقاعدہ ورزش اور مشق سے بڑی حدتک خوش قامتی اور تنومندی حاصل ہوتی ہے۔ یہ ہدایت بطورِ خاص اُن لوگوں کے لئے ہے جو اپنی لاعلمی یا غفلت کے باعث دبدبۂ ظاہری کے اثر کو بھول بیٹھے ہیں۔ اور جنہیں خوش قسمتی سے وجاہت حاصل ہے' انہیں اس نعمت کی ضرور قدر کرنی چاہئے۔

وجاہت افزا عناصر میں پوشاک بھی داخل ہے۔ اور اخلاقیات کے تمام اُصولوں کے برخلاف جن میں لباس کی سادگی پر زور دیا گیا ہے' یہ ایک حقیقت ہے کہ عوام شاندار لباس سے اثر پذیر اور مرعوب ہوتے ہیں۔ اس لئے مقرر کو لباس کے بارے میں ہوشیار رہنا چاہئے۔ لباس کی وضع قطع' معاشرہ کے معتبر لوگوں کے مانند ہو' کیونکہ سوقیانہ مذاق کی پیروی سطوت شکن ہوتی ہے۔ معاشری حلقوں میں بعض بعض اختلافات ہوتے ہیں اس لئے کسی خاص' مقررہ لباس کے استعمال کی ہدایت شکل ہے۔ اس کا فیصلہ ہر شخص اپنے اپنے ماحول کو دیکھ کر کرسکتا ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''تصدیق'' اکٹوبر ۱۹۵۵ء)

قوت حافظہ

بہتر حافظہ مقرر کے نمایاں اوصاف سے ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اپنی جامع و مانع تقریر پیش کرنا، مقرر کے لئے قطعی ممکن نہیں۔ تمام بلند پایہ مقررین کی سوانح حیات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب اس وصف سے قابل لحاظ طور پر متصف تھے۔ اس لئے خطابت وتقریر کے طالب کو اس کے حصول میں پوری جد وجہد کرنا چاہئے۔

بدقسمتی سے بہتر حافظہ کے بارے میں بھی یہی خیال پھیلا ہوا ہے کہ اس عطیے سے قدرت نے چند خاص افراد ہی کو سرفراز کیا ہے اور اکثریت اس نعمت سے شائد محروم ہے! لیکن تحقیقات جدید نے اس خیال کو باطل قرار دیا ہے۔ چنانچہ مشہور ماہر نفسیات پروفیسر کارل سی شور لکھتے ہیں کہ

’’ایک عام آدمی اپنی خداداد قابلیت حفظ کا دس فی صدی سے زیادہ حصہ استعمال نہیں کرتا یادداشت کے قدرتی اصول توڑ کر اپنی نودفی صد قابلیت حفظ ضائع وبیکار کردیتا ہے‘‘

اس قول سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ قدرت عطا وبخشش کے معاملے میں بخیل وتنگ نظر نہیں۔ ضرورت صرف اتنی ہے کہ انسان اپنی اس صلاحیت سے واقف ہو اور اسے صحیح طور پر استعمال کرے۔

حافظہ دراصل انسان کی وہ قوت وصلاحیت ہے جو حواس کے ذریعہ وارد ہونے والے ارتسامات کو دماغ میں محفوظ رکھتی ہے اور حسب ضرورت ان نقوش کو اُجاگر کردیتی ہے۔ صحیح طور پر کام نہ لینے، اور ارتسامات کی بے قاعدگی سے حافظہ میں نقص پیدا ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس کو دور کرنے اور قوت حافظہ کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے چند تدابیر پر عمل کرنا مفید ہوتا ہے۔ ان تدبیروں میں سے ایک جسمانی نگہداشت وغیرہ سے متعلق ہے اور دوسری تربیت سے۔

جسمانی نگہداشت سے مطلب یہ ہے کہ دماغ کو وافر مقدار میں خون بہم پہنچنا چاہئے تاکہ صرف شدہ توانائی دوبارہ پیدا ہوجائے۔ دماغی قوتوں کی برقراری اور نشوونما میں نیند کا بہت بڑا حصہ ہے۔ نیند بھر سونے سے دماغ کی صرف شدہ توانائی پھر پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کے برخلاف بے خوابی کا مرض دماغ اور حافظہ کے لئے مضر ہے۔ زیادہ جاگنے سے پرہیز کرنا بے حد لازم ہے۔ صبح کی چہل قدمی دماغ کی فرحت اور حافظہ پر خوشگوار اثرات مترتّب کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

تربیتی تدابیر میں حواس کی درست کارکردگی کو اولین اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ حافظہ دراصل حواس کے ذریعہ حاصل شدہ ارتسامات کا مجموعہ ہے۔ ان کی ناقص کارکردگی سے حافظہ کے نقوش بھی مدھم ہوجاتے ہیں۔ اس لئے گہرے ارتسام کی خاطر ہر ایک حاسہ کو عمدہ فعل انجام دینا چاہئے۔

جملہ حواس میں حاسۂ بصر کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔اس لئے اسی کی تربیتی تدابیر بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) آپ جس کمرے میں لکھتے پڑھتے ہیں، وہاں کی تمام اشیاء کی ایک فہرست بغیر دیکھے بنائیے۔ پھر اس فہرست کا اشیاء کی حقیقی تعداد سے مقابلہ کیجئے۔آپ دیکھیں گے کہ اس فہرست میں کئی چیزوں کے نام درج نہیں ہیں۔یہی ''مشاہدہ'' کا نقص ہے۔اس کو اس طرح دور کیا جاتا ہے کہ کسی چیز کو لے کر اس کا اچھی طرح تفصیلی معائنہ کیا جائے۔ پھر اس شئے کو الگ رکھ کر اس کے متعلق تمام باتوں کو کاغذ پر لکھا جائے۔اور پھر اصل سے مقابلہ کیا جائے اگر یہ ابتداء میں بعض باتیں رہ جائیں گی تاہم اکثر مرتبہ کی مشق سے رفتہ رفتہ مشاہدہ قوی ہونے لگے گا۔

(۲) کسی چھوٹے سے مضمون کو دھیمی آواز سے دو مرتبہ پڑھئے۔ پھر یہ فرض کر کے کہ آپ کسی اجتماع کے روبرو تقریر کر رہے ہیں، پڑھے ہوئے مضمون کو صاف اور واضح طور پر بغیر رکے دہراتے جائیے۔ان مشقوں سے بتدریج ترقی ہوتی جائے گی۔

مطالعہ کتب کے سلسلے میں بھی حسب ذیل تدابیر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) مقام مطالعہ پُرسکون اور الگ تھلگ ہو۔

(۲) اوقات مطالعہ معین اور مقرر ہوں، صبح سویرے یا سونے سے قبل

(۳) دوران مطالعہ میں خیالات وتوکہ کی یکسوئی برقرار رہے۔

(۴) لیٹ کر یا پیٹھ خم کئے ہوئے پڑھنا نقصان رساں ہے لہٰذا اسے ترک کر دینا چاہئے۔

نئے نئے الفاظ حفظ کرنے میں حسب ذیل قواعد پر عمل کرنا چاہئے۔

(۱) نئے نئے لفظ کو ایک کاغذ پر لکھ دیجئے پھر کوئی ایسا لفظ جو آپ کو بہتر طور پر یاد ہو نئے لفظ کے بالکل بازو درج کیجئے۔اگر یہ پرانا لفظ نئے لفظ سے معنے میں ملتا جلتا ہو تو بہت بہتر ہے۔مثلاً امید۔توقع۔یا راحت۔کلفت

غرض جب کبھی پرانا لفظ یاد آئے گا تو نیا لفظ بھی ذہن کے روبرو ہو جائے گا۔لیکن یاد رہے کہ انہی لفظوں کو دور دور لکھا جائے تو پھر حفظ ہونا مشکل ہے۔

(۲) جب کوئی نیا لفظ یاد کرنا چاہیں۔اس کے ہم قافیہ پرانا لفظ بھی ساتھ ہی ملا لیں۔صوتی ہم آہنگی پرانے لفظ کے ساتھ نئے لفظ کو بھی ذہن کے آگے کھینچ لائے گی۔اسی اصول کے تحت مختلف المعانی ہم قافیہ الفاظ بہت جلد ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ کسی نئے شخص کا نام سن کر ایسے ہی نام والے پرانے شخص کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔

(۳) مشابہت کی طرح، تضاد بھی حفظ الفاظ میں نہایت کارآمد ہے۔مثلاً کسی وقت' ایک طویل القامت شخص کے ساتھ ہی دوسرا نہایت پست قامت شخص' نظر آ جائے تو دونوں کبھی ذہن سے محو نہیں ہوں گے۔اس لئے کہ یہ ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔ اسی طرح دن کے ذکر پر رات، نیکی کے تصور پر بدی' وغیرہ لازمی طور پر ذہن کے روبرو آ جاتے ہیں۔ذیل کے شعر میں شاعر نے ضدین

کو نہایت خوبی سے جمع کیا ہے۔

کٹی ہے گویا شبِ جوانی ، بس آن پہنچی ہے صبح پیری
بہت سی کی تو نے بت پرستی، بس ایک دو دن خدا خدا کر

اس اصول کے تحت، نیا لفظ یاد کرنے میں کوئی پرانا مخالف ومتضاد معنے رکھنے والا لفظ پیش نظر رکھا جائے تو دونوں ساتھ ساتھ یاد آجائیں گے۔

مندرجہ بالا قواعد، قانون تلازم سے تعلق رکھتے ہیں۔جس طرح محض نئے الفاظ حفظ کرنے میں ان کا استعمال ہوتا ہے۔اسی طرح عبارتوں اور اشعار کے یاد کرنے میں بھی ان پر عمل کیا جاسکتا ہے۔طوالت کے خوف سے ہم مندرجہ بالا مثالوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

قانون تلازم کے مندرجہ بالا اصولوں کے ذریعہ واقعات کو بھی یاد رکھنا آسان ہے۔چنانچہ ایسے واقعات، جن میں حقیقی قرب مکانی وزمانی ہو یا محض یادداشت کی خاطر پیدا کرلیا جائے، بآسانی ضبط ذہن ہوجاتے ہیں۔مثلاً

۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں پہلی جنگ آزادی لڑی گئی۔اور اسی سنہ میں شہر نیپلز (ملک اٹلی) میں ایک خوفناک زلزلہ واقع ہوا، جس میں بارہ ہزار سے زیادہ انسان ہلاک ہوگئے۔

مماثلت اور مشابہت کے باعث بھی واقعات یاد رکھنا نہایت آسان ہوتا ہے۔مثلاً

۱۵۲۶ء میں بابر بادشاہ نے پانی پت کی پہلی جنگ جیتی اور ۱۵۵۶ء میں اکبر بادشاہ نے پانی پت کی دوسری جنگ فتح کی۔

ان دونوں واقعات میں جنگ جیتنا مشترک اور مشابہ ہے۔اس لئے ان دونوں کا ساتھ ساتھ یاد رکھنا نہایت سہل ہے۔

ان ہی اصولوں کے سنین اور اعداد کے یاد رکھنے میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔اس طرح کہ کسی مشہور سنہ کے حوالے سے دیگر سنین کو ترتیب دیا جائے مثلاً

۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں انقلاب ہوا۔اس سنہ کو یاد رکھنا آسان ہے۔لہٰذا اسے مرکزی سنہ قرار دے کر دیگر سنین بھی یاد رکھے جاسکتے ہیں۔جیسے ۱۸۵۷ء سے سو سال پہلے ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی ہوئی اور اس سے سو سال قبل ۱۶۵۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر نے عبداللہ قطب شاہ والی گولکنڈہ کو شکست دی۔

قانون تلازم کے سوا، سن یا تاریخ یاد رکھنے کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ مطلوبہ سن تاریخ کے اعداد سے حروف ابجد برآمد کرکے ایک جملہ بنالیا جائے۔اور اس کو یاد کرلیا جائے تو سنہ وغیرہ بڑی آسانی سے یاد رہ سکتے ہیں۔ہماری زبان میں ''مادہ ہائے تاریخ'' نکالنے کا طریقہ زمانے سے جاری ہے۔اور اس سے حفظ یادداشت میں بہت کچھ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔مثلاً اردو زبان کے مشہور ادیب محمد حسین آزاد کی پیدائش ۱۲۴۵ھ میں ہوئی کسی نے اس ولادت کا مادۂ تاریخ برآمد کیا۔

''ظہور اقبالؔ'' اس سے سن مذکورہ مستخرج ہوتا ہے۔

عبارتیں، پیراگراف اور مضامین یا تقریریں حفظ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مطلوبہ تحریر کو کل کا کل دہرایا جائے۔یعنی تمام مضمون شروع سے آخر تک بار بار پڑھا جائے۔اس عمل سے بعض حصے جلد یاد ہو چکتے ہیں اور بعض دیر میں، پس جو حصے یاد ہو چکے ہوں اُن کو صرف ذہن سے دہرانا چاہیئے۔اسی طرح اعادہ جاری رکھنے پر بقیہ حصے بھی یاد آجاتے ہیں۔اگر تقریر بہت طویل ہو تو اُسے مناسب حصوں میں تقسیم کرلیں اور ان حصوں کو بھی کل کا کل دہراتے جائیں۔اس طریقہ کا نام اعادۂ کُل ہے۔

ماہرین نفسیات نے ایک دوسرا طریقہ بھی ایجاد کیا ہے جو اعادہ بوقفہ کہلاتا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ اگر ایک تقریر ۲۴ مرتبہ دہرانے سے یاد ہو سکتی ہو تو اس کو تین دن پر تقسیم کردینا چاہیئے اور ہر روز صرف ۸ مرتبہ دہرانا چاہیئے۔

ایک بات یاد رکھنی چاہیئے کہ مطلوبہ عبارت کا مطلب سمجھتے ہوئے دہرانے سے تحفظ میں بڑی مدد ملتی ہے۔نظموں کے یاد کرنے میں بھی مندرجہ بالا اصولوں کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔یعنی کسی نظم کو یاد کرنے کے لئے اُسے کل کا کل دہرانا چاہیئے۔یا اعادہ بوقفہ کے طریقہ سے کام لینا بہتر ہوتا ہے۔اعادہ کل کے طور پر ایک ایک بند، قطعہ یا رباعی یاد کرلینا چاہیئے۔

منفرد اشعار کے یاد کرنے میں، کسی شعر کے خاص خاص الفاظ پر غور کرکے ان کی ایک ذہنی تصویر قائم کرنا چاہیئے۔اس طرح مطلوبہ شعر بخوبی یاد ہو جاتا ہے۔

نظموں میں متفرق اشعار کے معنوی تعلق کو پیش نظر رکھ کر یاد کرنا تحفظ میں بڑی آسانی اور مدد پہنچاتا ہے۔اشعار یا نظموں کے یاد کرنے میں ایک مخصوص طریقہ بھی بڑا کارآمد ہوتا ہے یعنی ان کو یاد کرنے میں ایک جذباتی کیفیت پیدا کی جائے۔جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ ان کو لئے سے پڑھا جائے۔اس وقت ان کے ارتسام میں بے حد استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔

لیڈروں اور مقرروں کو ان اشخاص کے نام اور چہروں کو یاد رکھنا بے حد ضروری ہے، جو ان سے ملتے رہتے ہوں۔کیونکہ عوامی مقبولیت کا راز اسی میں ہے۔ایک لیڈر جب کسی فرد کو اس کے نام سے پکارتا ہے تو سننے والے شخص کے دل میں ایک مسرت پیدا ہوتی ہے۔کیونکہ ایک عام آدمی کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ کسی بڑے آدمی کا اُسے یاد رکھنا ایک ''بہت بڑی'' بات ہے۔اب شخص مذکور کے دل میں لیڈر کے لئے وقعت و تعظیم پیدا ہو جاتی ہے۔غرض کسی شخص کا نام اور چہرہ یاد رکھنے کے لئے اس کے نام اور چہرے کو کسی پرانے دوست کے نام اور چہرے سے ملا کر یاد رکھنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔علاوہ ازیں اجنبی کے چہرے پر غور سے نظر جما کر آنکھیں اور بالوں کی رنگت، ذہن نشین کرلیں۔خدوخال کو غور سے دیکھیں۔لباس، لہجہ اور شخصیت کا گہرا اثر میں، اور ان تمام باتوں کو ان کے نام سے متعلق کرلیں۔جب کبھی اس کا خیال کریں وہ شخص فوراً یاد آجائے گا۔

غرض یہ چند قواعد حفظ یادداشت کو بڑھانے اور مستحکم کرنے کے لئے ہیں جو زمانہ جدید کے نفسیات دانوں کے غور و فکر کے نتائج ہیں۔ان پر عمل کرکے طالب خطابت و تقریر کو پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''تصدیق'' بابتہ ڈسمبر ۱۹۵۵ء م ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تسبیح

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں ہے محمدؐ اللہ کے رسول ہیں

اَللّٰہُ اِلٰھُنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا

اللہ ہمارا معبود ہے محمدؐ ہمارے نبی ہیں

اَلْقُرْاٰنُ وَالْمَھْدِیْ اِمَامُنَا اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا

قرآن اور مہدیؑ ہمارے امام ہیں ہم ان پر ایمان لائے اور ان کی تصدیق کی

باب دوم

تشریحات فرامین امامنا مہدی موعود علیہ السلام

نقلیات

کلام اللہ کے بعد احادیث رسول علیہ السلام مسلمانوں کے لئے راہِ ہدایت ہیں اور حدیث ہی کی طرح ''فرامین مہدی موعودعلیہ السلام'' جادۂ طریقت ہیں۔فرامین مہدی یا نقلیات کا علم اُس مدعاء کو واضح کرتا ہے جس کے لئے بعثتِ مہدی موعودؑ عمل میں لائی گئی۔لہٰذا ان نقلیات کو جاننے اور سمجھنے سے حضرت میراں علیہ السلام کی پیروی ممکن اور آسان ہوجاتی ہے۔ان نقلیات کی تشریح وتفہیم سے اُن اسرار کا بھی علم ہوتا ہے جو ان ارشادات کے سیدھے سادے الفاظ میں پوشیدہ ہیں۔اور امامنا علیہ السلام کے منصبِ عالی کی معرفت وشناخت حاصل ہوتی ہے۔یہ نقلیات جو زیادہ تر فرائض ولایت کی تعلیمات پر مشتمل ہیں اصحاب طریقت وسلوک کے لئے اُن منازل کی نشاندہی کرتی ہیں جو مسافرِ راہ حق کو سیر الی اللہ میں پیش آتی ہیں۔الغرض متعدد وجوہ سے ان نقول پاک کا مطالعہ ہر طالبِ حق کے لئے نہایت مفید ومبارک ہے۔

حضرت سید محمد جونپوری مہدی موعودؑ کی نقلیات کی ایک منفرد خصوصیت ہر قاری کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔اور اس خصوصیت کو یاد نہ رکھنے سے بڑی بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔وہ خصوصیت یہ ہے کہ حضرت بندگی میرانؑ نے تعلیم ولایت کو اصطلاحات شریعت میں بیان فرمایا ہے۔اور جس شخص نے کلام مہدی موعودؑ کا گہرا مطالعہ نہیں کیا اور آپؑ کے بیان کے اسلوب سے آگاہ نہیں وہ آپؑ کے کلام کے مدعاء حقیقی تک پہنچنے سے قاصر ہے۔بلکہ غلط معانی کے استنباط کا ارتکاب اس سے عین ممکن ہے۔مثلاً اپنے زمانۂ بعثت کے سلسلہ میں حضرت بندگی میرانؑ نے ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں ''دین'' مجذوبوں میں باقی رہ گیا تھا۔اب ناآشنائے کلاموعودؑ کو بڑی الجھن پیش آتی ہے کہ مجذوب' جو احکام شرع پر عمل پیرائی سے معذور ہیں اُن ہی میں مدعا دین کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ لیکن فرمودات مہدیؑ کے رموز آشناء کے لئے اِس عقدے کی کشود کچھ مشکل نہیں ہے۔اس فرمودۂ موعودؑ میں دین کا باطن مقصود ہے جو قربِ الٰہی سے عبارت ہے۔پس مجاذیب اجتباء وانتخابِ قدرت کے سبب' حاملِ دین حقیقی ہیں اور کلام مہدیؑ اسی حقیقت کی طرف مشیر ہے۔اس مثال سے تشریح وتفہیم نقلیات مہدی موعودؑ کی شدید ضرورت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

نقلیاتِ مبارکہ کو سمجھنے کے سلسلے میں یہ امر بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ صرف نقل واحد سے اخذ مطلب نہ کریں بلکہ اس عنوان پر جو متعدد نقول دستیاب ہیں اُن سب کو پیش نظر رکھیں تب کہیں امر زیر بحث واضح ہوکر قاری کے سامنے آجاتا ہے۔امامنا علیہ السلام کی نقلیات کبھی تفسیر کلام الٰہی اور کبھی تشریح حدیث رسول علیہ السلام پر بھی مشتمل ہیں۔اس لئے نقل زیر بحث سے متعلقہ آیت شریف یا حدیث شریف کا علم بھی ضروری ہے۔اس مرحلہ کی تکمیل کے بعد نقل زیر بحث کی توضیح سہل ہوجاتی ہے۔بعض نقول شریفہ سلوک ومجاہدہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ان نقول کی تفہیم کے لئے مسالکِ طریقت اور منازل سلوک سے آگاہی ضروری ہے اس

پس منظر میں نقل زیر بحث کی وضاحت آسان ہوجاتی ہے۔

حضرت بندگی میرانؑ کی بعثت سے پہلے خدارسانی کے متعدد سلسلے کام کررہے تھے۔ یہ تمام سلسلے اپنے بانیوں کے نام سے منسوب تھے۔ ہر سلسلے کے اذکار واشغال مختلف تھے۔ ان سلسلوں کا نظام بھی ہر جگہ علاحدہ علاحدہ نوعیت رکھتا تھا۔ خداطلبی رسوم' عادات وبدعات سے ہوکر گذر رہی تھی۔ دین کا مقصود حقیقی ''کثرتِ تعبیر'' میں گم ہو چکا تھا۔ ان حالات میں بہ حکم خدا امامنا علیہ السلام نے ولایت محمدیہ کے فیضان کو جاری کیا' فرائض ولایت کا اعلان فرمایا۔ اور ہر فرض ولایت کو بذریعہ آیات کلام اللہ پیش فرمایا' مقصود حقیقی کو مطلوب قرار دیا۔ رسوم' عادات اور بدعات کی بیخ کنی کی۔ ''دین'' کو اضافی قیود سے آزاد کیا۔ جہاں دوسروں کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے مہدی طالب مولیٰ کی ابتداء کی۔ ''اُپّر واڑے'' کا آسان راستہ ساری دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ غرض حضرت مہدی علیہ السلام نے جو روحانی انقلاب برپا کیا ہے وہ سب کا سب نقلیات میں موجود ہے۔۔ اسی کو ساری دنیا سے روشناس کرانا ہے تاکہ اہل عالم کو مقام ومنصب مہدی معلوم ہو اور وہ طلبِ حق میں دائرہ مہدویہ کی طرف گامزن ہوں۔ اور فیضان ولایت محمدیؐ سے فیض یاب ہوکر دارین میں سرخروی حاصل کریں۔

ارشاد مہدی موعود علیہ السلام ہے ''بر بندہ تبلیغ است'' بندہ پر تبلیغ ہے یعنی حق تعالیٰ نے آپؑ کو احکام ولایت' طالبانِ حق تک پہنچادینے کا منصب تفویض کیا ہے۔ دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ ''خلق راسوئے توحید وعبادت دعوت می کنم ومن مامور برائی ایں کارام از حضرت باری تعالیٰ'' (انصاف نامہ صفحہ ۹۸) یعنی مخلوق کو توحید اور عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس کام کے لئے مامور ہوں۔'' اس نقل سے بھی ظاہر ہے کہ دعوت الی الحق اور تبلیغ احکامِ ولایت' آپ کی مہدیت کے لوازم میں سے تھے۔ اور حضرت مہدیؑ نے بہ تمام وکمال ان فرائض کو انجام دیا۔ اب آپؑ کے متبعین کا فریضہ ہے کہ ان احکام وبیان کو جو حضرت مہدی علیہ السلام سے صادر ہوئے ہیں' مخلوق تک پہنچائیں' ان احکام کی تبلیغ کریں اور پیروی وتعمیل کے ذریعہ ان کی حقانیت کو ظاہر کریں۔ (مطبوعہ ماہنامہ ''نور پاک'' جون ۱۹۸۳ء)

فرمودات

حضرت سید محمد جونپوری مہدی موعود علیہ السلام کے چند فرمودات ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔ تاکہ آپؑ کی تعلیمات سے ایک عام افادہ ہو اور آپؑ کی شخصیت کی شناخت آسان ہو۔

(۱) فرمودند۔ ما بر مذہب خدائے تعالیٰ ومذہب رسول اللہ ہستیم مذہب دو اند۔ یکی مذہب خدائے تعالیٰ دوم مذہبِ شیطان (پیروانِ) مذہب خدا ' طلبِ خدادارند و (پیروان) مذہب شیطان طلب

دنیا دارند ”(حاشیہ مطبوعہ صفحہ۴۳)

ترجمہ: فرمایا ہم خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے مذہب پر (گامزن) ہیں ۔ مذہب دو ہی ہیں ۔ ایک خدائے تعالیٰ کا راستہ دوسرا شیطان کا راستہ‘ خدا کے راستے پر چلنے والے خدا کی طلب رکھتے ہیں اور شیطان کے راستے پر چلنے والے دنیا کے طلب گار ہوتے ہیں‘‘

قرآن شریف میں بھی دو ہی راستے بتائے گئے ہیں ۔(۱) صراط مستقیم (۲) صراط جحیم ۔صراطِ مستقیم پر چلنے والے وہی ہیں جو خدا کی خوشنودی کے طلبگار رہیں اسی لئے وہ نعمتِ الٰہیہ سے نوازے گئے ۔خطوات شیطان پر چلنے والوں کی نظروں میں دنیا حسین بن جاتی ہے ۔اسی لئے وہ اس کے طلب گار بن جاتے ہیں ۔لیکن ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۔ وہ آخرت کی زندگی کو بالکل فراموش کردیتے ہیں ۔اسی زندگی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں ۔ یہ نظریہ اسلام کی بنیادی تعلیم (آخرت کے اعتقاد) کے خلاف ہے ۔ انسان کا اعلیٰ ترین نصب العین ذاتِ خداوندی کا حصول ہے ۔

(۲) حضرت مہدی علیہ السلام کعبۃ اللہ کو تشریف لے گئے تھے ۔شہر جدہ میں (فاقوں سے آپؑ کے قافلے والوں کو) بہت مشقت پہنچی ۔ جون پور کے قاضی صاحب وہاں موجود تھے ۔انہوں نے حضرتؑ کو دیکھا (اور آپ سے مل کر) کہا کہ خوندکار کو بہت مشقت (فاقہ کی زحمت) ہے لہٰذا شریف مکہ کے پاس جاکر کچھ دینے کے لئے فرمائیے ۔

میراں علیہ السلام فرمودند حاجت نیست۔ قاضی گفت ۔ ناچاراست۔ میراں فرمود ند نا چارا مارا خدا است۔ قاضی شما دانید نا چار چه چیز است۔ بجز خدائے هیچ چیز ناچار نیست‘ چرا که همه فانی است خدائے تعالیٰ باقی است‘ باقی رابجوئید۔

ترجمہ: حضرتؑ نے فرمایا ضرورت نہیں ہے ۔قاضی نے کہا ضروری ہے مہدیؑ نے فرمایا۔ ہمارے لئے خدا ضروری ہے ۔ اے قاضی تم جانتے ہو کہ ضروری کیا چیز ہوتی ہے؟ خدا کے سوا کوئی چیز ضروری نہیں ۔اس لئے کہ تمام چیزیں فانی ہیں خدائے تعالیٰ باقی ہے ۔پس باقی (رہنے والی مستی) کی تلاش کرو ۔ (حاشیہ مطبوعہ صفحہ۵۹)

اس نقل شریف کے لئے زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ انسان کی بقاء خدائے تعالیٰ کی توجہ کی محتاج ہے ۔تجلیات کے ورود ونزول تک انسانی ہستی برقرار رہتی ہے‘ ان کے انقطاع سے فنا طاری ہوجاتی ہے ۔لوگ غلطی سے روٹی کو بقا کی ضمانت سمجھتے ہیں ۔

(۳) جب حضرت مہدی علیہ السلام سندھ تشریف لے گئے اس وقت قاضی قادن‘ شہر سندھ کے قاضی تھے ۔ وہ ایک عالم‘ عامل‘ عارف اور فاضل شخص تھے ۔ وہ بھی آپؑ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر مصدقین میں شامل ہوگئے آپؑ نے قاضی صاحب سے دریافت کیا کہ تم کہاں کے قاضی ہو ۔انہوں نے جواب دیا کہ ملک سندھ کا قاضی ہوں ۔ پھر حضرتؑ نے فرمایا کہ سندھ کس کا ملک ہے ۔انہوں نے

جواب دیا کہ جام کا(سندھ کے بادشاہوں میں ایک خاندان جام سے ملقب تھا) پھر حضرتؑ نے فرمایا کہ جام کس کا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خدائے تعالیٰ کا۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کس کا ہے؟ قاضی صاحب نے کہا کہ یہاں تک اپنے علم سے میں نے جوابات دیئے ہیں۔اس جگہ ہمارا علم ختم ہو چکا ہے۔جو کچھ خوند کار فرمائیں گے وہی تحقیق ہے؟ آپؑ نے فرمایا۔

قاضی! خدا تعالیٰ از آن اوست که خدائی را حاصل کند۔ یعنی اے قاضی خدائے تعالیٰ اسی کا ہے جو خدا کو حاصل کرے (شواہدالولایت مطبوعہ صفحہ ۱۹۹)

جو لوگ اپنے آپ کو اللہ والے کہتے اور دوسروں کو باور کرواتے ہیں کہ خدا ان ہی کا ہے ان ہی کی سنتا ہے' وہ لوگ دراصل دوسروں کو مغالطہ دیتے ہیں۔کیوں کہ جب تک کوئی خدا کو حاصل نہ کرے' خدا اُس کا نہ ہوگا' صرف زبان سے کہنے سے خدا کسی کا نہیں ہوتا' بلکہ حصولِ خدا کی کوشش ضروری ہے اوراس راستے میں سب سے اہم چیز میں پن کو فنا کرنا ہے۔جیسا کہ کہا گیا ہے۔

''**موتوا قبل ان تموتوا**'' حدیث قدسی ہے۔**قال اللہ تعالیٰ اذا احب عبدی لقای احببت لقائه و اذا کره لقای کرهت لقائه**

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میرا بندہ مجھ سے ملنے کو دوست رکھتا ہے تو میں بھی اس کے ملنے کو پسند کرتا ہوں۔اور جب وہ مجھ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے تو میں بھی اس سے ملنے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔(ابو ہریرہؓ سے بخاری' اور نسائی میں روایت ہے۔)

حدیث شریف سے واضح ہے کہ جو بندہ لقائے ربانی کا طالب ہوگا خدائے تعالیٰ بھی اُس بندے کو پسند کریں گے اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔اُس کے برخلاف زبان پر خدا کا نام اور دل میں دنیا کی طلب ہو' مولیٰ تعالیٰ کی حقیقی طلب نہ ہو تو ایسے لوگ اہل اللہ نہ ہوں گے پس خدا اسی کا ہوگا جو خود خدا تعالیٰ کا ہو جائے گا۔

(۴) **نیز فرمودند که ایمان ذاتِ خدا است** (حاشیہ مطبوعہ صفحہ ٦)

ترجمہ: یہ بھی فرمایا کہ ایمان خدا کی ذات ہے۔یہ آپ کا مشہور فرمودہ ہے۔اس کی مختصر سی شرح یہ ہے کہ مشہور ہے کہ ایمان بر خدا کا منصب خدا کو ماننا' اوراس کے وجود پر یقین رکھنا و نیز اجزائے ایمان رسالت' قیامت' جنت و دوزخ' ملائکہ وغیرہ ایمان میں شامل ہیں۔لیکن یہ ایمان کا ابتدائی درجہ ہے۔اس سے بلند درجے بھی ہوتے ہیں اور ایمان میں زیادتی ہو جاتی ہے۔جیسے'' **زادتهم ایمانا** '' جو لوگ طلب مولیٰ کے راستے میں قدم رکھتے ہیں وہ کئی آزمائشوں سے دوچار ہو جاتے ہیں' جیسے مخلوق کا مسخر ہو جانا' مال وزر کا کثرت سے حاصل ہونا یا تصرفات کا ظاہر ہونا یا کرامت کا صادر ہونا یا اعلیٰ درجات اُخروی کی بشارت ہونا وغیرہ۔لیکن یہ سب کچھ ماسویٰ اللہ ہے۔انتہاء یہ کہ سیر جبروت بھی حقیقی منزل نہیں۔ایمان کی اصل غرض خدا کی ذات کا حصول ہے۔اور یہ جب منزل مقصود ہو تو کرامات و خوارق بھی نظر انداز ہو جاتے ہیں اور سچا طالب' طلبِ ذات خدا کے سواء کسی اور کا طالب نہیں ہوتا۔کیونکہ اُسی طلب میں تخلیق کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ (مطبوعہ روزنامہ''رہنمائے دکن'' مورخہ ۱۲؍جنوری ۱۹۸۷ء)

تعارف

حضرت سید محمد جون پوری مہدی موعود علیہ السلام نے اپنی ذات والا صفات اور مقصد بعثت کے سلسلہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کو ذیل میں مختصر سی تشریح کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تا کہ قارئین حضرت امام آخر الزماں علیہ السلام کے الفاظ میں مہدیت ومہدویت کا تعارف حاصل کرسکیں اوران غلط فہمیوں کو دور کرسکیں جو ناواقفیت کی بناء پر پیدا ہو جاتی ہیں۔

(۱) **قل انی عبدا لله تابع محمد رسول الله** (عقیدہ شریفہ صفحہ ۱)

ترجمہ: آپؑ نے فرمایا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہوتا ہے کہہ دو میں اللہ کا بندہ ہوں اور (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہوں۔

اس فرمان کے فقرۂ اول میں آپؑ نے حسب ارشاد ربانی اپنی عبدیت کو ظاہر فرمایا ہے تا کہ کسی زمانے میں بھی کسی کو آپ کی پاک شخصیت کے بارے میں کسی قسم کے گمان کی گنجائش نہ رہے۔ایک مرتبہ آپؑ نے اپنے صاحبزادے میراں سید محمودؓ سے فرمایا کہ

'' شکرانۂ خدا بده را وشمارا بنده گرادیند ومالک مملوکِ خود ساخته'' (پنج فضائل صفحہ ۲۵)

خدا کا شکر ہے کہ بندہ کو اور تم کو (اپنا) بندہ کیا اور مالک (خدا) نے اپنا مملوک بنایا۔آپؑ نے مدت العمر اپنے آپ کو لفظ بندہ سے ہی یاد کیا کبھی لفظ ''میں'' آپ کی زبان مبارک پر نہیں آیا۔صفاتی تجلی کے مقابل، ذاتی تجلی سے عبدیت کاملہ کا استحقاق ہوتا ہے۔ اسی فرمان کے فقرۂ ثانی میں تابعیت رسالت پناہی کے اعلان کا حکم ہوا ہے اور آپؑ نے حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اس کمال کے ساتھ کی ہے کہ خود آپؑ ہی کا قول صادر ہوا ہے کہ'' **بنده قدم بر قدم رسولؐ است** (صفحہ ۲۱۷ حاشیہ) ''بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم ہے۔'' (یعنی کامل پیروی کرنے والا ہے) اس تابعیت تامہ کا اظہار عام الفاظ میں ''فنائیت در ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جاسکتا ہے۔

(۲) **مذهب من کتاب الله واتباع رسول اللهؐ است** (حاشیہ صفحہ ۴۳)

ترجمہ: ''میرا مذہب اللہ کی کتاب (قرآن شریف) اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔اس فرمان میں مذہب سے مراد مذہب فقہ ہے۔ یہ بات آپؑ نے اس وقت فرمائی جبکہ معترض علماء نے آپ سے بحث ومباحثہ کیا اور اپنے آپ کو فقہ حنفی میں مقید بتایا۔آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آپ کتاب اللہ سے براہ راست مسائل کا استنباط فرماتے تھے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عملی کو آپؑ ادا فرماتے تھے۔کیونکہ عمل رسول علیہ السلام عزیمت وعالیت پر مبنی ہے اور رخصت وسہولت عامۃ الناس کے لئے ہے پیروی رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی آپ فرمانِ خداوند تعالیٰ اور مشاہدہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے پابند تھے۔اس لئے آپؑ

کو قیاس کی ضرورت نہ تھی ۔ اجماع بھی قیاس ہی کی ایک صورت ہے۔ اس لئے آپؑ نے اپنے مذہب کے سلسلے میں صرف کتاب وسنت ہی کو ظاہر کیا تھا۔

(۳) **در حق مجتهداں ومفسراں که بر اهل سنت وجماعت بودند علیهم الرضوان بشارت فرمودند که ایشاں پهلوانانِ دین اندودر دین موشگافی کرده اند ونیز در حق شان فرمودند که ایشاں طالبانِ حق بودند هر چه گفته و کرده اند برائے حق گفته و کرده اند** (شواہد الولایت صفحہ ۲۴۷)

ترجمہ: مجتہدوں اور مفسروں کے حق میں جو کہ اہل سنت والجماعت تھے' علیہم الرضوان' یہ بشارت مرحمت فرمائی کہ یہ لوگ دین کے پہلوان تھے انہوں نے دین میں موشگافی کی ہے (باریک سے باریک باتیں بیان کی ہیں) نیز ان کے حق میں آپؑ نے فرمایا کہ یہ لوگ طالبانِ حق تھے۔ جو کچھ انہوں نے کہا اور کیا محض خدا کے لئے کہا اور کیا ہے۔''

کسی نے مسائل شریعت میں ایک فروعی بات دریافت کی تو آپؑ نے جواب دے کر فرمایا کہ بندے سے وہی چیز پوچھو جس کے لئے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے (بندے کو بھیجا ہے) اگر فروعی مسائل کی دریافت مطلوب ہو تو مجتہدوں اور مفسروں کے کلام پر نظر ڈالو انہوں نے بھی خوب کہا ہے۔ نیز حضرت مہدی علیہ السلام کی بشارتیں چاروں مذاہب کے لئے ائمہ علیہم الرضوان کے بارے میں منقول ہیں اور ان کے درمیان امام اعظمؒ کی تعریف یوں فرمائی ہے کہ امام اعظمؒ کامل تھے اور ان کا ایمان کمال کو پہنچ چکا تھا۔ بنابریں وہ 'ایمان بڑھتا گھٹتا نہیں'' کہا کرتے تھے۔ نیز ان کے خدا رسیدہ ہونے کی حضرت مہدیؑ نے گواہی دی ہے۔ اور اکثر عملیات اور اعتقادیات جو حضرت مہدی علیہ السلام نے بہ فرمان خداوند واہب العطیات بیان فرمائے' امام اعظمؒ کے بیان کردہ عملیات اور اعتقادیات کے مطابق ہیں۔ نیز امام شافعیؒ کی بھی حضرت امام علیہ السلام نے تعریف فرمائی اور ان کے بھی بعض اعمال کے مطابق عمل فرمایا ہے۔ (صفحہ ۲۴۸ شواہد الولایت)

(۴) اولیائے سابق کے متعلق آپؑ نے فرمایا کہ **اولیاء پیشیناں مرداں بودند۔ حیات ایشاں برآں بود که عبادت تن حاصل کردند۔ فیض یافتند۔ زمانه در از شده بود** (صفحہ ۱۴۲ حاشیہ)

ترجمہ: اگلے (زمانے کے) اولیاء اللہ مرد (طالبان مولیٰ) تھے۔ ان کی زندگی یہ تھی کہ جسمانی عبادت کی (ریاضت وسلوک پر عمل کیا) اور روحانی فیض پایا۔ (لیکن چونکہ) زمانہ دراز ہو گیا تھا (اس لئے بندہ آیا)

(۵) **ونیز فرمودند کے مارا حق تعالیٰ فرستاده است مخصوص برائے این است که آں احکام وبیان که تعلق با ولایت محمدی صلی الله علیه وسلم دارد بواسطهٔ مهدی ظاهر شود**

(انصاف نامہ صفحہ ۳۰۸ ' باب داوزدہم)

ترجمہ: نیز امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم کو حق تعالیٰ نے مخصوص اس لئے بھیجا کہ جو احکام اور بیان کہ ولایت محمدی سے تعلق

رکھتے ہیں۔ مہدی کے واسطہ سے ظاہر ہوں۔

اس ارشاد ہدایت بنیاد سے ظاہر ہے کہ بعثتِ مہدی موعودؑ کا مقصد عظیم ولایت محمدیہ کے فیضان کی تقسیم ہے۔ اسی فیضانِ محمدی سے طالب قرب الٰہی سے مشرف ہوتا ہے۔ غایت دین ومذہب بھی یہی ہے کہ بندہ خدا سے وابستہ ہو۔ مہدیؑ کی آمد بندگان خدا کو دنیا میں مشغول کرنے کے لئے نہیں ہے۔ اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مہدی علیہ السلام کے زمانے میں امت کو ایک مخصوص نعمت دی جائے گی اور حقیقت یہ ہے کہ وہ نعمت یہی فیضانِ ولایت محمدی ہے۔ اس نعمت کا پانے والا حضرت خاتم الرسل ﷺ سے مکمل طور پر وابستہ ہوجاتا ہے۔

(۶) آپؑ نے فرمایا کہ ''**من کتاب اللہ را پیش کردہ ام وخلق را سوئی توحید وعبادت دعوت می کنم ومن مامور برائی ایں کارام از حضرت باری تعالیٰ**'' (انصاف نامہ صفحہ ۹۸، باب پنجم)

ترجمہ: میں نے کتاب اللہ (قرآن) کو پیش کیا ہے اور مخلوق کو توحید اور عبادت کی دعوت دیتا ہوں۔ اور میں اس کام پر حضرت باری تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوں۔ اس بیان میں آپ کی تبلیغ ودعوت کا بیان ہے۔ آپؑ نے مخلوق کو توحید باری کی دعوت دی۔ اور حق یہ ہے کہ دعوت توحید ہی وہ ہے جو تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد ہے۔ ونیز حضرت خاتم الرسل علیہ السلام نے کمال توحید کی طرف بندگانِ خدا کو متوجہ کیا۔ اور حضرت مہدی علیہ السلام نے بھی متابعت رسولؐ میں بندگانِ خدا کو توحید کی طرف بلایا۔ توحید حق کے اثبات کے لئے نفس وخودی کو ترک کرنا ضروری قرار دیا۔ چنانچہ آپؑ ہی کا ایک فرمان اور بھی ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ'' **شریعت بعد از فنائے بشریت است** (حاشیہ) یعنی شریعت بشریت کو فنا کرنے کے بعد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شریعت مصطفویؐ پر عمل کرنے کی خواہش رکھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی بشریت یعنی نفس وانانیت کو ترک کردے۔ تب ہی وہ اس قابل ہوسکے گا کہ شریعت اسلامیہ پر عمل کرسکے۔ اور جب تک یہ انانیت دور نہیں ہوتی، شریعت حقہ پر بلاچوں وچرا عمل نہیں ہوسکتا۔ لوگ مسلم کہلانے کے باوجود شریعت محمدیہ کے خلاف فیصلوں کو قبول کرتے ہیں۔ اسی لئے حضرت سید محمد جون پوری مہدی موعودؑ نے دینِ مصطفیٰ پر عمل کرنے کے لئے ترک نفس کی تاکید کی ہے۔ جب شریعت پر کماحقہ عمل ہوجاتا ہے تب ہی توحید حقیقی کی لذت سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔ آپ کے فرمان میں عبادت کا ذکر بھی آیا ہے اس سے مراد تعلیم احسان ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت اس طرح کی جائے کہ عابد خدا تعالیٰ کو دیکھنے والا ہو اور اگر وہ ایسا نہ کرسکے تو کم ازکم یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے یہ ایک واقعہ ہے۔ غرض آپ کی بعثت اور تعلیم احیائے اسلام کے لئے ہے۔

(۷) **فرمودہ اند۔ معنی دین از سہ چیز رود۔ رسم وعادت وبدعت۔ وقتی کہ مہدی در ظہور آید رسم وعادت وبدعت را دور کند ودین و محمد را نصرت کند** (انصاف نامہ صفحہ ۲۴، باب اول)

ترجمہ: آپؑ نے فرمایا ہے کہ دین کا باطن تین چیزوں سے مفقود ہوجاتا ہے (وہ تین چیزیں) رسم، عادت اور بدعت (ہیں) جب

مہدیؑ ظاہر ہوجائیں (تو ان کا کام یہ ہوگا کہ) رسم وعادت وبدعت کو دور کریں۔اور دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نصرت کریں‘‘

آپؑ کے اس ارشاد سے اس بات کا علم ہوجاتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں مہدی موعودؑ کے ظاہر ہونے کا کیا سبب ہوگا و نیز یہ کہ مہدی ظاہر ہوکر کس کام کو انجام دیں گے۔دین کی دو حیثیتیں ہیں۔ظاہر اور باطن۔ظاہر کی بقا باطن کے قیام پر منحصر ہے اور باطن کے نقصان سے ظاہر بھی متاثر ہوجاتا ہے۔لیکن باطن کے نقصان کے تین اسباب ہیں۔وہ یہ کہ دین حقیقی کو چھوڑ کر لوگ رسم، عادت اور بدعت میں مبتلا ہوجائیں، رفتہ رفتہ راہِ راست سے دور جا پڑیں۔پس ایسے حالات ظہورِ مہدیؑ کے مقتضی ہوتے ہیں تاکہ مہدی علیہ السلام کے ذریعہ دین محمدی کی نصرت ہو اور دین حقیقی سے آگاہی ہو اور حضرت مہدی علیہ السلام امت محمدیہ کی رہنمائی کریں۔دسویں صدی ہجری کی یہی حالت تھی۔مسلم حکمرانوں نے اپنے اقتدار کی خاطر اصول اسلام کو پس پشت ڈال دیا تھا۔اور علماء اپنے مفاد کی خاطر حکمرانوں کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتے تھے دین کے حقیقی تقاضے امت کی نظروں سے اوجھل ہوچکے تھے۔تب مشیتِ ایزدی اس بات کی متقاضی ہوئی کہ مہدیؑ کو مبعوث کرے تاکہ مہدی کے ذریعہ دینِ محمدی کی نصرت ہو۔پس دسویں صدی ہجری میں حضرت سید محمد جونپوری، امام موعودؑ کی حیثیت سے مبعوث ہوئے اور دین اسلام کی نصرت فرمائی۔

(۸) حضرت میراں علیه السلام فرمودند که هیچ آیتِ قرآن منسوخ نیست (نقلیات میاں عبدالرشیدؒ صفحہ ۶۵)

ترجمہ: حضرت میراں علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف آج بھی اسی حالت میں ہے جس حالت کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔لیکن بعض علماء قرآن میں نسخ کے قائل ہوئے۔کلام اللہ کی (۵۰۰) آیتوں کو منسوخ تسلیم کیا۔اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی گئیں۔متاخرین نے کم سے کم تعداد میں منسوخ آیات کو مان لیا۔لیکن حضرت سید محمد جونپوری مہدی موعود علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ کلام اللہ کی کوئی بھی آیت منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ہر آیت قابل عمل اور قابل استخراج مسائل ہے اور قیامت تک رہے گی۔اس کتاب عزیز میں کوئی بات از کار رفتہ داخل نہیں ہے۔آپؑ کا یہ ارشاد اسلام کی بہت بڑی نصرت ہے کیونکہ اس مذہب کی بناء کلام الٰہی پر ہے۔اور علماء کے ایسے اقوال جن سے قرآن شریف میں نسخ لازم آتا ہے قابل قبول نہیں ہوسکتے۔قرآن مجید کی آیات کے غیر منسوخ ہونے کا اعلان مذہب اسلام کی بہت بڑی حمایت اور نصرت ہے جو امام آخرالزماں علیہ السلام سے ظہور میں آئی۔

(۹) نقلست که بزرگیٔ اصحاب رسول علیه السلام حضرت مهدیؑ چندیں بیان کردند که ایشاں سرداران دین و مصاحبان رسول صلی الله علیه وسلم بودند و برابر ایشاں هیچ کس نباشد اگرچه اکمل باشد و لیکن بدین مرتبه بینائی نبودند چنانکه خاتم الاولیاء بودند (انصاف نامہ صفحہ ۳۱۶، باب دوازدہم)

ترجمہ: نقل ہے کہ حضرت مہدیؑ نے اصحابؓ رسول کی بزرگی ایسی بیان کی کہ یہ (اصحاب رسولؐ) دین کے سردار اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ تھے۔اور کوئی شخص ان کے برابر نہ ہوگا اگرچہ وہ اکمل ہو۔لیکن بینائی کے مرتبہ میں ایسے نہ تھے جیسے

کہ خاتم الاولیاء تھے۔ حضرات اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین حاملانِ قرآن اور صاحبانِ اسلام تھے۔ انہی ہستیوں سے اسلام تابعین اور دوسرے مسلمانوں کو پہنچا۔ فیض صحبتِ افضل الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے ان کا مصاحبانِ رسولؐ سرداران دین ہونا ایک امر واقع ہے۔ پس اس منصب کے کھلے الفاظ میں اعلان کی ضرورت تھی تا کہ صحابہ رسولؓ کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ درست رہ سکے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے اس سلسلے میں بھی مسلمانوں کو صحیح راستے کی ہدایت کی اور صحابہؓ رسول کے روحانی مرتبہ کی نشان دہی بھی کی کہ اُمت کا کوئی کامل واکمل فرد بھی اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا جو فیضِ صحبت کی بناء پر اُن اصحاب کرامؓ کو حاصل تھا۔ لیکن خاتم ولایت محمدیہ کو اپنے مخصوص منصب کی وجہ سے ایک استثناء حاصل ہے۔

(۱۰) عالی جناب مشیخت مآب شیخ صدرالدینؒ تمام علماء سندھ کے صدر تھے۔ دعویٔ مہدیت کی تحقیق کے لئے حضرت امام الزماںؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنے سوالوں کے جواب باصواب پائے۔

پھر عرض کیا کہ "میراں جی جو کچھ خوندکار فرماتے ہیں سب حق ہے۔ لیکن حضرت کے دعویٰ مہدیت کی تصدیق کے بارے میں خوفِ خدا ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ حضور مہدی موعود نہ ہوں ہم کیوں کر قبول کریں۔ حضرت مہدیؑ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ" جیسا تم کو خدا کا خوف جھوٹے دعویٰ مہدیت کو قبول کرنے میں ہے' کیا اتنی مقدار میں بھی خدائے تعالیٰ کا خوف مجھے نہیں ہے کہ میں خدا کی طرف سے مہدی نہ ہوکر جھوٹ طور پر خود کو مہدی کہلاؤں' اس کے بعد حضرت امامؑ اولی الالباب نے یہ آیت اس باب میں تلاوت فرمائی۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ (سورہ انعام آیت ۲۱)

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے کہ اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بلا شبہ ظالم لوگ چھٹکارہ نہ پائیں گے۔"

(۱۱) فرمودند کہ شمارا قبول کردن مہدیتِ بندہ' چہ عجب می آید زیرا کہ ما شریعتِ نونیاوردیم واحکام شرعِ حقیقی را تغیر ندادیم درمیان ما وشما درباب اتباع شریعت ہیچ فرقے نیست مثلاً شمارا کلمہ گفتن وپنج وقت نماز ویک ماہ روزے وحج وزکواۃادا کردن وچہار زن را حلال دانستن است۔ مارا ہم کلمہ گفتن وپنج وقت نماز ویک ماہ روزہ وحج وزکواۃ ادا کردن وچہار زن را حلال دانستن است مگر مرا فرمانِ حق تعالیٰ می شود کہ تو مہدی موعود ہستی...... بندہ ہیچ امر برخلافِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نیا آوردہ تا قبول کنند گان را مشکل شود" (شواہد الولایت صفحہ ۲۰۳)

ترجمہ: فرمایا کہ تم کو بندے کی مہدیت کا قبول کرنا کیوں عجیب معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ہم کوئی نئی شریعت نہیں لائے۔ اور شرع حقیقی کے احکام میں کوئی تغیر نہیں کیا ہے ہمارے اور تمہارے درمیان "اتباع شریعت" کے معاملہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تمہارے لئے بھی کلمہ کہنا پانچوں وقت کی نمازیں پڑھنی ایک مہینے کے روزے رکھنے' حج' زکواۃ کی ادائی اور چار عورتوں کو حلال جاننا ہے ہمارے

لئے بھی کلمہ کہنا، پانچ وقت کی نمازیں ایک مہینے کے روزے، حج، زکواۃ کی ادائی اور چار عورتوں کو حلال جاننا ہے مگر مجھے حق تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ تو مہدی موعود ہے...... ''بندہ کوئی بات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے خلاف نہیں لایا کہ جس سے قبول کرنے والوں کو دشواری کا سامنا ہو''

(۱۲) فرہ علاقہ افغانستان میں ایک بہت بڑے عالم ملاّ درویش خراسانی حضرت ولایت مآبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپؑ نے پوچھا ''میاں درویش کیا حال رکھتے ہو؟ کہا کہ میرا حال بہت خراب ہے۔امام علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا خرابی رکھتے ہو؟ ملاّ نے کہا یہی کہ نفس سے کہو کہ لفظ مہدی کو اٹھا کر رکھ دے، جو کچھ مہدی کا حکم ہے کلام خدا اور کلام نبیؐ سے ہے یا نہیں؟ ملا نے کہا ہمارا نفس کہتا ہے کہ ہاں کلام خدا اور کلام نبیؐ ہی سے ہے۔امامؑ نے فرمایا کہ بہتر ہے جاؤ کلام خدا اور کلام مصطفیٰؐ پر عمل کرو۔اس کے بعد جو کچھ حق ہے تم کو معلوم ہوجائے گا۔ملا نے دو تین روز کے بعد حضرت امام علیہ السلام کے حضور میں آکر بہت معافی مانگی اور اپنے سست اعتقاد سے رجوع کیا۔(شواہد الولایت صفحہ ۲۳۵)

بارک اللہ یا امام ھُدیٰ
ماحی اسم ورسم وبدع وغویٰ
محیٔ دین ودل زفیضِ خدا
ھرچہ ھست از ولایت است ظھور
(دیوان مہریؒ)

ترجمہ: اے صاحب ہدایتِ امام بارک اللہ آپ نام ونشان بدعتوں اور گمراہی کو مٹنے والے ہیں دین اور دل کو خدا کے فیض خدا سے زندہ کرنے والے ہیں۔(حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا ولایت محمدیؐ سے ظہور ہوتا ہے جس سے فیض اٹھانے کا آپ نے راستہ بتایا ہے۔)

(مطبوعہ روزنامہ رہنمائے دکن مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۸۶ء)

عشق۔سلوک مہدویہ کا اہم مرحلہ

تعلیمات مہدویہ میں ''عشق'' کو ایک خاص اور عظیم اہمیت حاصل ہے کیونکہ حسب فرمان حضرت امام علیہ السلام ''عشق'' ہی خداوند تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔اور ذات باری تعالیٰ بھی تماماً وکمالاً عشق ہی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: **فرمودند کہ طالب راچہ چیز فرض است کہ بداں بخدا رسد؟ وباز فرمودند کہ آں چیز عشق است**

ترجمہ: فرمایا کہ طالب کے لئے کیا چیز فرض ہے کہ اُس سے خدا کو پہنچے؟ پھر فرمایا کہ وہ چیز عشق ہے۔

(انصاف نامہ باب یازدہم ودوازدہم)

اس نقل مبارک سے عشق کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے کہ حضور امام علیہ السلام نے ''عشق'' کو طالب کے ''فرائض'' میں داخل وشامل فرمایا ہے اور اس نقل شریف کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس میں حضرت خاتم الولایت محمدی علیہ السلام نے خود ہی سوال فرمایا اور خود ہی جواب عنایت فرمایا ہے اور یہ خصوصیت کسی اور نقل میں نہیں ہے۔ اس لحاظ سے روایت شریفہ کی انفرادیت واہمیت بڑھ جاتی ہے۔ ونیز اس اسلوب بیان کے باعث جو بلاغت پیدا ہوگئی ہے وہ صاحبان دانش وسخن فہم کے لئے نہایت درجہ وجدان انگیز ہے۔ مختصر یہ کہ حسب فرمان ہدایت نشانؑ طالب مولیٰ کے لئے عشق فرض اولین ہے اور عشق ہی مولیٰ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ گویا سلوک مہدویہ کا آغاز عشق باری تعالیٰ سے ہوتا ہے۔

حضرت خاتم الولایت محمدیہؑ کی پاک سیرت کے مطالعہ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ جو طالبانِ حق آپ کی خدمت فیض درجت میں بغرض حصول رہنمائی حاضر ہوتے آپؑ اُن سے یہی استفسار فرماتے کہ کس قدر عشق رکھتے ہو۔ چنانچہ میاں شاہ برہانؒ فرماتے ہیں کہ

''اکثر الاوقات آں ذاتِ پیغمبر صفات ہر کہ برائے ملاقات از جہت طلب ذات واجب العطیات آمدندے اورا بزبان دربار گوہر نثار بطریق استفسار فرمودندے کہ چہ مقدار عشق ذات ملک الجلیل الجباری دارید؟ ایشاں عرض کردند کہ میرانجی جان وتن وزن وفرزند ہمہ بر نامِ خدائے تعالیٰ فدا است۔ عشق ومحبتِ خدائے تعالیٰ ازیں اشیاء مذکورہ فاضل تراست'' (شواہد الولایت باب سی وسوم)

ترجمہ: اکثر اوقات اس ذات پیغمبر صفات سے ملنے کے لئے طلبِ ذات واہب العطیات لے کر جو کوئی آتا تھا اس سے آنحضرتؑ اپنی زبان دُربار گوہر نثار سے بطریق استفسار فرماتے تھے۔ ذات خداوند جلیل وجبار کا عشق کتنی مقدار میں رکھتے ہو؟ آنے والے عرض کرتے کہ میرانجی ہمارے جان وتن وزن وفرزند سب نام خدائے تعالیٰ پر قربان ہیں۔ خدائے تعالیٰ کا عشق اور اس کی محبت ان اشیائے مذکورہ سے برتر وبہتر ہے۔''

اس روایت شریفہ کی یہ خصوصیت یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس کا آغاز ''اکثر الاوقات'' کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ اور بیان واقعہ میں جو افعال لائے گئے ہیں وہ ماضی استمراری کے صیغے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ حضور موعود علیہ السلام کا طالبانِ مولیٰ سے مذکورہ استفسار اکثر وپیشتر ہوا کرتا تھا۔ پس ان اعتبارات سے بھی عشق کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عشق سلوک مہدویہ کا سنگ بنیاد اور مرحلۂ اولین ہے۔ کیونکہ طالبان خدا کے حاضر ہونے پر سب سے اول یہی سوال پیش کرنا، عشق کی بنیاد اور آغاز کو ثابت کرتا ہے۔ نیز یہ کہ نقلیات کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مطلب ومقصود مذکورہ کی نقیض کوئی اور نقل شریف نہیں ہے۔

پس یہ واقعہ بھی مقصد و مطلب مذکور کی تقویت کا باعث ہے۔

''عشق'' چاہے کسی رنگ میں ہو' چونکہ حقیقت میں ایک اعلیٰ صفت ہے۔اس لئے اس کی اہمیت برقرار رہتی ہے اور عشق دنیاوی کو بھی جب عشق و محبت باری تعالیٰ کی طرف موڑ دیا جائے تو پھر وہی خاک اکسیر بن جاتی ہے۔ چنانچہ مذکور ہے کہ:

امیر امیراں' پیر پیراں' مهتر سروراں بعض طالبانِ حضرت رحمن را پرسیدند که جائے عاشق شد بودید؟ گفتند آرے۔باز فرمودند که: هماں عشق که در جائے غیر خرچ کردید هماں رعشق را بجائے حق صرف کنید (شواہد الولایت باب سی وسوم)

ترجمہ: حضرت امیر امیراں' پیر پیراں' مہتر سروراں (موعود علیہ السلام نے) بعضے طالبانِ ذات رحمٰن سے پوچھا: کسی جگہ تم عاشق ہوئے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ پھر آنحضرتؑ نے فرمایا وہی عشق جو تم نے غیر جگہ خرچ کیا ہے۔حق کی جگہ صرف کرو۔اس نقل شریف کی تشریح میاں شاہ برہانؒ نے خوب فرمائی ہے۔اُن کی توضیح اس طرح ہے کہ:

معلوم کرائے مصدق کہ عشق ایک نقد پونجی ہے اگر تو چاہے تو متاع ابدی جو دولت سرمدی ہے اس سے خرید لے اور اگر چاہے تو متاع فانی جس میں دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا ہے' اس سے حاصل کر۔لیکن جو شخص عشق نہیں رکھتا ہے کچھ بھی نہیں رکھتا۔اصل چیز عشق ہی ہے...... وہ عشق جس کو نفس و ہویٰ کے تقاضے کے مطابق گناہوں میں سالہا سال خرچ کیا ہو۔اگر اس کو طلب حق کی طرف پھیر کر خرچ کرے تو یہاں کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔(شواہد الولایت باب سی وسوم)

جب یہ واضح ہو گیا کہ راہ طلب حق میں عشق ایک عظیم اور اہم عنصر ہے تو اب یہ معلوم کرنا بھی مفید ہوگا کہ حق تعالیٰ کے ساتھ کس حد تک محبت رکھی جائے۔اس امر کو خود حضرت امام موعود علیہ السلام نے ظاہر فرمایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:'' **باز آنحضرتؑ فرمودند که عشق پسر بسیار است ۔اگر عشق حق تعالیٰ بنده را از عشق سوزن که گم می کند ودر طلب وی حیراں و سرگرداں می گردد۔ حاصل کند بخدا برسد**''

(شواہد الولایت باب سی وسوم)

پھر آنحضرتؑ نے فرمایا کہ ماں باپ کو اپنے بچہ کا عشق بہت ہوتا ہے اگر حق تعالیٰ کا عشق بندے کو گم شدہ سوئی کے عشق کے برابر جس کی تلاش میں حیراں و سرگرداں ہوتا ہے' حاصل ہو جائے تو بندہ خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ حضرت موعود علیہ السلام نے عشق کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی بعض خاص تفصیلات بھی بیان فرمائی ہیں اور یہ تفصیلات دراصل ان ذہنی' علمی اور عملی سوالوں کا جواب ہیں جو طالبوں کو پیش آتے ہیں اس طرح عشق کے متعدد گوشہ بے نقاب ہو گئے۔ظاہر ہو گیا کہ سلوک مہدویہ میں عشق کی ایک خاص اہمیت ہے اور اسی لئے حضرت خاتم الولایت محمدیہؑ نے اس کی خاص تفصیلات کو ظاہر کیا ہے۔

سیرت امام علیہ السلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ اکثر و بیشتر اصحاب کرام کے روبرو 'عشق' اس کی اہمیت اور ضرورت کو بیان فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ فرہ مبارک میں صحابہؓ کے روبرو حضرتؑ نے عشق کی اہمیت ظاہر فرمائی۔ چنانچہ انصاف نامہ

میں مذکور ہے کہ:

نیز نقل است کہ حضرت میراں علیہ السلام یک روز بیان بودحدیث عشق فرمود۔ ملا درویش خراسانی نعرہ زد و گریباں خود چاک کرد و گفت کہ عشق از کجا بیاریم؟ بعدہٗ حضرت میراں فرمودند۔ بندہ عشق کسبی می گوید کار کنید ودرعمل کوشش نمائید۔ چیزے کار کنید تا بواسطہ آں عشق آیدٗ عشق عطائی مر انبیاء راست کہ بغیر کسب آید ودیگراں را کسب باید کرد۔ (انصاف نامہ باب یازدہم)

ترجمہ: نیز نقل ہے کہ حضرت مہدیؑ نے ایک روز بیان کے موقع پر عشق کی بات فرمائی۔ ملا درویش خراسانی نے نعرہ مارا اور اپنے گریبان کو چاک کرڈالا۔ اور کہا کہ عشق کہاں سے لائیں؟ اس کے بعد حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ بندہ کسبی عشق کے (بارے میں) کہتا ہے۔ کام کرو اور عمل میں کوشش کرو۔ کچھ کام کرو تا کہ اس کے واسطے سے عشق پیدا ہو۔ انبیاء کا عشق عطائی ہے جو بغیر کسب کے حاصل ہوا ہے اور دوسروں کو کسب کرنا چاہئے''

نقل ہذا' شواہدالولایت میں بھی موجود ہے لیکن اس میں ایک مفید جملہ بھی زائد ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ''**بعدہ طریق کسب عشق ذات وتحصیل ایمان اظہر من الشمس بیان فرمودند**''

بعد ازاں عشق ذات الٰہی کے کسب اور تحصیل ایمان کا طریق روز روشن کی طرح ظاہر فرمایا لیکن اس کی تفصیل نہ شواہد الولایت میں ہے اور نہ انصاف نامہ کی مذکورہ نقل میں ہے۔ البتہ باب یازدہم کی ابتدائی نقل میں حصول عشق کا طریق واضح طور پر موجود ہے۔ نقل ہذا میں بھی اسلوب کی بلاغت قابل داد ہے۔

نیز فرمودند کہ عشق چگونہ حاصل می شود؟ باز فرمودند کہ توجہ دل دائم سوئے خدائے تعالیٰ دارد وچنانکہ در دل ہیچ چیز مائل نشود۔ وبرائے ایں معنی ہمیشہ خلوت اختیار کند۔ وباہیچ کس نہ پرداز د نہ بایار و نہ با اغیار ہمہ حال ملاحظہ حق کند در ایستادن ونشستن وغلطیدن وخوردن و آشامیدن در ہمہ حال ملاحظہ باحق کند۔

ترجمہ: نیز فرمایا کہ عشق کیوں کر حاصل ہوتا ہے؟ پھر فرمایا کہ

(۱) ہمیشہ دل کو خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھے اس طرح کہ دل میں کوئی چیز نہ آئے۔

(۲) اور اس بات کے لئے ہمیشہ خلوت اختیار کرے اور کسی کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ نہ ساتھ یار کے اور نہ ساتھ اغیار کے۔

(۳) ہر حالت میں حق کا ملاحظہ کرے۔ کھڑے ہوئے' لیٹے ہوئے اور کھانے پینے کے وقت ہر حالت میں حق کا ملاحظہ کرے۔

نقل مبارک کے ترجمے میں ہم نے نشانات لگادیئے ہیں تا کہ وہ امور' جو لوازم عشق قرار دیئے گئے ہیں' بیک نظر پیش نگاہ

ہوجائیں۔نقل مندرجہ بالا سے یہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں کہ حصول عشق مولیٰ کے لئے طالب صادق کو اپنی کامل توجہ حضرت باری تعالیٰ کی طرف رکھنی چاہئے اور توجہ کے قیام کے لئے ذکر ضروری ہے۔اوران دونوں باتوں کے لئے خلوت' تنہائی اور عزلت لازمی ہے۔ خلوت کی توضیح یہ ہے کہ طالب کسی شخص کے ساتھ معاملات میں مشغول نہو' چاہے وہ شخص اپنا ہو یا پرایا' دوست اور یار ہو یا بیگانہ' اور طالب خلوت نشین ہوکر ہروقت ملاحظہ حق کرے۔چاہے کھڑے ہونے کی حالت ہو یا بیٹھنے کی یا لیٹنے کی۔ونیز کھانے پینے میں بھی حق کا ملاحظہ ہونا چاہئے۔یہاں لفظ''ملاحظہ'' مشاہدہ اور تصور پر حاوی ہے۔یعنی یہ دونوں امور اسی ایک لفظ میں داخل ہیں لیکن تصور ابتدائی منزل ہے جو بند آنکھ سے حاصل ہوتا ہے اوراس کی انتہا مشاہدہ ہے جو کھلی آنکھ سے معائنہ میں آتا ہے۔غرض ان امور کو طالب صادق اپنا دستورعمل بنالے تو حسب فرمانِ عشق الٰہی سے مستفیض ہوسکتا ہے۔اس لئے کہ حضرت امام موعودؑ نے فرمایا ہے کہ عشق کے لئے ابتدائی اور معمولی توجہ بھی بڑا کام دے سکتی ہے۔جیسے کہ کھوئی ہوئی سوئی کی تلاش کی معمولی سی توجہ دنیاوی اشیاء یا افراد کا عشق ہوتو وہ بھی کارآمد ہوسکتا ہے۔

یہاں ایک نکتہ کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے تمام مردوزن پر طلب دیدار خدا فرض قرار دی ہے۔اور''صاحب دیدارحق'' کے لئے ایمان کی بشارت سرفراز فرمائی ہے یعنی دیدار خدا سے ہی طالب کو ایمان حاصل ہوسکتا ہے۔لیکن اگر یہ مرتبہ حاصل نہوتو ''طلب صادق'' رکھنے والے کو بھی ایمان کے دائرہ میں شامل فرمایا ہے۔اور حضور موعود علیہ السلام نے طالب صادق کی علامات یا لوازم یوں ارشاد فرمائے ہیں۔

''مگر طالبِ صادق که روئے دل خودرا از غیر حق گرد انیده' وروئے دل خودرا سوئے مولیٰ آورده وهمواره مشغول بخدا است واز دنیا واز خلق عزلت گرفته است و همت از خود بیرون آمدن می کند ایں چنیں کس راهم حکم ایمان کرده اند۔ (انصاف نامہ باب دوازدہم)

مگر طالب صادق کہ

(۱) جس نے اپنے روئے دل کو غیرحق سے پھیر دیا ہو۔

(۲) اور اپنے روئے دل کو مولیٰ کی طرف کردیا ہو۔

(۳) اور ہمیشہ خدا کی یاد میں مشغول رہتا ہو۔

(۴) اور دنیا وخلق سے عزلت اختیار کرچکا ہو۔

(۵) اپنی خودی سے باہر آنے کی ہمت (توجہ) کرتا ہوتو ایسے شخص پر بھی حکم ایمان کیا ہے۔

اب طلب دیدار خدا کے شرائط ولوازم اور عشق مولیٰ کی صفات وخصوصیات کا تقابل کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دونوں میں بہت سے امور مشترک ہیں۔اس طرح عشق خدا کا لازمی نتیجہ حصول دیدار مولیٰ ہے۔چنانچہ اس حقیقت کو متقدمین نے بھی بیان فرمایا

ہے۔مثلاً میاں شاہ برہانؒ ارشاد فرمائے ہیں کہ:

”فاعلم ایها المصدق ایں همه احکام نهج شریعت وطریقت وحقیقت برائے محافظت ذکر رب العزت در مداومت وآنحضرت تعالیٰ اسمهٗ تقس صفا ته وذکر الله برائے تحصیل عشق۔ و عشق برائے طلب دیدار پروردگار است“ (شواہدالولایت باب سی وسوم)

ترجمہ: پس اے مصدق (مہدوی) تو جان لے کہ یہ تمام احکام (۱) نہج (۲) طریقت اور (۳) حقیقت کے

(۱) رب العزت کے ذکر کی محافظت اور حق تعالیٰ اسمہٗ تقدس صفاتہ کی یاد کی مداومت اور ہیشگی کے لئے ہیں۔

(۲) اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اُس کے عشق کی تحصیل کے لئے ہے اور

(۳) عشق دیدار پروردگار کی طلب کے لئے ہے۔

یعنی احکام شریعت وغیرہ ذکر حق کے قیام کے لئے ہیں۔اور ذکر قائم ہونے سے عشق الٰہی پیدا ہوجاتا ہے۔اور عشق الٰہی کا نتیجہ طلب دیدار حق ہے۔اس طرح سلوک مہدویہ میں عشق ایک اہم عنصر قرار پاتا ہے۔

عشق اور دیدار الٰہی کا تعلق لازم وملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔اور یہ ایسی چیز نہیں ہے کہ علماء اور دیگر اصحاب نے خود مستنبط کی ہو بلکہ اس حقیقت کو خود حضرت خاتم الولایت محمدیہ مبین الشریعت والحقیقت مہدی مراد اللہ نے بڑے ہی خاص اسلوب میں ظاہر فرمایا ہے۔اور آیت کلام اللہ کی تطبیق وتائید سے اس امر خاص کو روشن تر بنایا ہے جیسا کہ حسب ذیل روایات سے ظاہر ہوگا۔

(۱) **نقل است که فرمودند۔ بار امانت عشق ذاتِ حق بود۔ هریکی بقدر حوصلهٔ خویش حمل کردند و بشرفِ لقاء الله تعالیٰ مشرف شدند کما حقهٗ ایں دو تن برداشتندیکی خاتم النبی دوم خاتم الولی۔** (شواہدالولایت صفحہ ۴۳۲)

ترجمہ: فرمایا کہ بارامانت ذاتِ حق کا عشق تھا۔ ہر ایک نے اپنے اپنے حوصلہ کے مطابق اس بار کو اٹھایا اور دیدار خدا کا شرف پایا۔لیکن اس بار کو' جیسا کہ چاہئے' یہی دو تن اٹھائے ہیں۔ایک خاتم النبی دوم خاتم الولی۔

(۲) **نقلست که فرمودند۔ بینائی ذاتِ حق تعالیٰ بار امانت است' وبار امانت تمام همیں دو تن ادا کردند یکی خاتم النبی دوم خاتم الولی** (شواہدالولایت صفحہ ۴۳۰)

ترجمہ: فرمایا کہ ذاتِ حق تعالیٰ کا دیدار بینائی ہے۔اور بارامانت تمام یہی دوتن اٹھائے ہیں ایک خاتم النبی دوسرے خاتم الولی۔

ان روایات میں بارامانت حق تعالیٰ کو عشق اور دیدار کا مترادف قرار دیا ہے۔یعنی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا بارامانت عشق الٰہی تھا جو ساری کائنات کے سامنے پیش کیا گیا تا کہ اسے برداشت کیا جاسکے اور دوسری روایت سے ظاہر ہے کہ یہ بارِ امانت دیدار خدا ہے۔نیز پہلی روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جنہوں نے عشق الٰہی کو برداشت (اختیار) کیا وہ اپنے اپنے حوصلہ کے

مطابق اُس کے (خدا کے) دیدار سے بھی مشرف ہوئے اس طرح عشق امانت دار جلوۂ حق بن گیا۔

روایات مندرجہ میں جس بار امانت کا ذکر ہوا ہے وہ اس آیت کلام مجید میں موجود ہے۔

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ (سورہ الاحزاب آیت ۷۲)

خداوند عزّ وجل ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (اپنی) امانت کو پیش کیا۔ پس انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے۔ (لیکن اُس امانت کے بار کو) انسان نے اٹھالیا۔

اس آیت شریف کے لفظ امانت کی توضیح میں علماء ومفسرین نے اختلاف کیا لیکن حضور موعود علیہ السلام نے مراد اللہ تفسیر ارشاد فرمائی اور بتادیا کہ امانت سے اللہ کی مراد عشق ہے۔ نقلیات مندرجہ میں یہ بھی واضح فرمایا گیا ہے کہ عشق کی برداشت کما حقہ خاتم النبی اور خاتم الولی نے ہی کی ہے۔ لہٰذا مزید دو نقلیات اور درج کئے جاتے ہیں تا کہ کلام لطافت التیام امام موعو علیہ السلام سے افاضہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت مہدی علیہ السلام نے حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور وجود پر جود کے بارے میں ایک حقیقت کو واضح فرمایا اور اس ضمن میں بعضے حروف مقطعات قرآنیہ کو بھی روشن تر بنایا ہے۔ پس ارشاد ہوتا ہے کہ:

نقل است حضرت میراں فرمودند حم عسق حروف تجنیس است حَیٌ ''مُحَمَّدٌ'' بِعِشْقٍ (حاشیہ شریف صفحہ ۹۸)

ترجمہ: مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن کے یہ مقطعات **حم عسق** حروف تجنیس ہیں۔ جن سے مراد یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عشق الٰہی سے حیات ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیام کی نسبت فرمایا کہ ''**قرآن عشق نامہ است**'' (حاشیہ صفحہ ۵۴)

حضرت خاتم الولیؑ نے جہاں خاتم النبیؐ کے متعلق آگاہی بخشی وہیں اپنی ذاتِ مظہر ولایت کے بارے میں بھی علم بخشا ہے۔ یہ روایت اپنے بیان کے اعتبار سے بھی نہایت دلچسپ اور وجدان انگیز ہے۔

نقل وارد است که یک روز حضرت امام خُسپیده بودند ویک اصحابِ آنحضرتؑ درخدمت بود۔ در خاطر گزرانید که عمر حضرت امام علیه السلام چه مقدار باشد که سوال بلسانِ حال کرده۔ جواب بلسان قال فرمودند که سی سال ایں بنده عاشق حق تعالیٰ بودیم سی سال است که او عاشق ایں بنده شده است (شواہد الولایت صفحہ ۳۴۳)

ترجمہ: ایک نقل ہے ایک روز حضرت امام علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے۔ اس وقت ایک صحابی آنحضرتؑ کے جو خدمت میں حاضر تھے۔ اُن کے دل میں یہ بات آئی کہ حضرت امام علیہ السلام کی عمر مبارک کتنی ہوگی۔ یہ سوال انہوں نے زبانِ حال سے کیا۔ تو آنحضرتؑ نے زبانِ قال سے اس کا جواب ادا فرمایا کہ تیس سال بندہ حق تعالیٰ کا عاشق تھا اور تیس سال ہوئے ہیں کہ حق تعالیٰ اس بندہ

کا عاشق ہوا ہے۔ اس عشق افروز اور محبت آگیں نقل شریف سے ظاہر ہے کہ جس طرح محمد رسول اللہ صلعم عشق الٰہی سے حیات تھے اسی طرح حضرت محمد مہدی خاتم الولایت رسول اللہ صلعم بھی ابتداء سے انتہا تک عشق الٰہی سے معمور تھے۔ اپنی پاک زندگی کے ابتدائی ۳۰ سال کے بارے میں ظاہر فرمایا کہ اس زمانے میں خود بدولت عاشق مولیٰ تھے۔ اور بعد کے ۳۰ سال کے متعلق ارشاد فرمایا کہ معشوق اللہ بنے رہے۔ ابتداء عشق وانتہا عشق۔ اور ساری حیاتِ طیبہ معمور عشق۔

آخر میں ایک خاص نقل کو بیان کیا جاتا ہے اس کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ کلام مہدی مراداللہ میں عشق کی انتہا ہوگئی ہے اور اس حقیقت کو ظاہر کردیا گیا ہے کہ ذاتِ پاک باریٔ تعالیٰ خود منبع ومصدر عشق ہے۔ ایک مخفی خزانہ ہے جو عشق ومحبت سے معمور ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ ''**عشق ذاتِ خدااست**'' (ملاحظہ ہو کتاب سراج منیر صفحہ ۱۲)

ان تعلیمات سے مہدویہ پر نظر ڈالنے سے واضح ہوگا کہ ان میں عشق کی اہمیت اور ضرورت کو ظاہر کیا گیا ہے اور سلوک مہدویہ میں عشق ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' اکٹوبر ۱۹۶۳ء)

مراداللہ

''نقلست از بندگی میاں شاہ دلاورؓ از زبان حضرت میرانؑ شنیدیم فرمودند وقتی کہ در دانا پور جذبہ شد۔ اول مرتبہ تجلی ذات شد۔ وفرمان شد کہ تُرا علم مراد اللہ دادیم و کتاب خود' میراث تو گردانیدیم وبر اہل ایمان' آمر تُرا گردانیم۔ وانکار تو انکارِ ماو انکار ما انکار تست'' (صفحہ ۴۱۔ انصاف نامہ مطبوعہ)

ترجمہ: بندگی میاں شاہ دلاورؓ سے منقول ہے کہ ہم نے حضرت مہدیؑ کی زبان سے سنا۔ (اور آپؑ نے) فرمایا کہ جب دانا پور میں (آپؑ کو) جذبہ ہوا تو اول مرتبہ ذاتِ (خدا) کی تجلی ہوئی اور فرمان (خدا) ہوا کہ ہم نے تجھ کو علم مراداللہ عطا کیا اور اپنی کتاب (قرآن) کا وارث تجھے بنایا اور اہل ایمان پر تجھ کو حاکم گردانا' تیرا انکار ہمارا انکار ہے اور ہمارا انکار تیرا انکار ہے''

مندرجہ بالا روایت' نقلیات مرفوعہ میں ہے۔ اور اس نقل کی سند نہایت درجہ عالی ہے۔ محدثِ ولایت بندگی میاں ولی بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حضرت شاہ دلاورؓ کے ذریعہ حضرت بندگی میراں علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ نقلِ ہذا متعدد بصائر پر مشتمل ہے۔ جن سے کچھ ذیل میں بتوفیق ایزدی بیان کئے جائیں گے۔

اولاً یہ کہ جذبۂ مذکور کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب کہ آپؑ نے اپنے مقام تولد سے ہجرت کی۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مادی ماحول کا ترک کرنا نہایت اہم ہے۔ اس طرح کی ظاہری ہجرت' باطنی ہجرت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

حضرت بندگی میراں علیہ السلام ہجرت کی تاکید کرتے ہوئے اوراس کے ثمرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"تا که از خانه هائی ظاهری اول هجرت نکنند' هجرت باطن حاصل نه شود لیکن هجرت باطن بے هجرتِ ظاهری نادر ترا ست که کسے راباشد' چنانچه النادر کالمعدوم "(صفحہ۱۷۲۔انصاف نامہ)

ترجمہ: جب تک ظاہری گھر سے اول ہجرت نہ کی جائے باطنی ہجرت نصیب نہ ہوگی' ولیکن باطنی ہجرت (کا حاصل) ہونا بغیر ظاہری ہجرت کے نادرات ہے۔ چنانچہ نادر معدوم کے مانند ہے۔

حضرت مہدیؑ معصوم عن الخطا ہیں اور پیدائشی طور پر لوث دنیا سے پاک ہیں تاہم آپؑ نے عملی طور پر فرمایا کہ خدا رسیدگی کے لئے ہجرت ضروری ہے اور جب آپ نے جون پور چھوڑا اور دانا پور تشریف لائے اور وہاں چھ ماہ تک صحرا اور دریا کے کنارے اپنے اصحاب کے ساتھ قیام فرمایا اس وقت واقعہ مذکور ظہور پذیر ہوا۔

ثانیاً یہ کہ دانا پور میں آپ کو پہلی مرتبہ تجلیٔ ذات حاصل ہوئی جیسا کہ نقل شریف میں مذکور ہے اور تجلیٔ ذاتی سے مشرف ہونا خاتمینؑ کی خصوصیات سے ہے۔ تجلیٔ ذات ہی کے ظہور کے سبب آپؑ کے خاتم ولایتِ محمدیہ ہونے کا اعلان کیا گیا۔ آپؑ کی تعلیمات (ذکراللہ وغیرہ) عزیمت وعالیت پر قائم ہوئیں۔ دنیا میں رویت حق کو منزل مقصود ٹھہرایا گیا۔ طلبِ ذات حق طالب کے مجاہدہ کا منتہا قرار پایا۔ آپؑ کی سیرت کے گہرے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ نے اپنی ساری حیات طیبہ میں طلب ذات خدا کی علی الاعلان دعوت دی۔ یہاں تک کہ یہی دعوت آپؑ کی منفرد خصوصیت قرار پائی۔ آپؑ سے پہلے پھر آپؑ کے بعد کسی نے اس طرح طلبِ ذاتِ حق کی طرف نہیں بلایا۔ لیکن آپؑ ہی نے ایسی اعلیٰ دعوت دی کیونکہ آپؑ ختم ولایت کے منصب کے حامل ہیں۔

ثالثاً یہ کہ تجلیٔ ذاتی سے مشرف ہونے پر آپؑ کو علم مراداللہ عطا کیا گیا۔ یہاں علم مراداللہ کی حقیقی ماہیت بیان کی جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ مراداللہ وہ علم ہے کہ جس کی معرفت وعمل کے بعد طالب مراداللہ بن جاتا ہے اس مرادیت کے لئے اجمالی علم بھی کارآمد ہوتا ہے اور عمل کے سلسلے میں نیت وعزم بھی کافی ہوتے ہیں۔ کشش حق طالب کو خود ہی اپنی طرف کھینچ لیتی اور اپنی مراد بنالیتی ہے۔ جیسا کہ حضرت بندگی شاہ خوندمیر صدیق ولایتؓ کی نقل سے ظاہر ہے۔

نقلست بندگی میاں سیدخوندمیرؓ فرمودند که ما خدائی را یاد نه کردیم' امّا از حق تعالیٰ کشش بود (صفحہ۲۲ نقلیات میاں سید عالمؒ)

ترجمہ: نقل ہے کہ بندگی میاں سید خوندمیرؓ نے فرمایا کہ ہم نے خدا کو یاد نہیں کیا مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کشش تھی۔

حضرت بندگی میاں رضی اللہ عنہ نے یہ جو فرمایا کہ ہم نے خدا کو یاد نہیں کیا تو اس جملہ سے آپ کی مراد یہ ہے کہ آپ نے مشائخین کے معروف طریق پر ریاضت یا مجاہدے نہیں کئے۔ بلکہ جناب حق نے اپنے فضل محض سے آپؓ کو برگزیدہ کیا اور وصول الی الحق بندگی میرانؑ سے ملاقات پر مقدر تھا۔ اس لئے حضور مہدی علیہ السلام میں آتے ہی آپؓ دیدار حق سے مشرف ہوکر مرادیت اور محبوبیت کے درجے کو پہنچ گئے۔

مرید اس کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کو اپنی مراد اور منزل قرار دے کر واصل بالحق ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس غرض کے لئے ریاضت ومجاہدہ اختیار کرتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ حسبِ استعداد قربِ حق کو پہنچ جاتا اور جذب واستغراق سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ کیونکہ عالمِ غیب اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

مرید اللہ اور مراد اللہ کو سمجھنے کے لئے بندگی میراں علیہ السلام کی حسب ذیل نقل بہت مفید ہے۔

"نقل است حضرت میرانؑ را بندگی میاں دلاورؓ ملاقات کردند وقت فجر۔ آن وقت میرانؑ تلقین کردند۔ میرانؑ دستِ خود بالائے دست میاں دلاورؓ نہادند و فرمودند مرید اللہ (باشید) بعدہ دستِ میاں دلاورؓ بالا کردند دستِ خودزیر کردند وفرمودند مراد اللہ باشید۔ ہفت سال جذبہ ماند۔ دران مسجد نشیۃ بودند۔ بعدہ در صحبتِ حضرت میرانؑ آمدند (حاشیہ شریف صفحہ۲۵۳)

ترجمہ: نقل ہے کہ فجر کے وقت بندگی میاں شاہ دلاورؓ نے حضرت مہدی علیہ السلام سے ملاقات کی اس وقت حضرت مہدی علیہ السلام نے اپنا ہاتھ میاں دلاورؓ کے ہاتھ کے اوپر رکھا اور فرمایا کہ مرید اللہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد میاں دلاورؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا مراد اللہ ہو جاؤ۔ سات سال تک جذبہ رہا مسجد میں بیٹھے رہے۔ اس کے بعد حضرت مہدیؑ کی صحبت میں آئے۔"

اس نقل شریف سے حضرت مہدی علیہ السلام کے تلقین کے ایک طریقہ کا بھی اظہار ہوتا ہے اور وہ یہ کہ پہلے حضرت علیہ السلام نے اپنا ہاتھ حضرت شاہ دلاورؓ کے ہاتھ پر رکھا' پھر دوسری مرتبہ حضرت شاہ دلاورؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھا۔ پہلی مرتبہ جب آپؑ نے فرمایا کہ اللہ کے مرید ہو جاؤ۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سالک حق تعالیٰ کو اپنی منزل مقصود قرار دے کر حق تعالیٰ کی طرف سفر وسلوک شروع کرے یہ منزل گویا سیرِ سالک **من الخلق الی الحق** ہے۔ اس درجہ سلوک میں طالب حق اپنی صفات اور وجود کو ذاتِ حق میں فنا کرتا ہے اور فنا فی اللہ کا مرتبہ حاصل کرتا ہے۔

دوسری مرتبہ جب حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ مراد اللہ ہو جاؤ تو اس کی شرح یہ ہے کہ طالب' فنا فی اللہ کے بعد بقا باللہ حاصل کرے گویا یہ سفر **عبدمن الحق الی الخلق** ہے۔

ان دو مرحلوں میں علم احسان کے دو مراتب کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

(۱) **ان تعبد اللہ کانک تراہ** (یہ کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اُسے (حق تعالیٰ کو) دیکھ رہا ہے۔

(۲) **فان لم تکن تراہ فانہ یراک** (پس اگر تو اس کو (حق تعالیٰ کو) نہ دیکھ سکے وہ تو تجھے دیکھتا ہے)

یہ عظیم الشان مراحل' بندگی میراں علیہ السلام کی تلقین سے آنِ واحد میں طئے ہو گئے اور جذبۂ حق سے حضرت شاہ دلاورؓ بے ہوش ہو گئے۔ اور یہ جذب واستغراق سات سال تک رہا۔ جب یہ جذبہ ہضم ہوا تب ہوش میں آئے۔ آسان لفظوں میں مرید سے مراد عاشق اور طالب ہے اور مراد سے مطلب معشوق اور محبوب ہے۔ گویا یہ اللہ کے عاشق اور پھر معشوق اور محبوب بننے کی تعلیم ہے جو گروہ مہدویہ میں عام اور مشہور ہے۔ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو "مراد اللہ" کہنے کا مطلب یہی ہے کہ آپؑ حق تعالیٰ کے محبوب اور

مطلوب تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مقصود حق تھے۔

نقل زیر بحث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مہدیؑ کو اپنی کتاب کا وارث بنایا ہے۔اس کی شرح اس نقل شریف سے ہوجاتی ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ'' لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ'' وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ(سورہ فاطر آیت ۳۲)

ترجمہ: پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب (قرآن شریف) کا وارث بنایا۔جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کرلیا۔ پس ان میں سے بعض ظَالِم'' لِّنَفْسِهٖ ہیں اور بعض متوسط ہیں اور ان میں بعض نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں اللہ کے حکم سے''

حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ سے مراد (وہ لوگ ہیں جو) مکمل فنا (فی اللہ) رکھتے ہیں۔ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ'' (سے مراد وہ لوگ ہیں جو ذات حق میں نامکمل یعنی) نیم فنا رکھتے ہیں اور ظَالِم'' لِّنَفْسِهٖ (وہ ذاکر ہیں جو) تھوڑی فنا (ذات حق میں) رکھتے ہیں۔

آیت شریفہ میں فنائیت کے درجوں کا ذکر ہے کہ طالبانِ مولیٰ' حسب لیاقت حق تعالیٰ کی ذات میں فنائیت کے معمولی' نصف اور مکمل درجے رکھتے ہیں۔لیکن آیت شریفہ کی یہ مراد حق تبارک وتعالیٰ نے بطور خود حضرت بندگی میراںؑ پر ظاہر فرمائی اور اس طرح وراثت کتاب کی اہلیت رکھنے والوں کے تین درجے ظاہر فرمائے۔اسی طرح کلام اللہ کے باطن کا علم اللہ تعالیٰ نے حضرت مہدی علیہ السلام کو عطا فرمایا۔اور آپؑ کے ذریعہ آپ کے متبعین کو چونکہ خود حضرت مہدی موعود علیہ السلام خدا کی ذات میں مکمل فنائیت رکھتے تھے۔اس لئے لسان حق میں آپ کلام حق کے وارث اولین ہوئے۔اور چونکہ قرآن شریف کے علم مراد اللہ کو آپؑ تقسیم فرمانے اور پھیلانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے اس لئے حسب نقل مذکور حق تعالیٰ نے آپ کو ان تمام اہل ایمان (یعنی خدا کی ذات میں فنا رکھنے والوں) کا آمر یعنی حاکم بنایا۔اس طرح آپؑ کے منصب وعہدہ کا اظہار بھی ہوتا ہے۔یعنی آپؑ فنا فی اللہ حاصل کرنے والوں کے حاکم اور آمر تھے۔اور علم مراد اللہ (یعنی علم باطن) کے قاسم تھے۔

نقل شریف کے آخر میں حضرت مہدیؑ کے انکار کو حق تعالیٰ نے اپنا انکار اقرار دیا ہے یہ بالکل منطقی نتیجہ ہے اُن تمام مقدمات کو جو پیشتر مذکور ہوئے یعنی حضرت مہدیؑ خدا کی ذات میں فنا رکھتے تھے۔اور علم مراد اللہ کے حامل تھے اور کتاب الٰہی کے وارث تھے' پس آپ کی تصدیق کرنے والا علم مراد اللہ سے بہرہ ور ہوکر کتاب حق کی وراثت سے مستفید ہوسکتا ہے۔اور آمر اہل ایمان سے مستفیض ہوسکتا ہے۔اور مختصر یہ کہ فانی فی اللہ ہوسکتا ہے۔جو خلاف اس کے آپؑ کا منکر علم مراد اللہ وراثتِ کتاب اور ایمان سے بے بہرہ رہ کر ذات حق سے دور جا گرتا ہے اس طرح حضرت مہدیؑ کا انکار فنائیت خدا کا مانع بن جاتا ہے۔اور خدا کا انکار کرنے والا وہی ہے جو اس کے مامور بندے کا انکار کرے غرض یہ نقل شریف بصائر سے پُر ہے۔پس تمام طالبانِ حق اس نقل شریف پر غور وفکر کریں۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''مہر ولایت'' جون وجولائی ۱۹۸۳ء)

کوچۂ عشق

حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے طلبِ دیدارِ خدا کے وسیلہ کے طور پر عشق خدا کی تعلیم دی تب ملّا درویش خراسانی نے نعرہ مارا اور اپنے گریبان کو چاک کیا اور کہا کہ عشق کہاں سے لائیں۔ اس کے بعد حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ بندہ کسبی عشق کہتا ہے۔ کام کرو اور عمل میں کوشش کرو۔ کچھ کام کرو تا کہ اس کے واسطے سے عشق پیدا ہو۔ انبیاءؑ کا عشق عطائی ہے جو بغیر کسب کے حاصل ہوا ہے۔ اور دوسروں کو کسب کرنا چاہئے۔ (انصاف نامہ صفحہ ۲۹۲)

کسب سے مراد محنت و ریاضت ہے اور حصول عشق الٰہی کے لئے کس قسم کی ریاضت چاہئے؟ اس کی وضاحت بھی حضرت بندگی میراں علیہ السلام نے خود ہی ارشاد فرمائی ہے۔ چنانچہ آپؑ واضح کرتے ہیں کہ "ہمیشہ دل کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھے' دل میں (تصور خدا کے سوائے) کوئی چیز نہ آئے ہمیشہ خلوت (تنہائی) اختیار کرے اور کسی کے ساتھ (گفتگو اور معاملات میں) مشغول نہ ہو۔ نہ تو دوست کے ساتھ اور نہ غیر کے ساتھ۔ ہر حالت میں حق کو دیکھتا رہے۔ کھڑے ہوئے' لیٹے ہوئے اور کھانے پینے کے وقت (غرض) ہر حال میں خدا کو دیکھتا رہے۔ (صفحہ ۲۵۴ انصاف نامہ)

حصولِ عشق کے بعد دنیا ہی میں دیدارِ خدا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اپنی ناسمجھی سے اعتراضات کرتے تھے ان ہی میں ایک ملّا نے عشق اور بینائی حق در دنیا کو ناممکن قرار دیتے ہوئے کہا کہ دنیا میں خدا کا دیدار حاصل کرنا' خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے اس نے ایک بیت پڑھی۔

کَسے کُو سر نمی بازو کجا پائے نهد بالا

دلا این کوچۂ عشق است نباشد خانۂ خالا

وہ جو سر اور دھڑ کی بازی نہیں لگاتا' بلندی پر کب قدم رکھ سکتا ہے۔ اے دل یہ عشق کا کوچہ ہے' خالہ کا گھر نہیں ہے۔ (خالہ جی کا گھر نہ ہونا' کام کا آسان نہ ہونا' معمولی بات نہ ہونا۔ ایک محاورہ ہے)

اُس ملّا کے معترضانہ کلام کو حضرت مہدیؑ کے حضور میں پیش کیا گیا تو حضرت میراںؑ نے اس کے جواب میں ذیل کی فرد پڑھی۔

دوئ را دور کن از خود' یکی بین در تہ و بالا

تُرا گر این میسّر شد' ہمیں است خانۂ خالا

ترجمہ: اپنے آپ سے دوئی کو دور کر دے زمین و آسمان میں ایک ہی وجود کو دیکھ اگر تجھے یہ صلاحیت حاصل ہو جائے تو اسی

دنیا میں دیدارِ خدا آسان ہوجاتا ہے۔(یہی خالہ جی کا گھر ہے)

معترض ملاّ نے جس شدت سے عدم امکانِ دیدار کو ثابت کرنے کی کوشش کی تھی حضرت بندگی میراںؑ نے اتنی ہی آسانی سے اُسے ممکن الوقوع ثابت کردیا۔اس سلسلہ میں آپؑ نے دوشرطیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) دوئی کودور کرنا اور (۲) کائنات میں وجودواحد کو ملاحظہ کرنا

ظاہر ہے جب یہ دونوں شرطیں تکمیل پاجاتی ہیں تو طالب مولیٰ کو اسی زندگی اور اسی دنیا میں دیدارِ خدا حاصل ہوجاتا ہے۔

دوئی کو دور کرنا، نفس کو مٹانا، اپنے آپ کو فنا کردینا، اور بشریت کو ختم کردینا، یہ سب مترادفات ہیں ان سب کا مطلب ایک ہی ہے بڑی کڑی شرط ہے اور یہی سب سے بڑا عمل ہے۔ یہ جان اور دھڑ کی بازی لگانے سے زیادہ مشکل ہے۔اس کا آغاز نفس کے ساتھ جنگ سے ہوتا ہے۔اس میں نفس کو تمام لذات اور مرادات سے محروم کردیا جاتا ہے۔ جب یہ حال طالب میں راسخ ہوجاتا ہے، تب وہ اپنے وجود کی نفی میں مشغول ہوتا ہے۔''الا اللہ توں ہے لا الہ ہوں نہیں'' سے یہ مرحلہ تکمیل پاتا ہے۔مرحلہ دوم کے سلسلے میں حضرت بندگی میاں ولی یوسفؒ کے بعض ارشادات ملاحظہ کے قابل ہیں۔آپؒ فرماتے ہیں کہ سالکین کے مذہب میں لا الــــــہ کے معنی'' موجودات میں سے کوئی وجود نہیں ہے'' کے ہیں۔کل اشیاء کا تعلق قائل کے وجود سے ہوتا ہے جب قائل اپنے وجود کی نفی کردے تو کسی شئے کا اثر باقی نہیں رہے گا۔ جب موجودات سے کوئی وجود نہیں رہا تو پھر حق کو ثابت کرے......اس کے بعد یقین کرے کہ اس سے وہی متکلم ہوتا ہے......اور یہ یقین تمام اس امر کو جانے کہ حق کے سوائے کوئی سامع نہیں ہے۔(صفحہ ۲۵۸)

اس تشریح سے واضح ہورہا ہے کہ جب سالک اپنے وجود کو فنا کردیتا ہے تو وجودِ عالم بھی اس سے محو ہوجاتا ہے لیکن مقصود حقیقی محض فنائیت ہی نہیں بلکہ فنا کے بعد بقا بھی ضروری ہے اور یہ بقا مع اللہ ہونا چاہئے اسی کو دوسرے لفظوں میں بقاباللہ کہتے ہیں۔اس وقت سالک تہہ وبالا میں وجودواحد کو شناخت کرتا ہے۔ یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب مطلوب بقا ہے تو پھر فنا کی ضرورت ہی کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بقامع النفس اور بقاباللہ دوجداجدا احوال ہیں۔سالک ابتداء میں ایک عام انسان کی طرح عالم ناسوت میں غرق رہتا ہے اور جب تک عالم ناسوت سے چھٹکارہ حاصل نہ ہو، اور ناسوت فنا نہ ہو، سالک کو بقاء باللہ سے انصاف حاصل نہیں ہوتا، پس ناسوت کی فنا ضروری ہے۔ ناسوت پارۂ حدید کے زنگ کے مانند ہے پس جب صیقل سے زنگ دور ہوجائے اور اُس پارۂ حدید کو مقناطیسِ حقیقت کے روبرو لایا جائے تب وہ اس سے واصل ہوجائے گا۔اور اسی کے ساتھ باقی رہے گا۔عشق کی یہی حقیقت ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''مہر ولایت''، اگسٹ ۱۹۸۳ء)

مشاہدہ

حضرت سید محمد جونپوری نے مہدیٔ موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ جہاں آپؑ کے دعویٰ کے ماننے والے بے شمار تھے تو وہیں نہ ماننے والے بھی کچھ کم نہ تھے۔ جن لوگوں نے آپؑ کے مہدی موعود ہونے کا انکار کیا' حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جلد بازی' تساہل میں تحقیق سے کام نہ لیا اور اپنے نفس اور شیطان کے مغالطہ میں آ گئے۔ حضرت سید محمدؑ نے ایسے ہی حق ناشناس افراد کے سمجھانے کے لئے اپنے ''دعویٔ مہدیت'' کی حقیقت کو خود واضح کیا ہے۔ چنانچہ نقل شریف یعنی کلام مہدی موعودؑ میں مذکور ہے کہ

''اُو فرموده است۔ امرت بالمهدية بامر الله تعالىٰ مع مشاهدة روح رسول الله''

ترجمہ: آپؑ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور (حضرت رسول اللہؐ کی روح (مبارک) کے مشاہدہ کے ذریعہ مجھے مہدیت پر مامور کیا گیا ہے۔

اس نقل میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) حکم الٰہی سے دعویٰ اور (۲) روح رسول اللہؐ کا مشاہدہ۔

دریافت کرنے والوں اور معترضین نے جب یہ کہا کہ آپ نے مہدیؑ ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو فرمایا کہ میں نے (اپنی طرف سے) دعویٰ نہیں کیا کہ بلکہ دعویٰ کرنے کے لئے حکم الٰہی ہوا ہے' ایسے ہی معترضین سے حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہ' صدیق ولایت نے ایک عقلی بحث کی ہے۔ آپؓ کہتے ہیں کہ

''او می گوید هر چه می کنم و می گویم بواسطه خبری که مرا از خدائے می رسد۔ وبرثبوت آن دعویٰ حجت از کتاب خدائی آورده است واین از دو حال خالی نیست یار است گو است یا دروغ گو' اگر دروغ گو است پس ضرور وبال بردست ستمگار تو است واگر راست گو است پس ضرور وبال بر مکذبان است که تراند کردی را دروغ گو دارند کقوله تعالىٰ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ٥ (سورہ یونس آیت ۱۷) وقال الله تعالىٰ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ يَعِدُكُمْ (سورہ المومن آیت ۲۸)

ترجمہ: آپؑ فرماتے ہیں کہ جو کچھ کرتا ہوں اور جو کچھ کہتا ہوں بذریعہ اس چیز کے ہے جو مجھ کو خدا سے پہنچتی ہے'' اور اس دعویٰ کے ثبوت پر کتابِ خدا سے دلیل لائے۔ اور یہ دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا وہ سچ کہہ رہے ہیں یا جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ اگر جھوٹ کہہ رہے ہیں تو اس کا بوجھ اور نقصان ان کی ذات پر ہے کہ زیادہ ظالم ہیں اور اگر سچ کہہ رہے ہیں تو نقصان اور بوجھ جھٹلانے والوں پر ہے کہ یہ لوگ زیادہ ظالم ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا' یا

جھٹلائے اس کی آیتوں کو بے شک بھلا نہیں ہوگا گنہگاروں کا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو اسی پر پڑے گا اس کے جھوٹ کا وبال اور اگر سچا ہے تو تم پر آپڑے گا۔ کچھ اس (عذاب) میں سے جن کا یہ تم سے وعدہ کرتا ہے‘ (المیعار طبع دوم صفحہ ۴۱)

اس عقلی بحث کے بعد کسی کو اس دعوے پر زبان کھولنے کی گنجائش نہ رہی۔ اس دعوے کو تسلیم کر لینا باعث نجاب اور رستگاری ہے اور انکار سے وبال کی وعید میں گرفتاری ہے۔ آپ دعویٰ مہدیت کی دوسری شق پر غور کریں۔

انصاف نامہ میں لکھا ہے کہ مہدیؑ نے خراساں اور شہر فرہ میں مجمع کے درمیان بیان فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ اے سید محمد کیا تو نے خدا کو دل کی آنکھ سے دیکھا؟ فرمایا۔ ہاں ہم نے دیکھا۔ پھر فرمان ہوا کہ اے سید محمد کیا تو نے خدا کو سر کی آنکھ سے دیکھا؟ فرمایا۔ ہاں ہم نے دیکھا۔ پھر فرمان ہوا کہ اے سید محمد کیا تو نے خدا کو بال بال سے (ہمہ تن سے) دیکھا؟ فرمایا۔ ہاں ہم نے دیکھا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ لو رسولؐ کھڑے ہوئے گواہ ہیں۔ اس کے بعد بعض خراسانیوں نے کہا کہ یہی ایک گواہ کافی ہے یعنی درویش۔ (صفحہ ۳۱۵ و ۳۱۶ ترجمہ)

اس روایت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ شہر فرہ میں ایک بھرے مجمع میں ایک مرتبہ حضرت مہدی علیہ السلام نے اپنے دیدار کی کیفیت بیان فرمائی کہ آپؑ کو دیدار باری تعالیٰ سرتاپا (مُو بہ مُو) حاصل ہوا ہے۔ یعنی آپؑ نے بال بال سے خدا کو دیکھا ہے۔ اس بیان کے بعد آپؑ نے حاضرین اجتماع سے فرمایا کہ اس وقت اس جگہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (روحانی طور پر) تشریف فرما (یعنی موجود وایستادہ) ہیں‘ اگر کسی کو حضرت بندہ ورسولؐ کے بیان رویت حق کے بارے میں شک ہو تو وہ خود حضرت رسول اللہ صلعم سے پوچھ لے اور تصدیق کر لے۔ حاضرین اجتماع نے کہا کہ ہمیں مولانا درویش محمد (خراسانی) کی (ظاہری) گواہی کافی ہے (کہ حضرت سید محمد مہدی موعود حق تعالیٰ کی اعلیٰ ترین رویت سے مشرف ہیں) انہوں نے حضرت رسول اکرمؐ سے دریافت کرنے کی جراءت نہ کی بلکہ ظاہری دعویٰ پر آمنا وصدقنا کہا۔

شواہد الولایت میں ہے کہ شاہ ہرات مرزا حسین کی طرف سے چار علماء‘ ملا علی فیاض‘ ملا علی شیروانی‘ ملا محمد شیروانی اور ملا درویش ہروی‘ حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں تحقیق مہدویت کے لئے آئے اور آپ کی اجازت سے ملا علی فیاض نے چار سوال کئے۔ چوتھے سوال میں دنیا میں رویت باری تعالیٰ کے جائز ہونے کی دلیل طلب کی۔ حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ ہر چیز کے ثبوت کی دلیل دو گواہوں سے ملتی ہے۔ یہیں محمد رسول اللہؐ اور ابراہیم خلیل اللہؑ۔ حضرت مہدیؑ نے اپنے سیدھے اور بائیں جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ موجود ہیں۔ جو اس باب میں گواہ ہیں جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو۔ اس جواب کو سن کر علماء خاموش ہوئے ان کو دل جمعی حاصل ہوئی۔ اور سب کے سب آپؑ کے مطیع ہو گئے۔ جب یہ علماء واپس ہوئے بعض علماء نے کہا جب حضرت سید محمدؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ سے پوچھنے کے لئے کہا تھا اگر ہم پوچھ لیتے تو بہتر تھا۔

یہ سن کر ملا علی فیاض نے کہا کہ مقلد کے لئے مخبرِ صادق کا قول ہی دلیل قطعی ہے۔ اگر ہم اس رتبے پر ہوتے پوچھنے کی حاجت

ہی نہیں تھی ہم اسی ساعت اپنی مراد کو پہنچتے' اور حضرت محمد رسول اور حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کو دیکھ ہی لیتے۔ خدا کا شکر بجالاؤ کہ تم نے استفسار نہیں کیا۔ جولوگ محمد رسول اللہ اور ابراہیم خلیل اللہؑ کے حضور میں حاضر تھے (ان میں سے بہت سارے) ان کے مدعاء گراں قدر کوسن کر بھی مقصود کو نہیں پہنچ سکے تو اب (جب کہ) وہ مقام لطیف والطف عالم ارواح میں ہیں۔ ہمیں کیا خبر کہ بعد سوال کیا جواب ملتا اور ہم کیا سمجھتے! (صفحہ ۲۳۲۔۲۳۳)

ان دونوں روایتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ روحانی طور پر حضرت مہدیؑ کے ساتھ تھے اور آپؑ اپنی ظاہری آنکھوں سے اُن ذوات مقدسہ کو ملاحظہ فرمارہے تھے۔ اسی طرح جب بھی حضرت سید محمدؑ نے دعویٰ مہدیت کیا اس وقت سرکارِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم روحانی طور پر موجود تھے۔ اور حضرت بندگی میرانؑ اس مشاہدہ میں دعویٰ کا حکم پاکر دعویٰ مہدیت کو پیش فرمارہے تھے۔

دعویٰ کے موقعہ پر حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بطور گواہ موجود ہے یہی حضرت بندگی میرانؑ کے دعویٰ مہدیت کی سب سے بڑی صداقت ہے مشاہدے کی ایک صورت فنافی الرسولؐ کی بھی ہے۔

(ماہنامہ ''مہرولایت'' ڈسمبر ۱۹۸۳ء)

شدنی

نقلست کہ حضرت میراں علیہ السلام فرمودند کہ کلمۂ لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ برچہارم است۔ یکی لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ گفتی است، دوم لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ دانستی است، سوم لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ چشیدنی است چہارم لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ شدنی است (انصاف نامہ صفحہ ۲۶۱)

ترجمہ: نقل ہے کہ حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ کلمہ لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی چار قسمیں ہیں۔ اول لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ (زبان سے) کہنے کا، دوم لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ جاننے کا، سوم لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ (فنا) چکھنے کا اور چہارم لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہُو جانے کا''

مندرجہ بالا نقل میں کلمۂ توحید کی چار قسمیں بتائی گئی ہیں۔ حقیقتاً یہ ایک قسم کی تعبیر ہے یعنی یہ طالب کے لئے توحید حق میں استغراق کے درجے اور منازل ہیں جو اقسام کے نام سے مذکور ہوئے ہیں۔ جب طالب توحید کے تقاضہ کو سمجھ لیتا ہے تو پھر وہ اس میں فنا ہونے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی کوششوں میں کامیاب ہوجانے کے بعد وہ سراپا توحید بن جاتا ہے۔ غرض یہ مراحل توحید کو سمجھنے جاننے اور اس میں فنا ہونے اور سراپا توحید بن جانے سے متعلق ہیں۔ ان میں محض زبان سے ادا کرنے کا ابتدائی اور ظاہری درجہ شامل نہیں ہے۔

اسی مطلب کو علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے الفاظ میں بھی بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں بھی ان مراتبِ

یقین کا بیان ہوا۔مثلاً کَلّا لَوْ تَعلَمُونَ علم الیقین (اگرتم علم یقین کے ساتھ جان لیتے)ثُمَّ لَترَ وَنَّها عَینَ الیَقِینِ (پھرتم اسے ضرور یقین کی آنکھ کے ساتھ دیکھ لوگے)و انہ لحق الیقین (اوروہ یقینی حق ہے)ان تین مراتب یقین کی مثال یہ ہے۔ دھوئیں کو دیکھ کر بذریعہ علم انسان کو یقین ہوجاتا ہے کہ وہاں آگ جل رہی ہے۔ پھر اگر اور آگے چلا جائے تو آگ کو خود اپنی آنکھ سے دیکھ لے گا یہ عین الیقین ہے۔ پھر خود اس کے اندر داخل ہوجائے تو وہ حالت اس پر وارد ہوکر بتادیتی ہے کہ یہ آگ ہے یہ حق الیقین ہے۔دلائل پر غور کرنے سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اور مشاہد سے عین الیقین اوراس میں مستغرق ہوجانے سے حق الیقین حاصل ہوجاتا ہے۔ بہ اعتبار کلمہ توحید علم الیقین کو دانستن کلمہ کہتے ہیں اوراس علم کے حامل کو دانائے کلمہ اور توحید کی آیات وعلامات کا مشاہدہ کرنے والا بینائے کلمہ ہوتا ہے اور توحید میں اپنے آپ کو فنا کرنے والا ہمہ تن کلمہ بن جاتا ہے۔علم الیقین کا نتیجہ طریقت اور عین الیقین کا حقیقت اور حق الیقین کا معرفت ہے۔

کلمۂ توحید کے علم اوراس کے مشاہدہ کو تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا،لیکن بعض کو توحید شدنی قابل تامل معلوم ہوتی ہے لیکن شریعت میں اس کی بنیاد موجود ہے۔

حدیث (۱)عن ابی ھُرَیرہ قَالَ قَالَ رَسُول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم مَا قَالَ عَبدَ لا الہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخلِصًا من قَلبِہِ اِلَّا فُتِحتُ لَہ' ابوابُ اسماء...... الخ (ترمذی) ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بندہ دل کے اخلاق سے لا الہ الا اللہ کہےاس کے لئے آسمان کے دروازہ کھل جاتے ہیں۔الخ

حدیث (۲)عن ابی ھریرۃ قال...... قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اَسعَدُ الناسِ شَفَا عَتِی لیوم القیامتِ مَنْ قَالَ لَا اِلہَ اَلَّا اللّٰہُ خالصاً مِنْ قَلْبِہٖ او نَفْسِہٖ (بخاری) ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔سب سے زیادہ سعادت منداور میری شفاعت سے قیامت کے دن فائدہ اٹھانے والا وہ شخص ہوگا جو دل کے خلوص کے ساتھ لاَاِلہَ اِلَّا اللّٰہ کہے۔

حدیث (۳)عن ابی سعید مَنْ قَالَ لَااِلہَ اِلَّا اللّٰہ مخلصاً دَخَلَ الجنۃ ترجمہ:حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ جس نے خلوص سے لاَاِلہَ اِلَّا اللّٰہ کہاوہ جنت میں داخل ہوگا (رواہ)

ان احادیث شریفہ کو غور سے پڑھنے پر واضح ہوتا ہے کہ کلمہ توحید کے ذکر کے لئے اخلاصِ قلب کی شرط بھی لگائی گئی ہے۔یہ شرط خود قرآن شریف میں بھی پائی جاتی ہے مثلاً حق کا حکم ہوتا ہے کہ ’’ قُلْ اِنِّی اُمِرْتُ اَنْ اَعبُدَ اللّٰہَ مُخلِصًا لَّہُ' الدِّینَ (سورۂ زمر آیت ۱۲) ترجمہ:اے محمدؐ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اللہ ہی کی بندگی کروں‘‘ اس کے مطابق آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا’’اِخلُصوا اَعمالَ کم. فَاِنَ اللّٰہ لا یَقبَلُ اِلَّا مَا خَلَصَ لَہ' (کنزالعمال) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اپنے اعمال کو خالص کرو کہ اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو خاص اسی کے لئے ہو‘ غرض اس طرح خلوص پر عمل دینی کی شرط ہے۔پس

کلمۂ توحید کو بھی اخلاص سے ادا کرنا ضروری ہے۔احادیث گزشتہ میں اخلاص قلب یا نفس کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں یعنی اپنے دل اور اپنے نفس (اپنے آپ) کو غیر اللہ کے خیال سے پاک کرنا۔ پس غیر اللہ میں خود انسانی وجود بھی شامل ہے۔اس وجود کو دور کرنا یا فراموش کر دینا ضروری ہے تاکہ پوری طرح تخلیص کا عمل ہوجائے۔قرآن اور حدیث کی ہدایت کے مطابق حضرت سید الاولیاء بندگی میراں علیہ السلام نے الا اللہ توں ہے۔لا الہ ہوں نہیں کے الفاظ میں ذکر کرنے کی تاکید کی ہے۔یہ عالیت کا ذکر ہے۔اس ذکر میں ذاکر اپنی ذات کی نفی سے ذکر شروع کرتا ہے جب اس ذکر کے آثار مرتب ہونے لگتے ہیں تب اس کا وجود مٹنے لگتا ہے، یہاں تک کہ صرف مذکور باقی رہ جاتا ہے جب اس طرح مذکور باقی رہ جائے تو ذاکر لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ شدنی کے مرتبہ کو پہونچ جاتا ہے۔لیکن چند اور شرائط بھی لازم ہیں تاکہ شدنی کا عمل تکمیل پاسکے۔سب سے اول ترک دنیا، دوم ترک وطن (ہجرت) سوم ترک خلق (عزلت) چہارم صحبت صادقان، پنجم توکل، ششم ذکر دوام، ہفتم طلب دیدار خدا پس دنیاوی معاملات میں مشغول رہ کر ترک خودی کا دعوی کرنا صحیح نہیں ہے اور جب تک ہجرت از وطن پر عمل نہ کیا جائے، ماحول اور زمین کے اثرات اور مانوسیت سے چھٹکارا مشکل ہے۔زمین کی کشش سے جب تک کوئی بھی مادی چیز یا انسان دور نہ ہوجائے وہ سماوی پرواز کے قابل نہیں ہوتا۔طالب مولیٰ کا اہل دنیا سے اختلاط نہایت درجہ مضر ہے۔غرض ان شرائط کی تکمیل سے کلمۂ توحید کی شدنی منزل پوری ہوسکتی ہے۔اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

(مطبوعہ ''مہر ولایت'' جنوری ۱۹۸۴ء و ''نور ولایت'' خلیفۃ اللہ نمبر ۲۰۱۲ء)

غربت دوم

نقل شریف ہے کہ: ''**نیز فرمودند کہ مراد از حدیث ان الدین بدأ غریبا وسیعود الدین کما بداء فطوبیٰ للغرباء۔ مراد از غریب دوم زمانۂ ظہور مہدی است۔**(نقلیات میاں عبدالرشیدؒ)

ترجمہ: آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ حدیث ان الدین الخ میں غریب دوم سے مراد مہدی موعودؑ کے ظاہر ہونے کا زمانہ ہے۔

اس نقل شریف میں جس پارۂ حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے وہ مکمل حدیث ترمذی شریف میں ان الفاظ میں موجود ہے۔

عن عمرو بن عوف قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الدین لیار زالی الحجاز کما تا رز الحیۃ الی جحرھا ولیعقلن الدین من الحجاز معقل الا رویۃ من راس الجبل. ان الدین بدا غریبا وسیعود کما بدأ فطوبیٰ للغرباء وھم الذین یصلحون ما افسدا الناس من بعدی من سنتی (رواہ ترمذی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عوف سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (آخر زمانہ میں) دین تمام اطراف سے سکڑ کر حجاز کی طرف اس طرح لوٹ آئے گا جیسا کہ سانپ دور دور جا کر پھر اپنے ہی سوراخ کی طرف لوٹ آتا ہے اور آخر میں دین

حجاز میں آکراس طرح پناہ لے گا جیسا کہ پہاڑی بکرا پہاڑ کی چوٹی پر جا کر پناہ لیتا ہے۔

''بے شبہ جب اسلام دنیا میں آیا تھا وہ ایک پردیسی کی طرح اکیلا تھا۔اور آخر میں پھراسی طرح پردیسی بن جائے گا تو مبارک ہوان کو جو دین کی خاطر اپنے ہی وطن میں پردیسی کی طرح بن جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو میری سنت کی ان باتوں کی اصلاح کریں گے جو میرے بعد لوگوں نے خواب کردی ہوں''

مندرجہ بالا حدیث میں حضرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم ربانی سے یہ بتایا کہ (آخرزمانے میں) دین اسلام حجاز میں (واپس) آجائے گا۔دین اسلام کا آغاز ایک غریب کی حیثیت سے ہوا۔لفظ غریب اردو زبان میں مفلس اور بے زر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں غریب سے مراد پردیسی' اجنبی اور مسافر سے ہے جو ایک ایسے ماحول اور مقام پر پہنچ گیا جہاں سب اسکے لئے اجنبی ہوں اور کوئی اس کا ہم خیال نہ ہو۔ظاہر ہے ایسے ماحول میں اجنبی کو ہمیشہ تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور بڑی مشکل سے وہ اپنے لئے جگہ بناتا ہے۔ دین اسلام کی شروع میں یہی حالت تھی اس کے ظہور کے ساتھ ہی اہل مکہ مخالف ہوگئے اور حضرت رسول اسلام علیہ السلام کو ستانے لگے یہاں تک کہ اس ایذارسانی پر ۱۳ سال کا عرصہ گزرا پھر جب آپؐ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تو وہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا بلکہ خون ریز جنگوں کا آغاز کردیا۔لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ اسلام پھیلے اور باقی رہے' اس لئے تمام مخالفوں کو شکست ہوئی اور اسلام حجاز میں قائم ہوگیا۔ بلکہ حجاز سے نکل کر دنیا کی ساری خشکی وتری تک پہنچ گیا۔

حضرت رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ' اسلام میں بعض ایسے بھی لوگ ہوں گے جو رسول اللہ صلعم کی سنتوں کو بگاڑیں گے' رسم وعادت وبدعت کو رواج دیں گے' اوران بدعات کا پھلاؤ اس قدر زیادہ ہوجائے گا کہ خالص اسلام' ان بدعات کے بادلوں میں ڈھک جائے گا' بدعات کے مقابلے میں اصل دین اسلام ایک غریب یعنی اجنبی کی طرح دکھائی دے گا اس طرح غربتِ دوم کا دور طاری ہوجائے گا۔

لیکن حدیث شریف میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس غربتِ دوم میں بھی چند مسلمان ہوں گے جو اصل اسلام پر عمل کریں گے وہ اپنے عمل اور عقیدے کے لحاظ سے بالکل اجنبی سمجھے جائیں گے' اس اجنبیت اور نامانوسیت کی وجہ سے اہل بدعت جو اسلام کے دعویدار ہوں گے ان مسلمانوں کو تکلیف پہنچائیں گے۔ان کی مخالفت کے سبب یہ لوگ اپنے ہی وطن میں غریب یعنی اجنبی بن جائیں گے۔اور تکلیفیں اٹھائیں گے۔لیکن حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اجنبی مسلمانوں یعنی حقیقی مسلمانوں کو جو سنتِ رسالت پناہی پر گامزن ہوں گے''طوبیٰ للغرباء'' کے الفاظ میں بشارت اور خوش خبری دی ہے۔اس مبارک باد کے باعث ان غریبوں میں اس قدر ہمت اور طاقت پیدا ہوجائے گی کہ وہ بدعات کے خلاف محاذ قائم کریں گے اور سنت رسول اللہ پر خود عمل کریں گے اوراس کو رواج دیں گے۔لیکن اس غربت دوم کے مسلمانوں کی اقامتِ دین حقیقی کی ساری جدوجہد کا اصل راز خلیفۃ اللہ علیہ السلام کا ظہور ہے جو غربت دوم کے زمانے میں خدا کی طرف سے مبعوث ہوکر بدعات کے ازالہ کا جہاد شروع فرمادیں گے۔ یہ خلیفۃ اللہ

امام آخرالزماں مہدی موعودسید محمد جونپوری ہیں جنہوں نے بحکم رب اپنے ظہورکا زمانہ غربت دوم کا زمانہ بتایا ہے۔اور آپؑ نے اصل بدعات مخالف دین کی تحریک چلائی جس کو عرفِ عام میں مہدویت کہا جاتا ہے۔ ہندوستان کے مستند مورخین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت سید محمد جونپوری (علیہ السلام) کی تحریک دسویں صدی ہجری میں احیاءِ اسلام اور فنائے بدعات کے لئےتھی

(مطبوعہ ماہنامہ ''مہرولایت''فبروری۱۹۸۴ء)

دھنیے جون پور

حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا'' **دھنیے آن جون پور کہ در آن مہدی پیدا شدہ وبسبب مہدیؑ جون پور اشرف شد**'' (سلیمانی)

ترجمہ: خوش بخت ہے وہ جونپور کہ وہاں مہدیؑ پیدا ہوئے اور مہدیؑ کے سبب سے جون پور کو شرف حاصل ہوا ہے۔

دھنیے کے معنی ہندی لغت میں مبارک، مقدس، خوش نصیب، قابل ستائش، قابل عظمت اور بہتر کے ہیں۔اور جب یہی کلمہ بطور فجائیہ استعمال ہوتا ہے تو مرحبا، آفرین، اور شاباش کے معنی دیتا ہے۔اس دوسرے استعمال کے لحاظ سے نقل مبارک مذکورہ کے معنی یہ ہوئے کہ کس قدر خوش بخت ہے جونپور کہ وہاں مہدیؑ پیدا ہوئے اور مہدی کے سبب جون پور کو شرف حاصل ہوا۔

جون پور کے زمانِ تاسیس ہی سے بڑے بڑے علماء، فضلاء، صوفیاء اور اہل کمال اس شہر کو اپنی منزل مقصود قرار دے کر ہند اور بیرون ہند سے یہاں پہنچتے رہے۔مثلاً ملک سرور خواجہ جہاں موسس خاندان شرقیہ کے ساتھ مولانا شرف الدین لاہوری، جونپور وارد ہوئے۔خواجہ جہاں کے بعد سلطان مبارک شاہ شرقی کے عہد میں مولانا شرف الدین لاہوری کے فرزند امیر صدرالدین علم وفضل دینی کے ساتھ وزارت کے عہدے پر فائز رہے۔ سلطان ابراہیم شرقی کے دور میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی، قاضی نصیرالدین دہلوی، شیخ ابوالفتح شریحی دہلوی، شیخ نصیرالدین دہلوی، شیخ عیسیٰ دہلوی وغیرہ وغیرہ اشاعت علم اور تعلیم وتلقین میں مصروف رہے۔خصوصاً قاضی شہاب الدین دولت آبادی ایسی ہستی ہیں کہ ان کے متعلق عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے کہ ان کے زمانہ میں اساتذہ میں بہت سے علماء موجود تھے۔مگر اللہ تعالیٰ نے جو شہرت وقبولیت قاضی صاحب کو عطا فرمائی تھی ان (اساتذہ) میں سے کسی کو اس سے نوازا نہیں تھا۔ (اخبارالاخیار) خیرالدین محمد الہ آبادی جونپوری لکھتے ہیں کہ لوگ (قاضی صاحب) کی تصانیف بہترین خط میں لکھ کر ایران، توران، روم اور شام کے بادشاہوں کی خدمت میں بطور ہدیہ روانہ کرتے تھے۔اور اکثر سلاطین بطور انعام واکرام کے ان کتابوں کو سونے چاندی سے تول کر اپنے خادموں کے ذریعہ اسے قاضی صاحب کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔سلطان ابراہیم کے بعد اس کے بیٹے محمود شاہ شرقی کے زمانے میں شیخ محمد بن عیسیٰ اور مخدوم سید علی بن داؤد، علماء ومشائخین میں بلند پایہ رکھتے تھے۔سلطان محمود شاہ (پدر

حسین شرقی)اوراس کی ملکہ بی بی راجی ان علماء سے بڑی گہری عقیدت رکھتے تھے۔اور سلطان کے وزیر سمارالدین المقلب قتلغ خاں شارح کافیہ تھے۔سلطان حسین شرقی کے زمانے کے علماء میں مولانا سماءالدین المقلب بہ قتلغ خاں، مخدوم شیخ دانیال خضریؒ شیخ محمد بن عیسیٰ تاج، شیخ بہاءالدین جونپوری اور مولانا الہ داد شارح ہدایہ واصول بزدوی اور مولانا صفی جونپوری وغیرہ علمائے عظام سے تھے کہ ان سب کے تذکرے زینتِ کتب تواریخ ہیں۔لیکن ان سب علماء ومشائخ وصوفیاء کے مقابلے میں اسدالعلماء وسیدالاولیاء حضرت سید محمد جون پوری کی تنہا ذات ہے جنہوں نے ببانگِ دہل یہ اعلان کیا کہ جونپور کوآپ ہی کی ذات سے شرف ملا ہے۔آپ سے قبل یا بعد کسی عالم، صوفی، ولی اللہ، امیر یا بادشاہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس کے وجود سے جونپور کوشرف وتقدس حاصل ہوا ہے۔

آپؑ نے اس شرف کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ وہاں یعنی جونپور میں مہدیؑ پیدا ہوئے ہیں۔اور حق یہ ہے کہ جوسرزمین مہدی علیہ السلام کی ولادت گاہ قرار پائے اس کے شرف یافتہ ہونے میں شک ہو ہی نہیں سکتا۔کیونکہ امام مہدیؑ خلافت الٰہیہ کے منصب پر سرفراز ہیں۔چنانچہ حدیث ہے۔

روی عن ثوبانؓ قال قال رسول اللہؐ اذ رائیتم الرایات السود قد جات من قبل خراسان فاتوھا فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی(رواہ احمد، البیہقی فی شعب الایمان ، شواھد الولایت ۳۶۹)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دیکھو کہ خراسان سے سیاہ جھنڈیاں نمودار ہوئیں تو ان میں چلے آؤ اس لئے کہ ان ہی میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔بیہقی نے شعب الایمان میں اس کی روایت کی ہے۔پس جس سر زمین پر اللہ کا خلیفہ پیدا ہو اس کے مقدس واشرف ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ **ثم یجی خلیفۃ اللہ المھدی فاذا سمعتم بہ فاتوہ فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المھدی** (حاکم، ابن ماجہ، ابونعیم وغیرہ)

”پھراس کے بعد خدا کے خلیفہ مہدی آئیں گے جب تم کو مہدی کی خبر ملے توان کے پاس جاؤ اوران سے بیعت کرو اگر چہ کہ تم کو برف پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں۔

حضرت سید محمد مہدیؑ موعود جونپور کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپؑ خاتم ولایت محمدی ہیں آپؑ کا خاتم الاولیاء ہونا حدیث ذیل سے مستنبط ہے۔

عن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجھہ قال یا رسول اللہ امنا اٰل محمدن المھدی ام عن غیرنا فقال لا بل منا یختم بہ الدین کما فتح بنا (العرف الوردی)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ مہدی ہم آل محمد میں سے ہوگا یا ہمارے سواء دوسروں میں سے؟ فرمایا ہم میں سے ہوگا اللہ تعالیٰ مہدی پر دین کو ختم کرے گا جیسا کہ ہم سے ابتداء کی ہے۔مطلب یہ ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں احکام نبوت کو بیان فرمایا اوراحکام ولایت کی تبلیغ کے لئے اپنی اہل بیت سے

مہدی علیہ السلام ولایت محمدی کے خاتم ہیں اور خاتم ولایت محمد یہ ہی خاتم الاولیاء اور مہدی موعود ہیں۔ چنانچہ مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز میں مرقوم ہے کہ ''**خاتم الاولیاء است علیه الصلوٰة والسلام**'' یعنی خاتم الاولیاء محمد مہدی ہوں گے جو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موعود ہیں۔ (جن کے آنے کا وعدہ حضرت رسالت پناہ نے کیا ہے) مہدیت موعودہ اور ختم ولایت محمد یہ یہ دونوں نہایت عظیم الشان منصب ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت سید محمد جونپوری کو عطا کئے گئے۔ (۱۲) سال کی عمر میں جونپور کی گومتی ندی کے کنارے کھوکھری مسجد میں حضرت خضرؑ نے امانتِ نبوی آپ کو پہنچائی اور آپ کے مہدی موعود ہونے کا اظہار کیا۔ پھر خود جناب خضرؑ اور میاں شیخ دانیال دونوں نے آپ کی مہدیت کی تصدیق کی اور حضرت میراں سید احمد بھی اس تصدیق میں شریک رہے۔ جب اپنے منصب جلیلہ کا حامل جونپور میں پیدا ہو تو پھر جونپور کو شرف کس طرح حاصل نہ ہو۔

(ماہنامہ ''مہر ولایت'' جون پور نمبر اپریل ۱۹۸۴)

عشق از جون پور

نقل ہے کہ ''**عشق از جونپور برخاست در گجرات بارید دور فره مدفون شد**''

(انصاف نامہ باب ۱۸ بحوالہ سراج منیر صفحہ ۸)

ترجمہ: عشق جونپور سے اٹھا (نمودار ہوا) اور گجرات پر برسا اور فرہ میں دفن ہوگا۔ اگرچہ کہ نقل شریف کے الفاظ میں آخری جز کے لئے مستقبل کا صیغہ استعمال نہیں ہوا ہے تاہم ماضی کو شدت یقین کی بناء پر امور آئندہ کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور حضرت بندگی میراں علیہ السلام نے نقل مذکور اپنے حین حیات فرمائی ہے۔ اس لئے آخری جزء میں مستقبل کے وقوعہ کی طرف اشارہ ہے۔

آمدم برسر مطلب۔ اس نقل میں ''عشق'' سے مراد خود حضرت کی ذاتِ والا صفات ہے۔ اس کلام کی جامعیت کا کیا کہنا کہ چند لفظوں میں پوری حیات طیبہ کو بیان کردیا ہے۔ یعنی حضور ولایت مآبؑ جونپور میں پیدا ہوئے گجرات میں دعویٰ مہدیت فرمایا اور آپ کا وصال فرہ میں ہوا۔ اس بیان سے ان تینوں مقامات کی اہمیت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ نے امام آخر الزماںؑ کو جونپور میں پیدا کیا اظہار دعویٰ مہدیت کے لئے سرزمین گجرات کا انتخاب کیا اور حضرت مہدی موعودؑ کی آخری آرام گاہ فرہ کو مقرر کیا۔

نقل ہذا کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت امامؑ نے اپنے آپ کو ''عشق'' سے تعبیر کیا ہے۔ اور خود حضرت خاتم الولایت علیہ السلام نے عشق کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے کہ ''بار امانت ذات حق تعالیٰ کا عشق تھا۔ ہر ایک نے بقدر اپنے حوصلہ کے اس بار کو اٹھایا اور دیدار خدا کا شرف پایا۔ لیکن اس بار کو جیسا کہ چاہئے ان ہی دو تن نے اٹھایا۔ ایک خاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم دوم خاتم الولیؑ۔ (صفحہ ۴۳۲ شواہد الولایت) اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ ''**عشق عطائی خاصۂ انبیاء است مومنان را عشق کسی**

است'' (شواہد الولایت صفحہ ۴۳۴) یعنی عشق کا (بغیر ریاضت) خدا تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونا' انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے اور مومنوں کے لئے محنت ومشقت سے عشق خدا' حاصل کرنا ضروری ہے اور چونکہ حضرت امام مہدیؑ بھی خلیفۃ اللہ ہیں اس لئے انبیاءؑ کی طرح آپؑ کو بھی بلا مشقت وریاضت محض فضل الٰہی سے عشق حاصل ہوا یہ عطا حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق الٰہی کے ہم پلہ تھی۔ کیونکہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا ظاہر رسالت ونبوت ہے اور باطن ولایت اور اسی ولایت کا مظہر حضرت امام مہدی موعودؑ تھے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ عشق کی امانت صرف دوتن نے کما حقہ اٹھائی ہے۔

حق تعالیٰ کا یہ عشق عطائی حضرت بندگی میراںؑ کی ذات والاصفات میں اس قدر رچا بسا تھا کہ آپؑ عشق کا سراپا تھے اور اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ عشق جونپور سے اٹھا اس سے جونپور کا سرزمین کا شرف بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں اس سرزمین کو چن لیا کہ یہاں خاتم ولایتؑ کی پیدائش ہو۔ اس لئے جب وقت موعودؑ آیا یعنی ۸۴۷ھ اس وقت حضور مہدی موعود پیدا ہوئے۔ جب آپ بارہ سال کے ہو چکے تو حضرت خضر علیہ السلام نے امانت نبوی پہنچادی اور قاسم بہرہ ولایت قرار پائے پھر اسی سر زمین پر آپؑ نے وعظ وتلقین کے ابواب کا افتتاح کیا۔ کلام الٰہی کے بیان اور فیضان ولایت محمدیہ سے اہل جون پور کو بہرہ ور کرنے لگے۔ اسی طرح یہ سرزمین بھی باراں ولایت محمدی سے حسب مشیت الٰہی سیراب ہوئی۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''مہر ولایت'' ماہ مئی ۱۹۸۴ء)

تصدیق اور بینائی

نقل: ''**تصدیق بندہ بینائی خدا است**'' (حاشیہ) ترجمہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ بندہ کی تصدیق خدا کا دیدار ہے۔

شرح: اولاً اس ارشاد مبارک کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص مہدیؑ کی تصدیق کرے یعنی آپ کو مہدی موعودؑ خلیفۃ اللہ اور اہل ایمان کے لئے اولی الامر مانے' اور آپ کے بیان کردہ احکام پر سچے دل سے عمل کرتا رہے تو اس کو خدا کا دیدار نصیب ہوگا۔ یہ دیدار بحالتِ خواب' یا جاگتے ہوئے' بہ چشم قلب' یا بچشم سر ہوگا۔ یعنی اُسے اپنے وجود میں تجلیٔ ربانی کی یافت ہوگی۔ غرض یہ ساری نعمت آپؑ کی تصدیق کی بدولت ہوگی لیکن تصدیق اور دیدار کا مسئلہ اس لئے ہے کہ آپؑ نے بحکم خدا تعالیٰ اس آیتِ قرآنی کو اپنے حق میں ظاہر فرمایا:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

ترجمہ: اے محمد آپ کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت (دیدار) پر میں اور وہ جو میرا تابع (تام) ہے'' (سورہ یوسف) یعنی جس طرح حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ بصیرت پر مامور تھے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مہدی علیہ السلام کو بھی اسی دعوت پر مامور کیا تھا۔ پس مہدی کو مہدی ماننے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ آپؑ کی دعوت کو قبول

کرے اور اس کے حکم پر بھی عمل کرے۔اس طرح تصدیق کا لازمی نتیجہ دیدار ہوگا۔ثانیاً اس نقل مبارک کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ جس کو خدا کی بینائی حاصل ہوگی وہی آپ کی حقیقی تصدیق کر سکے گا۔یہ اس لئے کہ ذات حضرت بندگی میراںؑ خاتم الولایت محمدیہ ہے۔اور یہاں ختم سے مراد ظہور ہے پس آپ مُظہَر اور مُظہِر ولایت محمدیہ قرار پائے۔ولایت محمدیہ کی تفہیم میں حضرت بندگی میاں ولی یوسفؓ نے لکھا ہے'' **الولایة المحمدیة التی عبرت بقوله علیه السلام ." انا من نور الله و المومنون من نوری** '' یعنی ولایت محمدیہ کی تعبیر فرمان رسول علیہ السلام میں یہ ہے'' میں خدا کے نور سے ہوں اور مومنین میرے نور سے ہیں'' یعنی ولایت محمدیہ خدا کا نور ہے۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات نماز تہجد سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا'' **اللھم اجعل لی نورا فی قلبی** ......الخ۔ترجمہ: اے اللہ میرے دل میں نور پیدا فرما' میری قبر کو نورانی کردے اور منور کردے میرے آگے اور میرے پیچھے' میرے داہنے میرے بائیں' میرے اوپر اور میرے نیچے کو (میرے ہر طرف تیرا نور ہی نور رہو) اے اللہ میری سماعت اور بصارت میں نور پیدا فرما۔میرے بال میرے روئیں روئیں میرے گوشت پوست اور میری رگوں میں دوڑنے والے میرے خون میں میری ہڈیوں میں۔اے اللہ میرے نور کو بڑھا اور مجھے نور عطا فرما اور مجھے نورانی بنادے'' (ترمذی) آنحضرت صلعم کی یہ دعا اُمت کو ایک تعلیم ہے کہ وہ تہجد کی نماز کے بعد نور الٰہی (ولایت) کے حاصل ہونے کے لئے دعا کریں۔حضرت مہدی علیہ السلام کا بھی ارشاد ہے کہ'' ولایت کا فیض چاہتے ہو تو تہجد پڑھا کرو'' مختصر یہ کہ جو شخص حضرت مہدیؑ کے احکام ولایت پر عمل کرکے صاحب دیدار ہوجائے یعنی وہ نور خدا کو دیکھنے کے قابل ہوجائے تب ہی حضرت خاتم الولایت کی حقیقت کا عرفان حاصل کر سکے گا۔اور یہ تصدیق کر سکے گا مہدی موعودؑ ہی مظہر ولایتِ محمدیہ ہیں۔پس دیدار خدا کے بعد حقیقی تصدیق ہوتی ہے نقل بالا کا یہ بھی ایک مفہوم ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔فقط

(مطبوعہ'' مہر ولایت جون ۱۹۸۴ء)

بندہ کون ہے......

نقل است کہ امام الکائنات حضرت میراں سید محمد جونپوری مہدی موعود علیہ السلام فرمودند کہ'' **بندہ چہ کند وبکدام وقت بہ شما گفتہ بود کہ حکم بندہ بر حکم خدائے تعالیٰ جالیست** '' ترجمہ: یعنی فرمایا حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے کہ بندہ کیا کرے اور کس وقت تم سے کہا تھا کہ بندہ کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹال سکتا ہے۔

حضرت مہدی موعود علیہ السلام کا فرمان مذکور الصدر کس وقت اور کس موقع پر صادر ہوا تھا اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب مہدی علیہ السلام حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو آپ کے ساتھ بندگی میاں سید سلام اللہؓ اور کئی

صحابہ تھے۔ایک خاص واقعہ پیش آیا وہ یہ کہ اچانک سمندر میں طوفان آ گیا اور قریب تھا کہ جہاز غرق ہو جائے۔صحابہ نے حضرتؑ سے عرض کیا کہ میرانجی ملا زمین والا بہ حکم خداوند علاّم کعبۃ اللہ کی جانب جا رہے ہیں اور جو شخص کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کرتا ہے تو ہلاک نہ ہوگا و نیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے گھر کو جا رہے ہیں اور ایسے موقع پر جو طوفان آ چکا ہے ہمیں امید ہے کہ ہم ہلاک تو نہ ہوں گے۔

حضرت مہدی علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا ''صبر کرو بندہ کون ہے'' پھر طوفان میں شدت پیدا ہوگئی تو اہل جہاز کی بے چینی و بے قراری بڑھ گئی اس بناء پر بندگی میاں سید سلام اللہؓ نے حضرتؑ سے عرض کیا کہ ''میراں جی اس وقت جہاز کے غرق ہونے میں کچھ باقی نہیں رہا'' حضرتؑ نے فرمایا ''خاموش رہو بندہ کون ہے'' اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ جہاز کے چلانے والے نہیں جہاز کو بچانے والے نہیں پھر حضرت کو بار بار کہا جانے لگا کہ اب جہاز غرق ہونے کے قریب ہے۔تو آپؑ نے ایک قسم کی بے تعلقی کا اظہار فرمایا۔تب بندگی میاں سید سلام اللہؓ نے کمال اضطراب سے کہا کہ اب جہاز کے غرق ہونے میں کچھ باقی نہیں رہا۔اس موقع پر میراںؑ نے فرمایا کہ ''بندہ کیا کرے اور بندے نے کس وقت کہا تھا کہ بندہ کا حکم خدا کے حکم کو ٹال دے گا''

ہم معمولی اولیاء اللہ کے تعلق سے سنتے ہیں کہ اُن سے ایسی ایسی کرامتیں ظاہر ہوئیں لیکن مہدی موعودؑ چونکہ رسول اللہؐ کے قدم بہ قدم چلتے ہیں۔اس لئے آپ نے کبھی اس بات کی کوشش نہیں فرمائی یا موقع نہ دیا کہ فرمائش پر کسی معجزہ کا اظہار کیا جائے۔اس کے برخلاف آپؑ نے اس بات کی تعلیم دی کہ ''بندہ نے کس وقت کہا تھا کہ بندہ کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم پر جاری ہوسکتا ہے'' اس واسطے کہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے کوئی بندہ اپنے مراتب کے اعتبار سے کتنا ہی عالی شان کیوں نہ ہو وہ حکم الٰہی پر غالب نہیں آ سکتا۔ چنانچہ آپ نے اظہار کیا کہ بندہ کے لئے بندگی ہی سب سے بڑا مقام ہے۔اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا ہی بندگی کی علامت ہے۔مہدیؑ اس بات کا اظہار فرما رہے ہیں کہ میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹال سکتا ہوں۔

بندگی میاں سید سلام اللہؓ نے عرض کیا کہ ''حضور یہ تو فرمایئے کہ کیا آپ کے ہاتھ میں اللہ کے خزانے کی کنجیاں نہیں ہیں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''یہ سچ ہے کہ خزانے کے مالک نے بندہ کے ہاتھ میں کنجیاں تو دی ہیں۔سارا خزانہ بندہ کے ہاتھ میں ہے لیکن جب تک مالک کا حکم نہ ہو خزانہ کا قفل ہم کھول نہیں سکتے'' یعنی آپؐ نے صاف طور پر فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر بندہ کچھ نہیں کرسکتا۔اس بات کا اظہار قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ ''وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس شفاعت کرسکے'' یہ اس لئے فرمایا گیا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے پاس شفاعت نہیں کرسکتا۔ہاں جس کو اللہ تعالیٰ اجازت مرحمت فرمائیں کہ تم ان کی شفاعت ہمارے سامنے کرسکتے ہو اور جب وہ شفاعت کرے تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کو قبول فرماتا ہے۔غرض جب پریشانی اور بے چینی انتہا کو پہنچ گئی تو مہدیؑ مسکراتے ہوئے اٹھے اور جہاز کے کنارے آ کر اپنے ہاتھ سے تمام سمندر کو اشارہ فرمایا اور اس کے ساتھ ہی طوفان ٹھہر گیا۔اس طرح مہدی علیہ السلام کا معجزہ ہم کو نظر آتا ہے۔ (مطبوعہ ماہنامہ ''مہر ولایت'' جولائی ۱۹۸۴ء)

صفائی قلب

نقل: فرمودند کہ ملک گوھر بندہ را خدائی تعالیٰ برائی پاک کردن دل فرستادہ است ھیچ قرار و آرام مگیرید (مطلع الولایت صفحہ ۱۱۱)

ترجمہ: فرمایا کہ ملک گوہرؓ خدائے تعالیٰ نے دل کو پاک کرنے کے لئے بندہ کو بھیجا ہے کچھ قرار اور آرام مت لو۔

اس نقل شریف کی شان نزول یہ ہے کہ ۱۹/ذیقعدہ ۹۱۰ ہجری جمعرات کے دن صبح کے وقت حضرت مہدی موعود علیہ السلام اپنے اصحاب کو وصیتیں فرمارہے تھے۔ اصحاب عظامؓ آپؑ کے اطراف سر جھکائے اُن ارشادات کو سن رہے تھے جو امام آخرالزماںؑ بحکم الٰہی صادر فرمارہے تھے۔ جب آپؑ کی نظر حضرت ملک گوہرؓ پر پڑی تو بطور خاص انہیں مخاطب کر کے مندرجہ بالا ارشاد سنایا۔ حضرت ملک گوہرؓ کو دل کی صفائی کی طرف اس لئے متوجہ کیا کہ وہ اپنی ساری توجہات اکسیر کے شوق میں صرف کر چکے تھے۔ لیکن حضرت بندگی میراںؑ کی تنبیہ کی وجہ سے اکسیر کو باؤلی میں پھینک کر اعتقاد صادق کے ساتھ صحبت اقدس میں حاضر رہتے تھے۔ لیکن حضرت ملک گوہرؓ کو طویل عرصہ تک مشرف ہونے کا موقعہ نہ ملا تھا اس پر حضرت امام علیہ السلام نے اپنے آخری وقت ایسی نصیحت فرمائی جو نہایت درجہ بلیغ ہے۔

اس ارشاد فیض بنیاد میں عمومیت اور خصوصیت دونوں خوبیاں موجود ہیں۔ اگر اس ارشاد کا مصداق حضرت امام الزماں علیہ السلام کی ذات والا صفات کو قرار دیا جائے تو اس نقل شریف سے آپ کی بعثت کا مقصد ظاہر ہوتا ہے لیکن اگر اس کو عمومیت پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنے دل کو آلودگی نفس سے پاک وصاف کرے کیونکہ اسی میں اس کے لئے نجات ہے اور جب تک یہ تزکیہ حاصل نہ ہو چین سے نہ بیٹھے۔

انسان کا جسد چار عناصر پر بنایا گیا ہے۔ آتش، باد، آب اور خاک۔ پھر اس جسد میں روح کو داخل کیا گیا۔ خاک نے گوشت پوست، ہڈیوں، دل، گردہ، جگر، اعصاب اور پانی کی شکل میں روح کو گھیر لیا۔ لعاب دہن، آب بینی، پسینہ، آنسو وغیرہ کی صورت میں پانی پورے جسد میں جاری ہو گیا۔ خون، موٹاپا، سوجن، لرزہ اور چھینک کی حرکتوں میں پس پردہ ہوا کی موجودگی ہے۔ بھوک، پیاس، ہضم اور میں پن آگ کی وجہ سے جسد میں پائے جاتے ہیں۔ یہی عناصر اربعہ صفات کی شکل میں ظاہر ہونے لگے۔ جیسے آتش کی وجہ سے گھبراہٹ، بے قراری، اضطراب، غصہ، شوخی اور بے حیائی پیدا ہوئی۔ اور باد کی وجہ سے اضطراب، انگڑائی، غنودگی، سرعت، غضب اور عقل مندی ظاہر ہوتی ہے۔ اور آب نفس انسانی میں کند ذہنی، گہری نیند، نسیان، ضعف بدن کا استرخاء، خیالات کا نقص اور بردباری پیدا کرتا ہے۔ خاک کی زیادتی سے خوف، ظلمت پسندی، بدخلقی، کینہ پروری، ترش روئی، وسوسہ، نیند کی کمی، عزلت پسندی ظاہر ہوتے ہیں۔ عروج

روح انسانی زندان میں گرفتار ہوکر اور جسم کی صحبت اختیار کر کے مادیت سے مغلوب ہو جاتی ہے۔لیکن نجات اس میں ہے کہ(روح ونفس) کوصفات عناصر سے پاک وصاف کیا جائے۔اسی میں فلاح وکامیابی ہے۔جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایاہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (سورہ الشّمس آیت ۹) ''جس نے اس کو(روح،نفس) کو پاک وصاف کرلیا کامیاب ہوگیا۔''اس بات کوحدیث شریف میں'' **مجاهدة العبد هواه** ''یعنی بندے کا اپنے نفس سے جہاد کرنا جہاد اکبر قرار دیا گیا ہے۔اورحضرت مہدیؑ نے دل کوصفات ذمیمہ سے پاک کرناہی انسان کی پیدائش کا مقصد قرار دیا ہے۔غرض یہ نقل شریف بلاغت معنوی کے اعتبار سے کوزے میں دریا کے مصداق ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ''مہرولایت'' بابتہ اگسٹ۱۹۸۴ء)

ہِیارانِتی پکھران تُو

یہ وہی مشہور ہندی نقل ہے جو کتابوں میں فارسی رسم الخط میں ''ہیرانتُ پگھال تو'' کے الفاظ میں درج ہے لیکن موجودہ الفاظ پرغورکرتے ہیں تو وہ معانی حاصل نہیں ہوتے جو اس شعر کے ساتھ درج کرادئے جاتے ہیں۔اس لئے مجھے ایک زمانے سے ان الفاظ کی تصحیح کی کھوج لگی ہوئی تھی۔الحمدﷲ مختلف کتابوں کی چھان بین کے بعد صحیح الفاظ کا پتہ چل گیا' جو وہی معنے دیتے ہیں جنہیں بزرگان مہدویہ نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔چونکہ اصل نقل ہندی زبان میں ہے اس لئے پہلے اُسے ہندی رسم الخط میں درج کیا جارہا ہے۔ہندی متن

हियरा निति पखरान तू कप्पर घोए मधोए
ओझल होए न छूट से इस निद्रा मसोए

ہیارانتی پکھران تو کپڑ دھوئے مدھوئے
اُوجھل ہوئے نہ چھوٹ سے اس نِدرا مَسوئے

لفظی ترجمہ: ہیارا **हियरा** ہیارا: دل' قلب **निति** نِتی: ہرروز **पखराना-पखरान** پکھران۔پکھرانا: صاف کرنا **तू** تو: ضمیرواحد مخاطب **कप्पर** کپّر: کپڑا' لباس **घोए** دھوئے: دھونا' صاف کرنا **मधोए** مدھوئے: صاف نہ کرے (یہ اصل میں **मतधोए** مت دھوئے ہے) شعری اغراض کے لئے ت گرگیا اور مدھوئے منفی معنی دینے لگا) **ओझल** اوجھل: پردٗہ حجاب' آڑ' رکاوٹ۔ **छूट** چھوٹ: چھٹکارا' نجات **निद्रा** ندرا: نیند' غفلت **मसोए** مسوئے' مت سوے۔اس مبارک نقل کی شان نزول کے سلسلہ میں جنت الولایت میں مرقوم ہے کہ شہر بیدر کے قاضی علاء الدین تھے' جب مہدی علیہ السلام وہاں پہنچے تو بہت سے لوگ حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے قاضی صاحب جلد حاضر نہ ہوئے کپڑے دھونے میں انہیں دیر ہوگئی۔وہ کپڑے دھوکر پہن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔حضرت مہدیؑ

نے اس وقت (مذکورہ) دوہا ارشاد فرمایا۔ جب قاضی صاحب نے یہ دوہا سنا تو اپنی قضاءت چھوڑ دی اور حضرتؑ کے ہمراہ ہو گئے۔

کتاب مذکور میں دوہے کا ترجمہ اس طرح درج ہے ''اپنے دل کو دھولے تو کپڑوں کو دھو یا نہ دھو۔کل کے دن نجات نہوا ایسی نیند نہ سو''

شواہدالولایت میں حسب ذیل تشریح درج ہے۔ ہیرا دل کو کہتے ہیں۔ پکھال کے معنی ہیں پاک کرنا۔اور کپڑ کپڑے دھونے اور مدھوئے کے معنی ہیں دُھویا نہ دھو۔ اُوجل سفید کو کہتے ہیں۔ نچھوٹسی' نجات کو کہتے ہیں اور نیدرا کا معنی ہے نیند۔اور مسوئے یعنی مت سو۔حاصل معنی یہ ہے کہ دل کو پاک کر کپڑوں کو دھویا نہ دھو۔ کیونکہ کپڑوں کے سفید ہونے ہی میں نجات نہیں ہے۔اس خواب غفلت میں مت رہ۔(دوہے کا ترجمہ) دل کو اپنے پاک کر کپڑوں کو دھویا نہ دھوٴ نجات اپنی کھو بیٹھے ایسی نیند نہ سو۔

تشریح مزید یہ ہے:**دل خود را از غیر حق پاک ساز۔ و جامه را شُوی یا نشُوی دید انی که سفیدئ جامه موجب رهائی نیست ' رهائی در ان است که خوابِ غفلت را بگزاری وخیالِ غیریت رادر دل نیاری** (ازمیاں سید محمودؒ بن میاں سید عیسیٰؒ)

ترجمہ:اپنے دل کو غیر حق سے پاک کر۔ کپڑے چاہے دھو یا نہ دھو۔اور جان لے کہ کپڑوں کی سفیدی رہائی کا سبب نہیں ہے رہائی تو اس بات میں ہے کہ خواب غفلت کو چھوڑ دے اور غیریت کا خیال دل میں نہ لائے۔

ہماری ابتدائی لفظی تشریح کے مطابق یہ ہوگا کہ ہر روز اپنے دل کو (غیر حق کے خیال سے) پاک کرتا رہ (یہی تزکیہ نفس ہے) اس کام میں مشغولیت کے سبب کپڑے دھونے کا موقعہ ملے یا نہ ملے اس کی پرواہ نہ کر۔اپنی نجات سے غفلت پیدا کرنے والی نیند مت سو۔

لیکن مطلع الولایت میں روایت ہے کہ اپنی رحلت کے قریب حضرت مہدی علیہ السلام نے ملک گوہرؓ کی طرف متوجہ ہو کر مذکورہ دوہا پڑھا اور پھر فرمایا کہ **ملک گوهر بنده را خدائے تعالیٰ برائی پاک کردن دل فرستاده است هیچ قرار و آرام مگیرید** ۔یعنی اے ملک گوہر خدائے تعالیٰ نے دل کو پاک کرنے کے لئے بندہ کو بھیجا ہے کچھ قرار اور آرام مت لو۔اس نقل اور تشریح سے دوہے کا مطلب مکمل طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ مذکورہ دوہے میں نیند کا مطلب قرار اور آرام ہے۔ ونیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بندہ کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے قلب سے غیر حق کے خیال کو دور کر دے۔اور حق کے غیر میں سب سے بڑا خود بندہ ہے۔ پس بندے اپنے مَیں پن کو دور کر دے تو اس کی تخلیق کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔نقل ہذا میں کیسی بلاغت ہے کہ اسے خود حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی بعثت سے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے۔لیکن راست تشریح کے اعتبار سے ہر بندے کی تخلیق کے متعلق اس نقل کی نصیحت نہایت درست ہے۔

نقل مذکورہ کے اصل الفاظ قدرے تبدیل ہو گئے ہیں۔(اگرچہ یہ تبدیلی لازمی ہے لیکن موجودہ تبدیلی کے لحاظ سے معنی تک بدل جاتے ہیں۔اس لئے اصل کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے) مثلاً پکھران' پہلے پکھرآل بن گیا پھر پکھال۔ یہ آخری صورت ایسی

ہے کہ لفظ معنی بدل کر مشک کے ہوجاتے ہیں۔ (پانی بھرنے کی مشک) اُوجھل کا لفظ اپنے ہندی املا اور معنی کے لحاظ سے صحیح ہے۔ اُوجل اپنے املا اور معنی کے لحاظ سے قابل صحت ہے۔ چنانچہ اصل لفظ उज्जवल اُجّوَل ہے جس کے معنی سفید کے بھی آتے ہیں۔ اس کی ایک صورت उज्वल اُجول اور उज्जल اُجّل بھی ہے معنی وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں۔ فارسی رسم الخط میں ہندی الفاظ لکھنے میں ایسا تغیر واقع ہوا ہے۔ لیکن نچھوٹسی کوئی ہندی لفظ نہیں ہے تاہم اس کا مطلب جو درج ہوا ہے' درست ہے۔ یہ صورت اس لئے پیدا ہوئی کہ قلمی کتابوں کے نسخوں میں اختلاف ہے وہ درج نہیں کیا گیا ہے۔ اسی لئے تحقیق کرنے والوں کو دقت ہوتی ہے۔ لیکن مصحح صورت میں الفاظ و معنی بالکل مطابق واقع ہوتے ہیں۔ فقط

(مطبوعہ ماہنامہ ''مہر ولایت'' سپٹمبر ۱۹۸۴ء)

رسم' عادت اور بدعت

نقل: فرمودند'' بنده را حق تعالیٰ بر خلق فرستاد و اعلام کرد که تمام عالم که دعوئ دین اسلام می کند برسم و عادت وبدعت مشغول شده است وحقیقت و مقصود دین اسلام در ایشاں نمانده است مگر در مجذوباں'' (باب اول نقلیات حضرت بندگی میاں عبدالرشیدؒ)

ترجمہ: حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے بندے کو خلق پر بھیجا ہے اور آگاہ کیا ہے کہ تمام عالم جو دین اسلام کا دعویٰ کرتا ہے رسم' عادت اور بدعت میں مشغول ہے ان میں دین اسلام کی حقیقت اور مقصود نہیں رہا ہے مگر مجذوبوں میں۔

یہ نقل اس زمانہ کی ہے جب کہ حق تعالیٰ نے حضرت سید محمد جونپوری کو مخلوق کی ہدایت کے لئے مامور کیا اور آگاہ کردیا کہ اس زمانہ کے مسلمان رسم' عادت اور بدعت میں مشغول ہونے کے باعث دین کے باطن اور مقصود کو کھو چکے ہیں۔ صرف مجذوبوں میں دین کی حقیقت باقی رہ گئی ہے۔

نقل مندرجہ بالا سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) حضرت بندگی میرانؑ کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے خود ہدایت خلق پر مامور فرمایا۔ یعنی حضرت بندگی میرانؑ نے عام مصلحین کی طرح اپنے طور پر کارِ ہدایت کو شروع نہیں فرمایا اور اس میں آپ کی خواہش نفس کو کوئی دخل نہیں بلکہ آپ کی بعثت دیگر خلفاء اللہ کی طرح جناب حق کی طرف سے ہوئی ہے۔

(۲) یہ ماموریت خلق (مخلوق) کی ہدایت کے لئے ہوئی ہے یہاں خلق سے مراد مسلمانانِ عالم ہیں جیسا کہ خود نقل شریف میں وضاحت کردی گئی ہے۔ اس توضیح کو حضرت بندگی میاں ملک الہدادؓ نے اپنے الفاظ میں اس طرح ظاہر فرمایا۔

حق تعالیٰ مهدی را مخصوص به کلمه گویاں فرستاده است و مشرکان در حکم تعمیم اند"(مکتوب مرغوب)

ترجمہ: حق تعالیٰ نے حضرت مہدیؑ کوکلمہ گو یوں پر بھیجا ہےاور مشرکین عام حکم میں داخل ہیں۔

(۳) بوقت بعثت حق تعالیٰ نے حضرت مہدیؑ کو آگاہ بھی کر دیا کہ جس قوم کی طرف آپ مبعوث کئے جا رہے ہیں دین کی پیروی میں ان لوگوں کی کیا حالت ہے؟ اپنے خلفاء کو بوقت بعثت اس طرح امت دعوت کی حالت سے آگاہ کر دینا سنۃ اللہ رہی ہے۔ چنانچہ جب حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوفرعون کی طرف روانہ کیا تو فرمایا کہ

اذهب الى فرعون انه طغیٰ (سورہ طٰہٰ) "فرعون کی طرف جا کہ وہ حد سے نکل گیا ہے"

(۴) مسلمانانِ عالم رسم وعادت و بدعت میں مبتلا ہو چکے تھے یہ تینوں امور دین کے حق میں مضرت رساں ہیں بالخصوص ان پر عمل پیرائی سے دین کا باطن مفقود ہو جاتا ہے۔

(۵) دین کا مقصود جذب الی الحق ہے۔ رسم پرستی اور بدعتیں اس مقصود کے حصول میں رکاوٹ بنتی ہیں۔

(۶) حضرت مہدی کی بعثت کے موقعہ پر مقصود دین صرف مجذوبوں میں رہ گیا تھا کیونکہ وہ دنیا سے بے تعلق ہوکر مشغول ومتوجہ الی الحق رہتے تھے۔

حدیث قدسی کی طرح یہ فرمان مہدی بھی نقل قدسی ہے کیونکہ اس میں حضرت بندگی میراںؑ نے ارشاد حق کی حکایت کی ہے یعنی احکام شریعت کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان واصل بالحق ہو جائے کہ مقصودِ دین یہی ہے۔ اگر شریعت پر عمل پیرائی کے باوجود یہ مقصود حاصل نہ ہو تو وہ شخص باطن مذہب سے بے بہرہ رہ جاتا ہے۔ مثلاً عبادات اسلامیہ میں روزہ ماہ رمضان بھی ارکان اسلام میں سے ہے اس عبادت کی غرض وغایت کے سلسلہ میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلهم لعلکم تتقون "تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم متقی بنو"

حج کے سلسلہ میں جو قربانی دی جاتی ہے اس کے بارے میں ارشاد حق تعالیٰ ہوتا ہے کہ **لن ینال الله لحو مها و لا دماء ها ولکن یناله التقویٰ منکم** ترجمہ: خدا تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ احکام وعبادات شریعت ایک ذریعہ ہیں حصول مقصود کا اور وہ مقصود ایک ہی ہے یعنی تقویٰ۔ تقویٰ دراصل حقوق اللہ کی حفاظت ہے اور تقویٰ ان امور سے بچنا اور باز رہنا بھی ہے جن پر عمل کرنے سے حقوق اللہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ مومن پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا حق یہی ہے کہ مومن ذات حق کے مقابل اپنے آپ کو فنا کر دے اور اپنے آپ کو بالکلیہ حق تعالیٰ کے مقابل تفویض کر دے جب کہ قرآن شریف میں ارشاد ہوا ہے۔

قل ان صلاتی ونسکی و محیای ومماتی لله رب العالمین (سورہ انعام)

ترجمہ: کہو بے شک میری نماز و میری عبادت اور میری زندگی اور موت یہ سب اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔

پس انسان کی دنیاوی زندگی اور اعمال دینی و دنیاوی سب کے سب رضائے حق کے حصول کے لئے ہیں اور ان سب کا مقصد باری تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے لیکن رسم پرستی عادت پر عمل پیرائی اور بدعتوں کا ارتکاب مقصود دینی کو فراموش کرا دیتا ہے اور جذب الی الحق کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے۔

واضح ہو کہ دین دو پہلوؤں پر مشتمل ہے ظاہری اور باطنی۔ ظاہر دین عبادات و معاملات سے متعلق ہے اور باطن دین قرب الٰہی سے عبارت ہے۔ اسی طرح رسم، عادت اور بدعت بھی ظاہری اور باطنی امور سے متعلق ہیں۔

ظاہر دین سے متعلق جو رسوم اور بدعات عہدِ وسطیٰ کے ہندی مسلمانوں میں پیدا ہوئی وہ حسب ذیل ہیں۔ (چونکہ حضرت مہدی علیہ السلام دافعِ بدعت کی حیثیت سے ہندوستان میں مبعوث ہوئے اس لئے یہاں ہندوستانی مسلمانوں کی بدعات اور رسوم کا تذکرہ کیا جا رہا ہے) رسم منگنی، منجا بٹھانا، سانچق، برات، چوتھی، چالے (جمعگی) بعد ولادت چھٹی، چھلّہ، سالگرہ، میت کے سلسلہ میں فاتحہ سوم (تیجا) دسواں، بیسواں، چالیسواں، عرفہ کی فاتحہ وغیرہ۔

باطن دین یعنی طریقت میں بھی اہل طریقت نے چند رسوم عادات اور بدعات اختیار کرلی ہیں۔ مثلاً رسم تبدیلیٔ نام، طالب برائے ادخال در سلسلہ، حلقِ شعر، خدمت کفش برداری، وظائف اور نوافل کا اہتمام، تسبیح پر وظیفہ پڑھنا، نقش و تعویذ، جھاڑ پھونک، نذرانۂ تعویذ، فال دیکھنا قرآن سے یا دیوان حافظ سے، تحصیل تبرک از نعلین وغیرہ۔ تبرک فی الکفن، کتبہ بر قبور مشائخ۔

عادات مشائخ مثلاً تکلم بہ رموز، صوف پہننا، یا پورا رنگین لباس پہننا، خلوت و چلہ کشی، ترک نکاح، دروازہ پر چوکیدار مقرر کرنا، توریہ درخوف و فتنہ، بے تحاشہ قرض لینا، ترک حیوانات، سماع، ذکر در حلقہ، تبرک تقسیم کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اہل طریقت کے رسوم و عادات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ رسوم چند افعال ہیں جو غیر ضروری طور پر اختیار کئے گئے ہیں اسی طرح عادات بھی چند افعال اختیاری ہیں جو فطرت میں رچ بس گئے ہیں۔

بدعت کے لغوی معنی نئی بات نکالنا ہے اور اصطلاحاً دین میں نئی بات نکالنا۔ پس جب بدعتیں طبیعتوں میں بس جاتی ہیں تو وہ عادت بن جاتی ہیں۔ اور عادات قوم میں پھیلتی اور ہر ایک ان پر پابندی سے عمل کرنے لگتا ہے تو وہ رسوم کہلاتی ہیں۔ غرض بدعت (نئی بات نکالنے) سے آغاز ہوتا ہے پھر بدعتیں عادتوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور قومی عادت بن کر رسم کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ اور جب رسم قائم ہو جاتی ہے تو اُسے معاشرتی قانون کا مرتبہ مل جاتا ہے۔ اور یہ قانون وہ ہوتا ہے کہ اس کی خلاف ورزی کا خیال تک نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ عمل نہ کرنے والے کو معاشرہ حقارت سے دیکھ کر کبھی تو اخراج کی سزا دیتا ہے حالانکہ یہ رسوم افراد کی ایجاد ہیں۔ خدا اور رسول کے احکام سے نہیں ہیں۔

نئی باتوں کو نکالنے والوں نے ''بدعت حسنہ'' کی اصطلاح بھی ایجاد کی جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ ان کی بدعت دین محمدی

میں اضافہ ضرور ہے لیکن یہ اضافہ ایک پسندیدہ اور مستحسن امر ہے حالانکہ ہر نئی بات بدعت ہے۔ حسنہ اور سیئہ کی تفریق ایک غیر ضروری امر ہے۔ چنانچہ مولود بندگی شاہ عبدالرحمٰنؒ میں مرقوم ہے کہ

"حامی دین وسنت ' ماحی جمیع رسم وعادت وبدعت ' نه هم چو بعضے اولیاء که در حسنه وسیئه تمیز کردند۔ بلکه حضرت میراں علیه السلام فرمودند و هیچ حسنه باری تعالیٰ از محبوب خود پوشیده نه داشت' آں کدام حسنه باشد که رسول خدا نه کرده باشد" (صفحہ نمبر ۱۳)

ترجمہ: حضرت مہدی موعود علیہ السلام دین خدا اور سنت رسول اللہ کی حمایت فرمانے اور تمام رسوم عادات اور بدعات کو مٹانے بعض اولیاء کی طرح کہ جنھوں نے بدعتِ حسنہ وسیئہ میں تفریق کی ہے۔ بلکہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی حسنہ حق تعالیٰ نے اپنے محبوب (محمد مصطفیٰ صلعم) سے پوشیدہ نہ رکھا۔ وہ کونسا حسنہ ہے کہ جس کو رسول خدا صلعم نے نہ کیا ہو''؟

حسنہ کے معنی نیکی اور بھلائی کے ہیں اور حضرت افضل الانبیاء ﷺ سے بڑھ کر ایسا کونسا فرد ہوا ہے جو نیکیوں کے کرنے میں سبقت کرے سوائے آنحضرتؐ کے تابع تام کے۔ پس یہ کہنا کہ ہم نے دین میں ایک نئی نیکی ایجاد کی ہے جو دین میں پہلے نہ تھی۔ عذر گناہ کے طور پر ہے۔ حضرت خاتم ولایت محمدیؑ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے تمام حسنات اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ پر ظاہر کردئے۔ اور سنت رسول اللہؐ بھی خود حسنات وخیرات پر مشتمل ہے۔

مشائخ طریقت کے رسوم میں خدمت کفش برداری بھی شامل ہے عملی طور پر حضرت مہدی علیہ السلام نے اس رسم کی جس طرح بیخ کنی کی ہے وہ آپ کی مبارک سیرت کے اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص حضرت مہدیؑ کی جوتیاں حضرت کے سامنے رکھتا ہے تو حضرت اپنے ہاتھ سے جوتیاں لے کر دور ڈالتے اس کے بعد وہاں جا کر پہنتے اور فرماتے کہ '' مہدی جوتیاں اٹھوانے کے لئے نہیں آیا ہے مہدی کا آنا خدا تعالیٰ تک پہنچانے کے لئے ہے۔''

"مهدی کفش بردا شتانیدن نیامده است' آمدنِ مهدی رسانیدن خدارا است" (حاشیہ صفحہ ۲۱)

مشائخ کی رسم، تحصیل تبرک از نعلین کے سلسلے میں سیرت مبارک حضرت مہدیؑ کا یہ واقعہ بصیرت افروز ہے کہ پٹن گجرات کے ملک برخوردار عرف ملک بخن کوان کے فرزند ملک داؤد نے جوتیوں کا ایک نیا جوڑا بھیجا انہوں نے دل میں یہ نیت کی کہ یہ نیا جوڑا حضرت امامؑ کی خدمت میں گذران دو۔ اور آنحضرت علیہ السلام کے نعلین مبارک لے کر اس کے چمڑے سے اپنے لئے گرم ٹوپ بنالوں تاکہ اس کفش مبارک کی برکت سے خدائے تعالیٰ مجھے نجات روزی کرے۔ یہ نیت کر کے نماز شام کے بعد برادروں کے حلقہ میں رخصت پانے کے لئے کھڑے ہوئے تھے یہ سوچ کر کہ حضرت امام کے سلام وداعی کے بعد حضور اقدس میں پیش کروں۔ تب حضرت امیر روشن ضمیرؑ نے بغیر ان کے معروضہ کے اپنے نعلین مبارک کو اپنے مبارک پاؤں کی انگلیوں میں لے کر فرمایا کہ ملک برخوردار یہ پاؤں کا ہے پاؤں ہی میں رہنے دے۔ جیسے ہی انہوں نے نیا جوتی کا جوڑا گذرانے کی نیت کی تھی پیش کر کے عرض کیا کہ میرانجیؑ اس

فقیر کے دل میں یہ بات آئی تھی کہ یہ جوڑا حضرت کے حضور میں پیش کروں اور حضرت کے کفش مبارک سے اپنے لئے گرم ٹوپ بنالوں تا کہ اس کی برکت سے خدائے تعالیٰ مجھے نجات دے۔ بنا بریں حضرت امیرؓ نے فرمایا اے ملک برخوردار یہ جوتیاں کس چیز سے بنی ہوئی ہیں۔ انہوں نے از روئے ادب خاموشی اختیار کی پھر حضرت نے فرمایا کہ اوپر بکری کا چمڑا اور نیچے گائے کا چمڑا پس اتنی مدت جو تم بندے کی صحبت میں رہے تم کو یہی معلوم ہوا کہ مہدی اس بکری اور گائے کے چمڑے سے نجات دلاتا ہے۔ سنو تو بھلا اگر بندہ محبت کا راہ سے اپنا پوست بھی تم کو پہنا دے اور جو کچھ بندہ عصر اور مغرب کے درمیان کہتا ہے تم اس پر عمل نہ کرو تو میرا خدا اس بات پر قادر ہے کہ بندے کا پوست بندے کو پہنائے گا اور تم کو عذاب دے گا۔ (شواہد الولایت صفحہ ۱۴۵)

مشائخ میں یہ بھی رسم جاری تھی کہ بیعت کے وقت طالب کے سر سے بال کٹوا دیتے تھے (حلق شعر) اس رسم کو بھی پابندی سے ادا کرتے تھے لیکن حضرت بندگی میراںؑ نے ارشاد فرمایا کہ

”سر مترا شبد که عروس سر محلوقه نوشه را خود نمی آید“ ترجمہ: سر مت منڈھواؤ کہ سر منڈھی دلہن نوشہ کو پسند نہیں آتی ہے۔

الغرض حضرت خاتم ولایت محمدیؑ نے ارباب طریقت کے ایجاد کردہ رسوم عادات اور بدعات کو منہدم کیا۔ جو دینی حیثیت اختیار کر گئے تھے اور وصول الی الحق میں ایک رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے جو باطنی تعلیمات ارشاد فرمائی ہیں ان کا خلاصہ اپنے الفاظ میں ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

بدعت نو پیدا چیز کو کہتے ہیں کہ جس کی سابق مثال نہ ہو۔ لیکن اصطلاحاً وجود ہستی سالک کو بہ لحاظ اپنے ظہور کے بدعت کہتے ہیں۔

وقال علیه السلام کل بدعه ضلاله و کل ضلالة فی النار (الحدیث)

ترجمہ: آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہر بدعت ضلالت (کی طرف لے جانے والی) ہے اور ہر ضلالت دوزخ میں ہے۔ تعمیل حدیث مبارک کے لئے بدعت کو ترک کرنا ضروری ہے۔ اور کیونکہ ہستی سالک بدعت ہے۔ اس لئے ہستی وجود سالک کو ترک کرنا لازم ہے۔ اسی لئے فرمان امامنا علیہ السلام ہے۔

حضرت میرانؑ ترک وجود راعمل صالح فرمودند ترجمہ: حضرت مہدی علیہ السلام نے ترک وجود کو عمل صالح فرمایا ہے۔ پس جب تک وجود باقی ہے بدعت باقی ہے۔ اور ترک وجود ہی ترک بدعت ہے۔ یعنی سالک اپنے وجود اضافی کو فراموش کر دے تو اس وقت وہ ولایت محمدی کے فیضان سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔ بدعت یا وجود اضافی کا دوسرا نام تعین وہمی ہے۔ تعین وہمی کو مٹانا ہی اصل مجاہدہ ہے۔ اسی مجاہدہ کا دوسرا نام عمل ہے اور ”باعمل مقبول“ بے عمل مردود میں اسی کی جانب اشارہ ہے۔

”رسم“ کے معنی نشان اور صورت ہیں۔ اور اصطلاحاً سالک کا وجود و پیکر رسم ہے۔ یعنی وجود اضافی کی صورت رسم کہلاتی ہے جب وجود اضافی یا تعین وہمی لائق فنا ہے تو صورت وہمی یا رسم بھی سزاوار ترک ہے۔ ترک رسم سے اطلاقیت حاصل ہوتی ہے۔

نقلست کہ حضرت میرانؑ در حقِ نفس ایں چنیں فرمودند وقتی کہ شمع احدیت بتابد ایں سیاہ روحی را باید کہ خود را با صفت پروانگی درون شمع باندازد۔ کما قال اللہ تعالیٰ یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ (انصاف نامہ صفحہ ۱۶۶)

ترجمہ: نقل ہے کہ حضرت مہدیؑ نے نفس کے حق میں اس طرح فرمایا کہ جس وقت احدیت کی شمع چمکے اس سیاہ روح کو چاہئے کہ خودکو پروانہ کی طرح شمع میں ڈال دے۔ جب کہ فرمانِ خدا ہے کہ ''اے اطمینان پانے والی روح تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

اس نقل مبارک میں یہی بات فرمائی گئی ہے کہ سالک شمع احدیت میں اپنے وجود کو جلادے فنا کردے تاکہ صورت اور وجود دونوں بھی بحر احدیت میں غرق ہوجائیں۔

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا

الغرض ترک صورت وہمی یا رسم' مجاہدہ کی ایک منزل ہے۔ وجود صورت وہمی کے محو کرنے کے سلسلے میں ذیل کی نقل مبارک کی تفہیم بھی ضروری ہے۔ وھوھذا

نقلست کہ میراں فرمودند کہ صورت بے معنی مردود و معنی بے صورت نقصان' ومعنی با صورت کامل۔ (نقلیات میاں سید عالمؓ صفحہ ۱۸)

ترجمہ اعجاز: صورت (پیکر ظاہری) باطن کے بغیر ناقابل قبول (مردود) ہے۔اور باطن پیکر (مناسب) کے بغیر ناقص ہے۔اور باطن صورت (موافق کے ساتھ مکمل ہے (کامل ہے)

نقل شریف میں دراصل تینوں حالتوں کا بیان ہوا ہے۔ پہلی وہ حالت کہ صورت کے ساتھ باطن نہ ہو یہ حالت جہل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔اس میں عدم علم اور عدم معرفت کے باعث باطن کی آراستگی کی طرف توجہ نہیں کی جاتی ہے۔ اس طرح پیکر ظاہری آراستہ باطن کے بغیر ہی رہ جاتی ہے۔اور قابل استرداد ہوجاتا ہے۔ دوسری حالت وہ کہ باطن کو سنوارنے کی کوشش ضرور کی جاتی ہے۔لیکن ظاہر کو مطابق باطن نہیں بنایا جاتا۔ اس حالت میں بھی نقصان ہے کمال نہیں ہے۔ البتہ تیسری حالت جس میں ظاہر وباطن کی مطابقت پائی جاتی ہے۔ وہ حالت کمال سے متصف ہے اور مکمل ہے۔ غرض یہ تین مختلف حالتیں ہیں جس کی طرف نقل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فنائے صورت رسم یا وجود اور بقائے وجود مع الباطن میں تضاد ہے۔ حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ بدعت اور رسم یعنی سالک کے وجود اضافی کی فنا' واجب الوجود کے مقابل ضروری اور لازمی ہے۔لیکن اس فنا سے پہلے صورت ظاہری کی بقا اس وقت تک ضروری ہے جب تک کہ وہ اخلاق حسنہ سے آراستہ نہ ہوجائے۔ اور باطن تزکیہ اور تصفیہ نہ کرلے کیونکہ سالک اسی

وقت فنافی اللہ حاصل کرتا ہے جب وہ ظاہری اور باطنی اوصاف حسنہ سے آراستہ ہوجاتا ہے۔ ورنہ فنافی اللہ محال ہے۔ اس تشریح کے بعد مذکورہ نقل میں صورت یا پیکر ظاہر سے مراد سالک کی شخصیت ہے جس نے اپنے ظاہر کو اخلاق سے آراستہ کرلیا۔ لیکن اگر وہ اسی پر اکتفا کرے اور باطن کی ترقی کی طرف توجہ نہ کرے تو ایسا ظاہر فنائیت کے لئے قابل قبول نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح علم باطن معرفت ذکر وفکر اعمال حسنہ کے بغیر ناقص ہیں اور اس نقص کے ازالہ کے بغیر فنائیت میں نقص رہ جاتا ہے۔ صرف صورت اور باطن جو یکساں طور پر ترقی یافتہ ہوں، فنافی اللہ کے لئے قابل قبول ہیں اسی کا دوسرا نام دیدار ہے۔ الغرض رسم عادت وبدعت کا ازالہ مقصد عالی فنائیت فی اللہ کے لئے ضروری ہے۔ لیکن صورت یا وجود کی بقاء عروج کے لئے لازمی ہے۔ پس نقول بالا دو مختلف امور سے متعلق اور اپنے مقام پر ثابت ہیں۔ لیکن ایک دوسرے کے خلاف اور متصادم نہیں ہیں۔

(مطبوعہ پندرہ روزہ نور ولایت یکم مئی، ۱۵ مئی یکم جون ۱۹۸۳ء تین اقساط میں)

ابتدائے ما از شدنی است

زیبِ عنوان نقل شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ابتداء ''ہوجانے'' سے ہے۔ فارسی لفظ شدنی مصدر شدن سے حاصل ہوا ہے جس کے معنی ہیں ہونا اس مصدر کے آخر میں حرف ''ی'' کے اضافہ سے لیاقت اور صلاحیت کے معنی حاصل ہوتے ہیں۔

انصاف نامہ کے گیارہویں باب میں کلمہ توحید کے بارے میں ایک نقل شریف ہے۔ '' **نقلست که حضرت میرانؑ فرمودند۔ کلمہ لا اله الا الله چهار قسم است۔ لا اله الا الله گفتنی است ' دوم لا اله الا الله دانستنی است' سوم لا اله الا الله چشیدنی است ' چهارم لا اله الا الله شدنی است''۔**

ترجمہ: نقل ہے کہ حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کی چار قسمیں ہیں اول لا الہ الا اللہ گفتنی ہے دوم لا الہ الا اللہ دانستنی ہے سوم لا الہ الا اللہ چشیدنی ہے چہارم لا الہ الا اللہ شدنی ہے۔

ایک قلمی بیاض میں نقل کی تفہیم اس طرح ہوئی ہے کہ **گفتنی سنگ در آب' دانستنی سنگ در آتش' چشیدنی شمع در آتش' شدنی نعل در آتش** ۔ یہ تفہیم بھی قابل شرح ہے۔ گفتنی کا مطلب ہے زبان سے کہنا' دانستنی جاننے کو کہتے ہیں۔ چشیدنی سے مراد چکھنا ہے اور شدنی کا مطلب ہوجانا ہے۔

گفتنی کی مثال یہ ہے کہ کوئی پتھر پانی میں ڈالا جائے تو اس صورت میں پتھر کی اوپری سطح بھیگ جائے گی اور اس کے اندرونی حصہ پر کوئی اثر نہ ہوگا چاہے یہ پتھر برسوں پانی میں داخل رہے۔ اس پتھر کا باطن کوئی اثر نہ لے گا۔ اور اگر کوئی پتھر آگ میں ڈال دیا جائے تو سرتا پا گرم ہوجائے گا اور حرارت اس میں داخل ہوجائے گی۔ اور اگر اس پتھر کو توڑ کر دیکھا جائے تو اندرونی حصہ بھی گرم محسوس

ہوگا۔ مطلب یہ کہ جہاں پتھر پانی میں کوئی اثرنہیں لیتا مقابلتاً آگ میں گر جانے کے بعد پتھر کا باطن بھی متاثر ہوجاتا ہے۔

چشیدنی کا مطلب اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ شمع کو شعلہ بتانے سے آگ شمع میں داخل ہوجاتی اوراس کو پگھلانے لگتی ہے اور آخر میں شمع آگ میں فنا تک ہوجاتی ہے۔ شدنی کی مثال یہ ہے کہ نعل (اسپ) جولوہے یا فولاد سے بنائی جاتی ہےاوراس کی سختی کی وجہ سے اس کو موڑنا یا توڑنا مشکل ہوجاتا ہے۔ لیکن اسی لوہے کی نعل کو آگ میں ڈالا جاتا ہےتو وہ سراپا آگ بن جاتی ہے۔ اس کے ظاہراور باطن میں حرارت نفوذ کرجاتی ہے۔ اور وہ بالکل آتش کے ہم رنگ ہوجاتی ہے۔ دیکھنے والا اس کو جزو آتش سمجھتا ہے اس مثال سے ظاہر ہوا کہ شدنی ہوجانے کی صلاحیت سے عبارت ہے۔

کلمہ توحید کی پہلی قسم گفتنی کے بارے میں حضرت مہدی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ **"گفتنی صفت منافقان است که نفس ایمان هم ندارند وکسے که نفس ایمان هم نه دارد از عذاب خدا چگونه دهد"**

ترجمہ: زبان سے کہنا' منافقوں کی صفت ہے جو نفس ایمان بھی نہیں رکھتے اور جوشخص کہ نفس ایمان بھی نہیں رکھتا وہ عذاب خدا سے کیوں کر نجات پائے گا۔ اس لئے گفتنی پر کوئی بحث نہیں کی جاتی ہے۔ باقی تین قسمیں رہ جاتی ہیں۔ جاننا' چکھنا اور ہوجانا۔ یہی قابل بحث وگفتگو ہیں۔

''جاننا'' کے معنی علم حاصل کرنا ہےاور ایسا علم کہ اس سے یقین حاصل ہوجائے۔ یعنی علم الیقین۔ علم الیقین کی مثال یہ ہے کہ دھواں دیکھ کر یہ استدلال کرنا کہ کہیں آگ لگی ہے۔ جب اس مقام پر پہنچ کر آگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو یہ عین الیقین کا درجہ ہے اگر آگ میں داخل ہوکر اس کی حرارت اور تپش سے دوچار ہوجائے تو اب حق الیقین حاصل ہوجاتا ہے۔ غرض یہ سب علم یعنی دانستن کے درجات ہیں۔

علم کی دوسری تعبیر یہ ہے سالک جان لے کہ تمام ذرات میں نور حق تعالیٰ ظاہر ہوچکا ہے۔ پھر اس کے متعلق دل میں کوئی شک وشبہ نہ لائے۔ عین الیقین کا مطلب یہ ہے کہ سالک خود ہر شئے میں نور حق تعالیٰ دیکھے اور یقین کرے کہ جو کچھ ہوتا ہے حق کی طرف سے ہوتا ہے۔ جب سالک اپنے آپ کو نور حق تعالیٰ میں گم کردے گا تو اس وقت کو حق الیقین حاصل ہوجائے گا۔ جاننا علم الیقین 'چکھنا عین الیقین اور ہوجانا (شدنی) حق الیقین ہے۔ گفتنی توحیدؔ بہ اعتبار عوالم' عالم ناسوت سے متعلق ہے۔ جو قابل ترک ہے ناسوت ہی دنیا ہے ناسوت کے آثار جہل اور وہم ہیں اور سالک ذکر اللہ کی مواظبت سے عالم ملکوت میں داخل ہوتا ہے تو دیدنی کا مقام میسر ہوتا ہے۔ عالم جبروت چشیدنی ہےاور لاہوت شدنی ہے۔

ذیل کی نقل شریف ملاحظہ ہو۔

" فرمودند که اولیاء الله از سوزن با کوه را کندیدند ومن بیل و کلند آورده ام یعنی راه من اقرب راه ها است وآن راه همیں ذکر خفی است

ترجمہ: فرمایا کہ (سابق کے) اولیاء اللہ نے سوئیوں (جیسی باریک چیز) سے پہاڑ کھودے اور میں (تو) پھاوڑا لے آیا ہوں یعنی میرا راستہ قریب کا راستہ ہے اور وہ (راستہ) یہی ذکر خفی ہے۔

ذکر خفی کے سلسلے میں آپؑ نے فرمایا" **واذکر ربک اذا نسیت" یاد کن پروردگار خود را آں زماں که فراموش کنی خودرا غیر خودرا"**

ترجمہ: آیت قرآن جب تو بھول جائے تو اپنے رب کو یاد کر یعنی جب تو اپنے آپ کو اور غیر کو بھول چکے (اس کے بعد) اپنے پروردگار کو یاد کر الا اللہ تو ں ہے یعنی ذات اللہ تجھ میں (جلوہ فرما) ہے اور اس عالم میں اس کے سوا کوئی اور نہیں۔

لا الہ ھوں نھیں۔ اے سالک تو دانستنی که منم از ذات ⟨حق⟩ نیستم این گمان تست به بین ک سبعه صفات ذات در ⟨وجود⟩ تتست عکسا ظاهر اندنے نے بلکه توعین شخصی ⟨است⟩ همه عالم عکس تست در یا و موج را جدا مداں شعله و آتش را جدا مخواں"

ترجمہ: اے سالک تو یہی سمجھتا ہے کہ میں ذات حق سے نہیں ہوں' یہ تیرا گمان ہے تو دیکھ کہ ذات کی ساتوں صفتیں تجھ میں موجود اور عکساً ظاہر ہو رہی ہیں۔ نہیں نہیں (تو عکس نہیں) بلکہ تو عین شخص ہے۔ اور سارا عالم تیرا عکس ہے دریا اور لہر کو جدا مت سمجھ' شعلہ اور آگ کو جدا مت کہہ"

سابق کے اولیاء اللہ ذکر کی ابتداء ذکر لسانی (زبانی) سے کرتے تھے اور ان کے تمام اذکار کی انتہا ذکر خفی پر ہوتی تھی۔ لیکن جب حضرت مہدی موعودؑ دیدار الٰہی کی عام وخاص دعوت کے لئے مبعوث ہوئے تو آپؑ نے اولیاء اللہ پیشین کی انتہاء کو اپنی ابتداء قرار دیا اور فرمایا" **ابتدائے ما عین انتها است** ' یعنی دوسروں کی انتہاء ہمارا ابتداء (آغاز) ہے۔ حقیقت میں سارے اذکار کا نتیجہ اور خلاصہ یہ ہے کہ سالک کے وجود سے عجب و پندار' ہستی وخودی کا خیال نکل جائے۔ پس یہ بات مہدی علیہ السلام کی تعلیم سے نکل گئی جس کے سبب اولیاء سابق کی انتہائی تعلیم حضرتؑ کی ابتدائی تعلیم ہوگئی۔ اسی بات کو یہ یوں کہا گیا کہ ہمارا ابتداء شدنی سے ہوتی ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ "نورحیات" جنوری ۲۰۰۰ء)

سخن بلیغ

انصاف نامہ طبع اول کے صفحہ ۲۸۷ پر مرقوم ہے کہ حضرت میراںؑ فرمودند بزبان ہندی

پھاٹا پہریں ٹونکا کھائیں راول دیول کہیں نہ جائیں
ہم رے آئی یاہی ریت پانی لوریں اور مسیت

ترجمہ:۔ پھٹا پرانا کپڑا پہن لیں۔ روکھا سوکھا کھائیں۔ امیروں کے گھروں اور بت خانوں کو نہ جائیں ہمارا طریق یہی ہے کہ (سفراور حضر میں) پانی اور مسجد (یہ دو چیزیں) دیکھیں۔ چونکہ یہ کلام حضرت میراںؑ نے بزبانِ ہندی ارشاد فرمایا ہے اس لئے اس کو ہندی رسم الخط میں تحریر کیا جاسکتا ہے۔

फाटा पहरें टोंका खायें
रावल देवल कहीं न जायें
हम रे आई याही रीत
पानी लोरें और मसीत

اس کلام کی لفظی تحلیل سے معنوں کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ لہذا الفاظ کے معنی یہ ہیں

फाटा = پھاٹا = یعنی پرانا کپڑا (لباس)
पहरें = پہرین پہرنا، یعنی کپڑا جسم پر ڈالنا (لباس پہننا)
टोंका = ٹوکا = مطلب ہے ٹکڑا یعنے ذراسا۔ جس کے مرادی معنے روکھا سوکھا اور کم ہوسکتے ہیں
रावल = راول = یعنی راجا۔ خصوصاً راجستھان کے راجاؤں کا لقب۔
देवल = دیول = مندر۔ بت خانہ
रीत = ریت = طریق
लोरना = لورنا = خواہش مند ہونا، طلب کرنا۔

اس کلام میں سب سے پہلی بات لباس اور پوشاک کے بارے میں ہے۔ عام طور پر لوگ' لباسِ فاخرہ کو اہمیت دیتے ہیں اور پھٹے پرانے لباس والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے' حالانکہ لباسِ فاخرہ غرور اور تکبر پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ تکبّر کے خُلق مذموم سے بچانے اور اپنے نفس کو غرور سے دور رکھنے کے لئے معمولی لباس' اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ یوں بھی لباس اور دین الگ

الگ ہیں۔ لباس ظاہر سے متعلق ہے اس کا باطن سے تعلق نہیں ۔ باطن کے لئے لباس تقویٰ ضروری ہے۔

نقل :حضرت میراں علیه السلام فرمودند: بر لباس دین نیست ‘دین بر تقوٰی است

ترجمہ: دین کا انحصار لباسِ ظاہر پر نہیں ہے بلکہ دین تقویٰ پر منحصر ہے

نقل:۔ **فرمود باطن را بلباس تقوٰی باید پوشید**

ترجمہ:۔ اپنے باطن کو تقویٰ سے چھپانا چاہئے یعنے باطن کو لباس تقویٰ سے آراستہ کرنا چاہئے

بندگی میراں علیہ السلام نے طالبوں کو روکھا سوکھا' کھالینے کی ترغیب دی تا کہ نفس کو لذت کی طلب سے روکا جائے اور صاف لفظوں میں بھی اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

’’عزّت ولذّت را بُگذار‘‘

ترجمہ:۔ عزت اور لذت (مزے) کو چھوڑ وانکی خواہش نہ کرو۔ لذّت پر ورغذا کے بارے میں فرمایا کہ

پرده این نان است میاں خدا تعالٰی وبنده (حاشیہ صفحہ ۳۰)

ترجمہ:۔ خدا اور بندے کے درمیان یہ روٹی پردہ ہے

روکھی سوکھی روٹی نفس کا علاج ہے اور لذت انگیز غذائیں نفس کو قوّت پہنچاتی ہیں۔ پھر آپ نے طالبوں کو امراء کے گھروں کو جانے سے روکا اور فرمایا۔

دم وقدم رانگهدار ترجمہ:۔ اپنے دم اور قدم کی نگرانی کرتے رہو۔

دم کی پاسبانی یہ ہے کہ کوئی دم ذکر اللہ سے خالی نہ جائے اور قدم کی نگرانی یہ ہے کہ طالب دائرہ کے باہر امراء کے گھروں کو نہ جائے (امراء کوشش کرتے ہیں کہ طالبان مولیٰ ان کے گھروں کو آئیں اور طرح طرح سے مجبور کر کے طالبوں کو اپنے گھر لے جاتے ہیں لیکن بندگی میراںؑ کا حکم ہے کہ طالبانِ خدا امراء کے گھر نہ جائیں۔ اس سلسلے میں देवल دیول نہ جانے کا بھی حکم ہے۔ حضرت مہدی علیہ السلام کی طرف اس حکم کا انتساب محلِ نظر ہے۔ سبھی اس بات کو جانتے ہیں کہ کوئی مسلمان کبھی بھی دیول نہیں جاتا کیونکہ بت خانے کافروں کے معبد ہیں۔ اور مومنوں سے بے تعلق ہیں۔ اس کے باوجود یہ سمجھنا کہ حضرت امام انام علیہ السلام نے طالبانِ مولیٰ کو بت خانوں کو جانے سے منع کیا ہے۔ قابل غور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ راول کے بعد دوسرا لفظ دیوال ہے देवाल جس کے معنی داتا' دینے والا اور سخی ہیں اور یہ لفظ راول سے مناسبت بھی رکھتا ہے۔ لہذا صحیح لفظ دیول (مندر) نہیں دیوال (سخی۔ داتا) ہے اس تشریح سے واضح ہوگیا کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے اپنے گروہ کے افراد کو سخی لوگوں کے پاس جانے سے روکا کوئی مسلمان مندر جاتا ہی نہیں لہذا مہدوی کے مندر جانے کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا देवाल (دیوال) اور देवल (دیول) دونوں الفاظ میں آکار کا فرق نظر انداز ہوگیا۔ ترجمہ کرنے والوں نے اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا۔ ہندی الفاظ' فارسی رسم الخط میں لکھے جائیں تو اس قسم کا التباس عین ممکن ہے۔ راول (راجا) اور مندر (دیول) میں کوئی مناسبت

بھی نہیں۔

लोरना = لورنا کا مطلب خواہش مند ہونا‘ اور طلب کرنا ہے یعنی طالبانِ مولیٰ کو سفر اور حضر میں مسجد اور پانی تلاش کرنا چاہئے ۔ مسجد عبادت اور ذکر اللہ کے لئے ہے اور پانی نہ صرف طہارت‘ بلکہ دوسری انسانی حاجات کے لئے لازم ہے ۔ غرض طالبانِ مولیٰ کے کرنے کے جو کام ہیں حضرت بندگی میراں علیہ السلام نے واضح کر دئے ۔

المختصر مندرجہ بالا کلام میں دیول (مندر) کا لفظ نہیں دیوال (داتا) کا لفظ ہے اور یہی صحیح ہے ۔

(مطبوعہ ماہنامہ ’’نورِ ولایت‘‘ میلادامامنؑا نمبر جولائی‘ اگسٹ ۲۰۰۲ء)

تعلیم امام علیہ السلام (شرح نقل)

’’ ویقول الناس اعبدوا اللہ وحدہ ولا تشرکو بہ جلیاً وخفیاً ویامر ھم بالعدل والاحسان والعفاف عما دون ذلک وصدق المحبۃ والاخلاص والایمان الکامل‘‘ (مخزن الدلائل صفحہ۱۴۳۔۱۴۴)

ترجمہ: آپ لوگوں کو فرمائے کہ بندگی کرو اللہ کی کہ وہ ایک ہے اور شریک مت کرو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں ۔ اور مہدی تم سب کو عدل احسان اور ماسویٰ اللہ سے پرہیز کرنے اور حق سے سچی محبت خالص دوستی اور ایمان کامل کا حکم کرتے ہیں ۔‘‘

حضرت مہدی موعود علیہ السلام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے کیونکہ خود حق تعالیٰ اپنے کلام بلاغت نظام میں فرماتے ہیں ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَo (سورہ ذاریات آیت ۵۶) ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں ۔

آیت شریفہ سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ جنات اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی ہے ۔ اسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے مخلوق کو اللہ کی بندگی کی دعوت دی اور آپ اس کام پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور بھی تھے ۔ جیسا کہ انصاف نامہ کی نقل سے ظاہر ہے ۔ ’’(متن) **خلق را سوئی توحید و عبادت دعوت می کنم و من مامور برائی این کارام از حضرت باری تعالیٰ‘‘**

ترجمہ: (میں) مخلوق کو توحید اور عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اسی کام کے لئے مامور ہوں‘‘ (صفحہ ۹۷‘۹۸) یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب مہدیت پر فائز کر کے اسی لئے روانہ کیا کہ آپؑ مخلوق کو توحید باری اور عبادت الٰہی کی طرف بلائیں ۔ گویا یہ آپ کی بعثت کا مقصد حقیقی تھا اور توحید باری تعالیٰ وہ اصل الاصول ہے کہ جس کی تبلیغ وتلقین کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو بھیجا اور اپنی کتب منزا میں بھی عقیدہ وتوحید کی تعلیم دی ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی چاروں کتابوں کی تعلیم کا

خلاصہ توحید ہی ہے۔ چنانچہ حاشیہ شریف کی ایک نقل میں ہے کہ:

''خدا تعالیٰ فرمودہ است۔ فاعلم انه لا اله الا الله مراد کلام تمام درین آیت است۔ (حاشیہ صفحہ ۱۹۱)

ترجمہ: خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تو اس بات کو جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمام کلام الٰہیہ کی مراد اس آیت میں ہے۔ (سورۂ محمد پانچواں رکوع)

جہاں آپ نے توحید کی تعلیم دی وہیں شرک سے روکا' اسی طرح آپ کا یہ ارشاد جامع و مانع اور مکمل ہے۔ توحید کی ضد شرک ہے۔ شرک سے طہارت حاصل ہوگی تو توحید سے انسان مشرف ہوسکتا ہے۔ یہاں حضرت مہدی علیہ السلام نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ شرک دو قسم پر مشتمل ہے جلی اور خفی۔ یعنی علانیہ اور پوشیدہ۔ اور جب تک ہر قسم کے شرک سے پا کی حاصل نہ ہو توحید صحیح نہ ہوگی۔ شرک جلی واضح ہے یعنی مشرکین جن بتوں کو پوجتے ہیں وہ سب شرک جلی کی واضح مثالیں ہیں۔ لیکن شرک خفی کو پہچاننا مشکل ہے۔ انسانی نفس شرک خفی کو ایسی شکلوں میں پیش کرتا ہے کہ عام انسان دھوکا کھا جاتا ہے۔ لیکن شرک خفی سے بہر حال احتراز لازم ہے۔ شرک چاہے جلی ہو یا خفی۔ یہ دونوں انسان کے نفس کی پیداوار ہیں۔ اگر نفس انسانی کو مزکّی کر دیا جائے تو پھر کسی قسم کا شرک پیدا نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے ایسا طریقہ ذکر تلقین کیا ہے کہ اس کی مداومت سے انسان شرک سے پاک ہوجاتا ہے۔ یعنی ''الا اللہ توں ہے لا الہ ہوں نہیں'' مبارک الفاظ میں جو توحید خالص پر مشتمل ہیں۔ ان میں ذات الٰہی اور توحید ربانی کا اثبات ہے۔ ماسوی اللہ کی نفی بھی ہے۔ ذاکر اپنی نفی کرتا ہے اور اسی سے وہ شرک سے پاک ہوجاتا ہے کیونکہ شرک منبع و مصدر خود اُسی کی ذات ہے۔

شرک ایسا عقیدہ اور عمل ہے کہ قرآن شریف آیت ذیل میں اس کی حقیقت واضح کرتا ہے۔

اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ۝ (سورہ لقمان ۔۱۳) ترجمہ: شرک یقیناً بڑا بھاری ظلم ہے۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے۔ فرمایا۔ **ان نجعل لله ندا و هو خلقك** ترجمہ یہ کہ تو اس خدا کا شریک ٹھیرائے جس نے تجھ کو تنہا بلا شریک پیدا کیا ہے''۔ پروردگار عالم نے تخلیقِ عالم سے پہلے یہ طئے کر دیا ہے کہ اس کی بارگاہ میں ہر کوتاہی و لغزش قابلِ معافی ہوسکتی ہے مگر شرک کا جرم ہرگز قابل معافی نہیں ہوگا۔ اس کی سزا ضرورت بھگتنی ہوگی۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَادُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ (سورہ نساء آیت ۴۸)

ترجمہ: یقیناً اللہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے۔ اور اس کے علاوہ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ کفار ومشرکین یقیناً شرک میں مبتلا ہیں' لیکن صاحبان ایمان بھی اس گناہ کا ارتکاب کرجاتے ہیں۔

وَمَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُھُمۡ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ (سورہ یوسف آیت ۱۰۶)

ترجمہ: اکثر لوگوں کا حال یہ ہے ک اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی شرک بھی کرتے رہتے ہیں یعنی ایسے

لوگ بہت ہی کم ہیں جو ایمان کے زبانی دعوے کے ساتھ شرک جلی اور شرک خفی کے ہر ہر شعبے سے احتراز رکھتے ہوں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شرک غیر محسوس طریقہ پر اُن کے دلوں میں اُتر جاتا ہے۔ اور چونکہ عام لوگ محاسبہ نفس نہیں کرتے اس لئے یہ شرک اپنا کام کرنے لگتا ہے۔ اسی لئے حضرت رسالت مآب ﷺ نے انتباہ دیا تھا کہ لوگ شرک خفی سے بچتے رہیں۔ فرمایا۔ **الشرک اخفی فی امتی من دبیب النمل علی الصفاء**'' ترجمہ: شرک میری امت میں صاف چٹان پر چیونٹی کے چلنے کی آواز سے بھی زیادہ خفی ہوگا۔

حضور ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ اہل امت شرک سے بچنے کا اہتمام کریں بعض علمائے ظاہر ایسے شرک کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

حضرت شداد بن اوسؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ مجھے اپنی امت کے متعلق شرک خفی اور شہوت خفی کا بڑا ڈر ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے بعد آپ کی امت بھی شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا سن لو نہ تو وہ آفتاب و ماہتاب کی عبادت کرے گی اور نہ کسی پتھر اور بت کی، لیکن اپنے عمل میں ریاء کاری کا شکار ہوگی۔ اور شہوت خفیہ یہ ہے کہ کوئی شخص تم میں سے صبح کے وقت روزہ دار ہو، پھر اس کے سامنے کوئی ایسی چیز آجائے جو اس کی مرغوب خاطر ہو اور صرف اتنی سی بات پر وہ اپنا روزہ توڑ ڈالے (احمد۔شعب الایمان)

ان تمام توضیحات سے معلوم ہوا کہ نہ صرف شرکِ جلی بلکہ شرک خفی سے بھی پرہیز لازم ہے۔ شرک خفی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے اسی لئے حضرت امام علیہ السلام نے تاکید فرمائی ہے کہ اللہ کے ساتھ ظاہر یا باطن میں کسی کو شریک مت کرو۔

سلوک مہدویہ میں حضرت مہدی علیہ السلام کا ارشاد درج ہے کہ'' **مراد از شرک ہم ہمیں ہستی موہومی است کہ ضرر ایمان است**''

مختصر یہ کہ سلوک میں تقید شرک ہے اس کو دور کرنا ضروری ہے تا کہ توحید حقیقی تک پہنچ سکیں۔

مندرجہ بالا نقل میں حضرت امام علیہ السلام نے عدل (انصاف) کی تعلیم بھی دی ہے اور آپ نے مخلوق خدا کو تاکید کی کہ وہ عدل کو فراموش نہ کریں۔ آپ علیہ السلام کے اس ارشاد کی توضیح آپ ہی کی ایک دوسری نقل سے ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ نقل یہ ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام سے کسی شخص نے پوچھا کہ حاتم اور نوشیروان نے سخاوت اور عدل بہت کیا۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ حاتم بخیل تھا اُس نے اپنی ذات کو خدا پر نثار نہیں کیا۔ اور نوشیروان (بڑا) ظالم تھا اپنی ذات پر عدل نہیں کیا۔ خدا کے اوامر ونواہی کے سلسلہ میں بے عدل تھا۔ (حاشیہ) اس نقل کی شرح یہ کہ نوشیروان بعثتِ نبوی سے پہلے گذرا ہے اور وہ ایران کے دوسرے بادشاہوں کی طرح مجوسی تھا۔ لیکن اُس پر فرض تھا کہ اپنے زمانے کے نبی یا رسول کی شریعت پر ایمان لائے اور اس کے احکام پر عمل کرے۔ اور دوسروں پر ان احکام کو جاری کرنے سے پہلے اپنے آپ پر احکام الٰہیہ کو جاری کرے لیکن نوشیروان نے ایسا نہیں کیا۔ یعنی اُس نے اپنی ذات پر ظلم کیا عدل نہ کیا۔ اپنی ذات پر عدل کرنا یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا کے حوالے کردے۔ یہی عدل وقسط ہے۔ غرض

سچا انصاف یا عدل اپنے آپ کو خدا کے تفویض کر دینا ہے۔اور مہدی علیہ السلام اسی بات کی تعلیم دے رہے تھے۔

احسان، اخلاقی طور پر ایسا عمل ہے جس میں کسی عمل کی جزاء کے طور پر نہیں بلکہ بلا لحاظ ایک مفید عمل یا سلوک کیا جاتا ہے۔اور احادیث میں احسان، دیدار خدا کے مترادف ہے۔تعلیمات مہدویہ میں فانی فی اللہ ہونا احسان ہے۔

عفاف باعتبار لغت حرام سے رکے رہنا ہے۔اور اصطلاحاً دنیا ترک کر دینا ہے۔کیونکہ دنیا کے بارے میں فرمایا گیا ہے **الدنیا جیفة و طالبها کلاب** دنیا مردار ہے جس کے طالب کتّے ہیں۔اس لئے **عفاف دون ذلک** خدا کے سوا تمام چیزوں کو چھوڑ دینا ترک دنیا ہے۔

محبت اور اخلاص میں سچائی پیدا ہو جائے تو وہ خدا تعالیٰ کی نظر میں قابل قدر ہو جاتے ہیں اور عشق الٰہی کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔خدا رسائی میں عشق بڑا کارساز ہوتا ہے۔کششِ ربانی کے جاری ہونے سے فنائیت کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

ایمان کی تعریف حضرت میراں علیہ السلام نے یوں فرمائی ہے کہ ''**ایمان ذات خدا است**'' (انصاف نامہ)

یعنی ایمان لانے کا مطلب خدا کی ذات کو حاصل کرنا ہے۔صرف زبان سے وجود خدا کا اقرار کرنا ظاہری ایمان ہے اصلی اور حقیقی ایمان تو یہی ہوگا کہ مومن، جس خدا پر ایمان لاتا ہے اُسے دیکھے اور اس کی ذات کو حاصل کرے۔صاحب ایمان خدا تعالیٰ کا ایسا قرب حاصل کرے کہ خدا خود اپنے طالب بندے کی آنکھ بن جائے جس سے وہ دیکھ سکے اسی طرح کان بنا جائے جس سے وہ سن سکے۔زبان بن جائے جس سے وہ بول سکے وغیرہ یعنی بندے کی ذات، ذات باری میں گم ہو جائے طالب فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے۔غرض ایمان کامل اُسی وقت حاصل ہوگا جب کہ بندے کو خدا کی ذات حاصل ہو جائے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''فضیلت'' اپریل ومئی ۱۹۹۹ء)

نقلیات۔معہ مختصر شرح نقول

کلام اللہ کے بعد احادیث رسول علیہ السلام مسلمانوں کے لئے راہ ہدایت ہیں اور حدیث ہی کی طرح ''فرامین مہدی موعو علیہ السلام'' جادۂ طریقت ہیں۔فرامین مہدی یا نقلیات کا علم اُس مدعا کو واضح کرتا ہے جس کے لئے بعثت مہدی موعودؑ عمل میں لائی گئی۔لہٰذا ان نقلیات کو جاننے اور سمجھنے سے حضرت میراں علیہ السلام کی پیروی ممکن اور آسان ہو جاتی ہے۔ان نقلیات کی تشریح و تفہیم سے اُن اسرار کا بھی علم ہوتا ہے جو ان ارشادات کے سیدھے سادے الفاظ میں پوشیدہ ہیں۔اور امام علیہ السلام کے منصب عالی کی معرفت و شناخت حاصل ہوتی ہے۔یہ نقلیات جو زیادہ تر فرائض ولایت کی تعلیمات پر مشتمل ہیں اصحاب طریقت و سلوک کے لئے ان منازل کی نشاندہی کرتی ہیں جو مسافر راہ حق کو سیر الی اللہ میں پیش آتی ہیں۔الغرض متعدد وجود سے ان نقول پاک کا مطالعہ ہر طالب

حق کے لئے نہایت مفید ومبارک ہے۔

حضرت سید محمد جون پوری مہدی موعودؑ کی نقلیات کی ایک منفرد خصوصیت ہر قاری کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اوراس خصوصیت کو یاد نہ رکھنے ہی سے بڑی بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ حضرت بندگی میراںؑ نے تعلیم ولایت کو اصطلاحات شریعت میں بیان فرمایا ہے۔ اور جس شخص نے کلام مہدی موعودؑ کا گہرا مطالعہ نہیں کیا اور آپؑ کے بیان کے اسلوب سے آگاہ نہیں وہ آپؑ کے کلام کے مدعا حقیقی تک پہنچنے سے قاصر ہے بلکہ غلط معانی کے استنباط کا ارتکاب اس سے عین ممکن ہے۔ مثلاً اپنے زمانۂ بعثت کے سلسلہ میں حضرت بندگی میراںؑ نے ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں ''دین'' مجذوبوں میں باقی رہ گیا تھا اب ناآشنائے کلام موعودؑ کو بڑی الجھن پیش آتی ہے کہ مجذوب جو احکام شرع پر عمل پیرائی سے معذور ہیں ان میں مدعاء دین کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ لیکن فرمودات مہدیؑ کے رموز آشناء کے لئے اس عقدے کی کشود کچھ مشکل نہیں ہے۔ اس فرمودۂ موعودؑ میں دین کا باطن مقصود ہے جو قرب الٰہی سے عبارت ہے، پس مجاذیب اجتباء وانتخاب قدرت کے سبب، حامل دین حقیقی ہیں اور کلام مہدیؑ اسی حقیقت کی طرف مشیر ہے۔ اس مثال سے تشریح وتفہیم نقلیات مہدی موعودؑ کی شدید ضرورت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

نقلیات مبارکہ کو سمجھنے کے سلسلہ میں یہ امر بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ صرف نقل واحد سے اخذ مطلب نہ کریں بلکہ اس عنوان پر جو متعدد نقول دستیاب ہیں اُن سب کو پیش نظر رکھیں تب کہیں امر زیر بحث واضح ہو کر قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ امامنا علیہ السلام کی نقلیات کبھی تفسیر کلام الٰہی اور کبھی تشریح حدیث رسول علیہ السلام پر بھی مشتمل ہیں۔ اس لئے نقل زیر بحث سے متعلقہ آیت شریف یا حدیث شریف کا علم بھی ضروری ہے۔ اس مرحلہ کی تکمیل کے بعد نقل زیر بحث کی توضیح سہل ہو جاتی ہے۔ بعض نقول شریفہ سلوک ومجاہدہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان نقول کی تفہیم کے لئے مسالک طریقت اور منازل سلوک سے آگاہی ضروری ہے اس پس منظر میں نقل زیر بحث کی وضاحت آسان ہو جاتی ہے۔

حضرت بندگی میراںؑ کی بعثت سے پہلے خدارسانی کے متعدد سلسلے کام کر رہے ہیں۔ یہ تمام سلسلے اپنے بانیوں کے نام سے منسوب تھے، ہر سلسلے کا اذکار واشغال مختلف تھے۔ ان سلسلوں کا نظام بھی ہر جگہ علاحدہ نوعیت رکھتا تھا۔ خداطلبی، رسوم، عادات اور بدعات سے ہو کر گزر رہی تھی۔ دین کا مقصود حقیقی ''کثرت تعبیر'' میں گم ہو چکا تھا۔ ان حالات میں بہ حکم خدا امامنا علیہ السلام نے ولایت محمدیہ کے فیضان کو جاری کیا۔ فرائض ولایت کا اعلان فرمایا اور ہر فرض ولایت کو بذریعہ آیات کلام اللہ پیش فرمایا، مقصود حقیقی کو مطلوب قرار دیا۔ رسوم، عادات اور بدعات کی بیخ کنی کی۔ ''دین'' کو اضافی قیود سے آزاد کیا۔ جہاں دوسروں کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے مہدوی طالب مولیٰ کی ابتداء کی ''اُپرواڑے'' کا آسان راستہ ساری دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ غرض حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے جو روحانی انقلاب برپا کیا ہے وہ سب کا سب نقلیات میں موجود ہے۔ اسی کو ساری دنیا سے روشناس کرانا ہے تاکہ اہل عالم کو مقام ومنصب مہدی معلوم ہو اور وہ طلبِ حق میں دائرہ مہدویہ کی طرف گامزن ہوں۔ اور فیضانِ ولایت محمدی سے فیض یاب ہو کر دارین

میں سرخروی حاصل کریں۔

ارشادِ مہدی موعود علیہ السلام ہے۔ ''**بر بندہ تبلیغ است**'' بندہ پر تبلیغ ہے یعنی حق تعالیٰ نے آپؑ کو احکام ولایت' طالبانِ حق تک پہنچا دینے کا منصب تفویض کیا ہے۔ دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ'' **خلق را سوئے توحید وعبادت دعوت می کنم ومن مامور برائی ایں کار ام از حضرت باری تعالیٰ** '' (انصاف نامہ صفحہ ۹۸) یعنی مخلوق کو توحید اور عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس کام کے لئے مامور ہوں۔ اس نقل سے بھی ظاہر ہے کہ دعوت الی الحق اور تبلیغ احکام ولایت' آپ کی مہدیت کے لوازم میں سے تھے اور حضرت مہدیؑ نے بہ تمام وکمال ان فرائض کو انجام دیا۔ اب آپؑ کے متبعین کا فریضہ ہے کہ اُن احکام وبیان کو جو حضرت مہدی علیہ السلام سے صادر ہوئے ہیں' مخلوق تک پہنچائیں' ان احکام کی تبلیغ کریں اور پیروی وتعمیل کے ذریعہ ان کی حقانیت کو ظاہر کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قولہ تعالیٰ انہ الحق من ربک ولکن اکثر الناس لا یومنون (م صفحہ ۳۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک تیرے رب کی طرف سے اس (مہدی) کا (مبعوث ہونا) حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

(۱) بعد میلادِ پاک (کمسنی):

(۱) **کہ میراںؑ بھنگام سخن گوئی شدند اول بزبان مبارک آنحضرتؑ ہمیں سخن جاری شد کہ '' مہدی موعود آمد''** (ش صفحہ ۱۵)

ترجمہ: جب حضرت (مہدی علیہ السلام) کے بات کرنے کا زمانہ آیا تو پہلی بات جو آپ کی زبان مبارک پر آئی یہی تھی کہ'' مہدی موعود آیا''

شرح ﴿۱﴾ چونکہ حق تعالیٰ نے آپؑ کو مہدیت موعودہ کے منصب پر فائز کرنے کے لئے پیدا کیا تھا اس لئے جب آپؑ بات کرنے کے قابل ہوئے تو پہلی بات یہی فرمائی کہ'' مہدی موعود آیا'' یہ ایک علامت ارہاصیہ ہے۔

(۲) **از بندگی میاں دلاورؓ نقلست کہ فرمودند بندہ از شکم مادر بیروں شد فرمان رسید مرا کہ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن** (جزء ۲۷ رکوع ۱۷' ش صفحہ ۷

ترجمہ: ''حضرت بندگی میاں شاہ دلاورؓ سے نقل ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا'' بندہ ماں کے پیٹ سے باہر ہوتے ہی مجھ کو فرمان خدا ہوا کہ وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن ہے۔''

شرح ﴿۲﴾ جب آپؑ شکم مادر سے باہر ہوئے تو سب سے پہلا فرمان ربانی جو آپؑ کو پہنچا وہ ایک آیت قرآنی پر مشتمل ہے

اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ابتداء ہی سے قرآن مجید حضرت مہدی موعودؑ کے ساتھ ہے۔آپ کا عمل اور آپؑ کا ارشاد دونوں قرآن شریف پر ہی مبنی ہوں گے۔فرمان الٰہی یہ تھا'' وہی (سب سے) اول اور وہی (سب سے) آخر' وہی ظاہر وہی باطن'' کتب حدیث مسلم اور ابوداؤد میں ایک حدیث درج ہے جس میں اول' آخر' ظاہر وباطن کی تشریح کی گئی ہے۔دوسری حدیثوں میں مہدی موعودؑ کے لئے'' خلیفۃ اللہ'' کے الفاظ استعمال ہوئے اور خلیفہ نائب اور قائم مقام ہوتا ہے اس کو مالک حقیقی کے صفات میں سے اوصاف عطا ہوتے ہیں جیسے آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا گیا تو انہیں علم الٰہی میں سے ضروری علم عطا کیا گیا فرشتوں کو مسجود بنایا گیا اسی طرح حضرت مہدی موعود علیہ السلام جب دنیا میں ظاہر ہوئے تو آپ کو علم لدنی عطا کیا گیا جو اولیت' آخریت' ظاہری اور باطنی تمام علم کو محیط تھا غرض حق تعالیٰ نے حضرت سید محمد کو اپنا خلیفہ بنا کر پیدا کیا۔

(۳)　نقل است کہ حضرت امامؑ فرمود'' وقتے کہ مرابعد از تولد من فرمان شد کہ اے سید محمد دعوے مہدیت کن اما بندہ ھضم کردہ عرض نمودہ کہ الٰھی مھتر عیسیٰ بدیں حال دعوت در طفلیت کرد بسیار خلق در فتنہ افتادند ومبادا امت محمدیہؐ نیز درفتنہ افتد'' (خاتم صفحہ۳۶۲)

ترجمہ: نقل ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ'' جس وقت کہ مجھ کو میری پیدائش کے بعد فرمان (حق تعالیٰ) ہوا کہ سید محمد مہدیت کا دعویٰ کر لیکن بندہ ہضم کر کے عرض کیا کہ اے اللہ حضرت عیسیٰؑ اس طرح بچپن میں دعوت کئے تو بہت سی مخلوق فتنہ میں پڑ گئی کہیں ایسا نہ ہو کہ امت محمدیؐ بھی فتنہ میں پڑ جائے''

شرح ﴿۳﴾: حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام اخلاق محمدی سے آراستہ وپیراستہ تھے امت محمدیہ کے حق میں آپؑ بھی نہایت رحیم اور شفیق تھے۔پیدا ہوتے ہی آپؑ نے دعویٔ مہدیت اس لئے نہیں کیا کہ اُمّت محمدیہ فتنہ اور امتحان میں مبتلا نہ ہو جائے۔آپؑ نے چالیس سال کی عمر میں دعویٔ مہدیت فرمایا تا کہ لوگ اچھی طرح آپؑ کے اخلاق سے واقف ہو جائیں اور کسی کو کوئی عذر نہ رہے۔

(۴)　ودیگر فرمودند کہ'' حق تعالیٰ بندہ را در ھماں زماں چھار کتاب تعلیم کرد بلا مثال اگر بندہ توریت خواندے مرد ماں تحیر وار انی لک ھذا گفتندے کہ باز کرت دیگر موسیٰؑ اظھار نمودہ ھضم می کرد واگر بندہ انجیل را خواندے مردماں گفتندے کہ کرت دوم مسیحؑ ابن مریم استظھار کرد وھمیں منوال اگر بندہ زبور خواندے گفتندے داؤدؑ است اگر بندہ کلام اللہ خواندے مردماں گفتندے ھذا رجل عزیز محمد رسول اللہؐ قدعاد بمرۃ اخریٰ ومردماں در شک وارتھاب گشتے واز ایں وآں اقرارِ بنوت برآمدے اما بندہ بتوفیق اللہ تعالیٰ ھضم کردزیر اچہ بندہ را حامل اثقال ولایت محمدیؐ حق تعالیٰ بیا فریدہ است'' (مولود میاں شاہ عبدالرحمٰنؒ صفحہ۷)

ترجمہ: نیز حضرتؑ نے فرمایا کہ'' اسی وقت بندہ کو خود حق تعالیٰ نے چاروں کتابوں کی تعلیم دی اگر بندہ توریت پڑھتا تو لوگ

متحیر ہوکر کہتے کہ یہ تجھ کو کیوں کر معلوم ہوا اور سمجھتے کہ پھر موسیٰ کا ظہور ہوا مگر بندہ نے ہضم کیا اور اگر بندہ انجیل پڑھتا تو لوگ کہتے کہ مسیحؑ ابن مریم کا ظہور مکرر ہوا ہے اسی طرح اگر بندہ زبور پڑھتا تو کہتے کہ داؤدؑ ہے اگر بندہ کلام اللہ پڑھتا تو کہتے کہ یہ مرد عزیز محمد رسول اللہؐ ہے کہ مکرر ظہور فرمایا ہے اور لوگ شک وشبہ میں پڑ جاتے اور عام وخاص نبوت کا اقرار کرنے لگتے لیکن بندہ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہضم کیا اس لئے کہ حق تعالیٰ نے بندہ کو محمدؐ کی ولایت کے بوجھ کو اٹھانے کے لئے پیدا کیا ہے‘‘

شرح ﴿۴﴾ اس نقل شریف میں بھی اس عطائے علمی کی طرف اشارہ ہے جو جناب باری تعالیٰ سے آپؑ کے لئے صادر ہوا۔ کتب الٰہیہ توراۃ، زبور، انجیل اور قرآن شریف کا مکمل علم آپؑ کو پیدا ہوتے ہی حاصل ہوگیا اور چونکہ توراۃ، زبور، انجیل اپنے اپنے زمانوں اور قرآن مجید نازل ہونے کے بعد سے قیامت تک شریعتوں کے مصدر رہے ہیں اس لئے حضرت مہدی موعودؑ کو حق تعالیٰ نے تمام شریعتوں (کے احکام ظاہر) سے بھی کامل طور پر واقف کر دیا یہاں تک کہ اگر آپ کوئی ایک کتاب تلاوت فرماتے تو خلق کو گمان ہوتا کہ کہیں وہ نبیؑ تو نہیں آ گیا جس پر کتاب متعلقہ نازل ہوئی ہے غرض اس نقل شریف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو کمال علمی عطا فرمایا تھا۔

(۲) حلیۂ پاک

قال المهدیؑ منی اجلی الجبهة اقنی الانف مقرون الحاجبین

آنحضرتؐ نے فرمایا مہدیؑ مجھ سے ہے روشن پیشانی بلند بینی جٹھ بھوں والا۔

(۵) آنحضرتؑ فرمود ’’اگر بندہ و حضرت ابراهیم خلیل اللهؑ و حضرت مصطفی در یک زماں بودندے هیچ کس درمیان ما تمیز کردن نتوانستے‘‘ (مولود میاں شاہ عبدالرحمٰنؒ)

ترجمہ: حضرت (مہدی علیہ السلام) نے فرمایا کہ ’’اگر بندہ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ایک زمانہ میں ہوتے تو کوئی شخص ہمارے درمیان تمیز نہ کرسکتا‘‘

(۶) نقلست که آنحضرتؑ فرمودند ’’اگر ایں بندہ و محمد رسول الله ﷺ وابراهیم خلیل اللهؑ در یک زمانه بودندے هیچ کس درمیان ایں هر سه کساں تمیز کردن نتوانستندے و نشاختندے که ذات مهدی کدام است ورسولؐ کدام وخلیل اللهؑ کدام؟ (شواہد الولایت صفحہ ۳۵۲)

ترجمہ: نقل ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ’’اگر یہ بندہ اور محمد رسول اللہ ﷺ اور ابراہیم خلیل اللہؑ ایک زمانہ میں ہوتے تو کوئی شخص ان تینوں کے درمیان تمیز نہ کرسکتا اور نہ پہچان سکتا کہ مہدیؑ کون ہے رسول اللہؐ کون ہیں اور خلیل اللہؑ کون ہیں‘‘

(۷) حضرت مهدی موعود کرات ومرات بامر الله تعالیٰ میفرمود که ’’من لم یر محمد فلیرانی

(شواہدالولایت صفحہ۳۵۲)

ترجمہ: حضرت مہدی موعود علیہ السلام بار ہا بامراللہ فرماتے تھے کہ ''جوشخص محمد صلعم کو نہ دیکھا ہو چاہئے کہ وہ مجھے دیکھے''

شـــــرح ﴿۵، ۶، ۷﴾: نقول شریفہ مہدی موعودؑ کے حلیہ مبارک کوظاہر کررہی ہے۔ان نقول میں ارشاد ہورہا ہے کہ آپ حضرت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابراہیمؑ سے مشابہت تامہ رکھتے تھے یہاں تک کہ تینوں ہستیوں میں تمیز دشوار ہوجاتی اگر وہ ایک ہی عہد میں ہوتے۔ان نقول سے ظاہر ہورہا ہے کہ آپؑ نہ صرف باطنی کمالات میں ہمسر تھے بلکہ ظاہری حیثیت میں بھی مشابہت تامہ رکھتے تھے۔ان نقول سے ان روایتوں کی تصحیح ہوجاتی ہے کہ جن میں درج ہے کہ آپؑ خلق میں مشابہ ہوں گے اور خلق (تخلیق) میں مشابہ نہ ہوں گے۔خصوصاً آخری نقل کہ ''جس نے محمدؐ کو نہ دیکھا اُسے چاہئے کہ مجھے دیکھ لے'' بہت بڑا چیلنج ہے جس کو آپؑ کا کوئی مخالف رد نہیں کرسکتا بلکہ یہ نقل آپؑ کے دعویٰ کا ایک ثبوت ہے۔

(۳) سیرت پاک:

(۸) نقلست کہ روزے زوجۂ حضرت امام علیہ السلام المسماۃ بی بی الھدتیؓ بوقت نماز کہ در ھوش بودھا بسیار تضرع وزاری عرض نمودند کہ میراں جی سالھا شدند ہ ھیچ قوت بقالب نرسیدہ چہ حال طواھد شد فرمودند کہ '' انچہ قوت بندہ است بہ بندہ می رسد'' (شواہدالولایت صفحہ۴۷۰)

''انچہ قوت ارواح است ھماں قوت قالب گشت'' (مولودمیاں شاہ عبدالرحمٰن صفحہ۲۹)

ترجمہ: نقل ہے کہ ایک روز حضرت مہدی علیہ السلام کی حرم محترم حضرتہ بی بی الہدتیؓ نماز کے وقت پر جب کہ آپؑ ہوشیار تھے نہایت عاجزی وزاری کے ساتھ معروضہ کیں کہ میرانجیؑ کئی سال ہوچکے ہیں کہ کوئی غذا آپ کے قالب میں نہیں پہنچی ہے کیا حال ہوگا۔آنحضرتؑ نے جواب میں فرمایا کہ: ''جو کچھ بندہ کی غذا ہے بندہ کو پہنچتی ہے'' ''جوغذا ارواح کی ہے وہی غذا جسم کی ہوگئی ہے''

(۹) نقلست کہ حضرت میراںؑ برائے گرم کردن آب آوند داشتند آخر شب خود برخاستہ دراں بسیار آب گرم کردے اگر حاجت غسل بودے غسل کردندے ووضو کردندے بعدہ بعضے کساں نیز آب گرم از انجا بردندے روزے یک فقیر پیش ازاں کہ میراں علیہ السلام بیایند خود آمدہ آب گرم کردہ داشت حضرتؑ آمدہ دیدند کہ کسے گرم کردہ است آں آب را استعمال نمودہ روز دوم پیش ازاں کہ فقیر بیاید خود آمدہ آب گرم کردند چوں او آمد فرمودندے '' شب تو آب گرم کردی '' گفت آرے فرمودند تو دریاد خدا مشغول باش وخود را دریں کار میفگن دریں محل بندگی میاںؓ فرمودند ایں خاصہ ' مہدیؑ است اگر کسے خدمت ما کند ما از خدا بینم وتسلیم باشیم (نقلیات میاں سید عالمؒ صفحہ۷۷)

ترجمہ: نقل ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام پانی گرم کرنے کے لئے ایک بڑا برتن رکھ چھوڑے تھے ہر پچھلی رات سے اٹھ کر آپؑ خود بہت پانی گرم کیا کرتے اور اگر حاجت ہوتی تو غسل فرماتے اور وضو فرماتے تھے۔ اس کے بعد اور اصحاب بھی گرم پانی اسی جگہ سے لیا کرتے تھے ایک روز ایک فقیر نے قبل اس کے کہ حضرت اٹھ کر آئیں خود آکر پانی گرم کر کے رکھ دیا حضرتؑ نے آکر دیکھا کہ کسی نے پانی گرم کر دیا ہے اسی پانی کو آپؑ استعمال کئے اور دوسرے روز اس فقیر کے آنے سے پہلے خود آکر پانی گرم کئے جب وہ فقیر آئے تو ان سے آپؑ نے فرمایا۔ ''کل رات تم نے پانی گرم کیا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت نے فرمایا تم یاد خدا میں مشغول رہو اور خود کو اس کام میں مت ڈالو'' اس موقعہ پر میاں سید خوندمیرؓ نے فرمایا یہ مہدیؑ کا خاصہ ہے اگر کوئی شخص ہماری خدمت کرے تو ہم خدا کی طرف سے سمجھتے ہیں اور راضی رہتے ہیں۔

شرح 〈۹،۸〉 یہ نقول زمانۂ جذب کے حالات سے متعلق ہیں۔ گوڑ کی جنگ میں فتح کے بعد آپؑ پر استغراق طاری ہوا جبکہ آپؑ نے دلپت کے دل پر بت کا نقش دیکھا تھا یہ زمانہ جذب ۱۲ سال تک رہا جس میں ابتدائی سات سال تک صرف نمازوں کے وقت ہوش آجاتا اور بعد نماز پھر آپؑ بے ہوش ہوجاتے البتہ بعد کے ۵ سال میں آپؑ نے کبھی کبھی غذا بھی استعمال کی ہے جس کی مقدار اس ساری مدت میں ۱۷ سیر بیان کی گئی ہے۔ لیکن مذکورہ ۷ سال میں جب آپ نے کوئی غذا استعمال نہ کی تھی تب بی بی الہ دادیؓ کے استفسار پر جواب دیا کہ جو کچھ بندہ کی غذا ہے بندہ کو پہنچتی ہے پھر فرمایا جو غذا روح کی ہے وہی جسم کی غذا ہوگئی ہے۔ ایک طویل مدت تک بغیر کھائے پئے رہنے پر اعتراض کا جواب خود نقل شریف میں موجود ہے۔ یعنی بندہ کی غذا بندے کو پہنچتی ہے۔ اب اصولاً اعتراض کی گنجائش نہ رہی اور وضاحت مزید کے لئے فرمایا کہ روح کی غذا' قالب کے لئے غذا کا کام کر رہی ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''اے لوگو! روزہ میں وصال نہ کرو اور تم میں سے اگر کوئی شخص وصال کا ارادہ کرے تو وہ وقت سحر تک وصل کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپؐ بھی تو رات کو بغیر کھائے پئے مسلسل روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ''**انی لست کھیتکم انی ابیت لی معطم یطعمنی وساق یسقین**'' اور حضرت ابوہریرہؓ سے جو حدیث مروی ہے اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ **وایکم مثلی انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی** (مشکوٰۃ) تم میں سے کون مجھ جیسا ہے میں رات گزارتا ہوں اس حالت میں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے'' چونکہ حضرت مہدی علیہ السلام تابع تام اور نظیر رسول اللہ ﷺ ہیں اس لئے آپؑ نے بھی وہی فرمایا کہ مجھے اپنی غذا پہنچتی ہے یعنی پروردگار کی طرف سے۔ پس یہ نقل شریف بھی خاتمین علیہم السلام کی مشابہت تامہ کو ظاہر کر رہی ہے۔

(۱۰) نقلست کہ بندگی حضرت میرانؑ برائے سرشستن روغن کنجد در سر کردہ بودند کسے برائے ملاقات آمد و را گویانید'' اگر رضا باشد از سر کنجد بکشم'' آں کس عرض کنانیدہ کہ کنجد را از سر بیروں کردہ کرم کنید بندگی میرانؑ کلاہ برسر کردہ با کنجد بیروں آمدند آں کس عرض کرد کہ

خوند کار از سر کنجد چرا نکشیدند حضرت میرانؑ فرمودند کہ ''شما طالب خدا بودید باولولہ آمدید ما چگونہ از سر کنجد کشیدن بمانیم '' (انصاف نامہ صفحہ ۳۴۳)

ترجمہ: نقل ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام سر دھونے کے لئے تل کا تیل سر میں ڈالے تھے کوئی شخص ملاقات کے لئے آیا تو اس کو حضرتؑ کہلا بھیجے کہ ''اگر تمہاری رضا ہو تو سر سے تیل دور کردوں'' اس نے عرض کروائی کہ سر سے تیل دور کر کے کرم فرمائیں حضرتؑ سر پر کلاہ رکھے ہوئے سر میں تیل بھرا ہوا باہر تشریف لائے اس (شخص) نے عرض کیا کہ خوندکار سر سے تیل کیوں نہیں دور کئے؟ حضرت نے فرمایا کہ ''تم خدا کے طالب ہو بے حد عشق کے ساتھ آئے ہو ہم کیوں کر سر سے تیل نکالنے میں مصروف رہیں''

شرح ﴿۱۰﴾ یہ نقل شریف حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی سیرت کے ایک خاصہ کو ظاہر کر رہی ہے۔ آپؑ نے فقیر مذکور کو یاد دلایا کہ ذکر اللہ نسبتاً زیادہ اہم ہے اس لئے طالب کو زیادہ تر اسی میں مشغول رہنا چاہئے۔ انصاف نامہ میں حضرت میاں بھائی مہاجرؓ سے نقل ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے دو چار مرتبہ آکر دیکھا کہ دو تین برادر ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں دیکھ کر فرمایا کہ تم کیوں بیٹھے ہو۔ برادروں نے عرض کیا کہ میرانجی کچھ دین کی حکایت کر رہے ہیں۔ حضرت مہدیؑ نے فرمایا اے بھائیو ذکر خدا کے بغیر خدا کو دینی حکایت کرنے سے نہ پاؤ گے۔ اور یہ نقل بھی ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کے طالبوں کو خدا کی حکایتیں نقصان دیتی ہیں بلکہ قرآن پڑھنے اور علم پڑھنے سے بھی منع فرمایا سوائے ذکر کے (باب یازدہم) یہ ساری پابندیاں طالبان مولیٰ کے لئے ہیں جو دنیا ترک کر کے دائرہ میں مقیم ہو جاتے اور ان کے لئے ہر وقت کا ذکر اللہ فرض قرار دیا گیا تھا۔

(۱۱) **نقلست حضرت میرانؑ فرمودند '' اگر خدائے تعالیٰ بندہ خودرا تصرف دھد کشف و کرامات بندہ بمراد خود تصرف نکند چرا کہ ایں کمالیت نیست** (حاشیہ انصاف نامہ صفحہ ۱۹۰)

ترجمہ: نقل ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا ''اگر خدائے تعالیٰ اپنے بندے کو قوت دے تو بندہ اپنے مقصد کے موافق کشف وکرامات سے کام نہ لے کیونکہ یہ کمال کی بات نہیں''

شرح ﴿۱۱﴾ اس نقل شریف سے ظاہر ہے کہ سچی طلب مولیٰ لے کر اگر کوئی طالب حضرت خاتم الولایت علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو حضرت مہدی موعودؑ اس کے ساتھ نہایت ہی لطف کا برتاؤ فرماتے تھے۔ یہ آپؑ کے اخلاق اعلیٰ کی دلیل روشن ہے بلکہ بعض وقت کٹ حجتی کرنے والوں کے ساتھ بھی حضرت مہدی موعودؑ نے نہایت بلیغ حلم کا مظاہرہ کیا۔ انصاف نامہ میں نقل ہے کہ ایک ملا نے حضرت مہدیؑ کے پاس آکر بہت سوال جواب کئے تو حضرت شیخ بھیکؓ نے اپنے حجرے سے سر باہر کر کے عرض کیا میرانجی کس لئے سر خالی کرتے ہیں؟ حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ اس میں تمہارا کیا ہے؟ بندہ کو خدائے تعالیٰ نے اسی کام میں سر خالی کرنے بھیجا ہے۔ (باب دوم)

(۱۲) **ونیز فرمودند '' پرورش باطنی بندہ بواسطۂ فقیراں می شود''** (حاشیہ صفحہ ۹۴۔ ع صفحہ ۴۵)

ترجمہ: اور نیز حضرتؑ نے فرمایا کہ ''بندہ کی باطنی پرورش فقیروں کے واسطہ سے ہوتی ہے''

شرح〈۱۲〉 اس نقل میں حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ طالب کو تصرف، کشف اور کرامات کی قوت دیتا ہے۔ یہ عطا بھی اس کی سچی طلب کا ایک امتحان ہے۔ اگر طالب اپنی مرضی سے تصرفات شروع کر دے تو اس میں کوئی کمال اور بزرگی نہیں ہے اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ اس تصرف سے ہاتھ اٹھالے اس لئے کہ ذاکرذکر سے ہی تقرب حاصل کرتا ہے۔ اور اس میں ترقی کرتا جاتا ہے اگر اس کی توجہ کسی دوسری طرف مشغول ہو جائے تو ذکر اور توجہ سے باز رہے گا۔ اس لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے طالب کو یہ نصیحت فرمائی کہ تصرف میں اپنے ارادے کو دخل نہ دے۔ اگر بلا ارادہ کوئی کرامت ظاہر ہو جائے تو یہ طالب کے لئے مضر نہیں۔ مولود شریف میں حضرت شاہ عبدالرحمٰنؒ نے تحریر فرمایا کہ ''جب میاں شیخ بھیکؒ سے کرامت سرزد ہوئی تو امام علیہ السلام نے بہت متفکر ہو کر تین دن کے روزے کی نیت کر کے رات دن عبادت میں مشغول رہ کر دعا کی قبولیت کی امید پر عرض کیا کہ اے بارخدایا میری پیروی کرنے والوں کو کرامت کی بلا میں مبتلا مت کر تین دن تین رات کے بعد حق تعالیٰ کا فرمان پہنچا کہ ہم تیرے واسطہ سے تیرے تابعین کو اس کرامت کی بلا سے رہا کیا اور تجھ سے پہلے ہم نے انبیاءؑ کی امتوں اور اولیاءؒ میں سے کسی کو اس کرامت کی بلا سے رہا نہیں کیا۔ کرامت کی بلا کا مقام نہایت چھوٹا ہے'' (صفحہ ۳۹ مطبوعہ ۱۳۶۸ھ)

(۱۳) **نقلست فرمودند'' بنده صدقه فقیراں میخورد''** (حاشیہ صفحہ ۹۴، نقلیات میاں سید عالمؒ صفحہ ۴۵)

ترجمہ: نقل ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ ''بندہ فقیروں کا صدقہ کھاتا ہے''

(۱۴) **بعد از چند روزه بعد نماز فجر حضرت میراں علیه السلام در جماعت خانه نشستند و سوئے قرآن خواں التفات کردند وفرمودند که بنده را نشستن نمی دهد بسخن گوجری فرمودند که'' بنده را پوٹ کرده می انداز دو از دیدن آں سبب پهلو برزمین می نهم''** (مولود صفحہ ۱۴۲)

ترجمہ: چند روز بعد نماز فجر کے بعد حضرت مہدی علیہ السلام جماعت خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور قرآن خواں کی طرف پلٹ کر فرمایا کہ ''بندہ کو تم بیٹھنے نہیں دیتے ہو'' اور گوجری زبان میں فرمایا کہ ''نبدہ کو بے تاب کر دیا ہے اس لئے پہلو زمین پر رکھتا ہوں''

شرح 〈۱۳، ۱۴〉 ان نقول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو فیضان حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو ملتا تھا وہ طالبان مولیٰ میں تقسیم کے لئے ہوتا تھا یعنی ولایت مقیدہ محمدیہ کا فیضان آپؑ کے ذریعہ تقسیم ہوتا تھا آپؑ کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا۔ اردو زبان میں عوام نے صدقہ کا ایک غلط مفہوم مشہور کر دیا ہے اصلاً جو چیز للہ دی جائے وہ صدقہ کہلاتا ہے۔

(۱۵) **نقل است میراںؑ آب آوردن رفتند ے یکے برادر آمده میراںؑ را گفت دیگ بدست مابدهید ما آب می آریم میراںؑ فرمودند بنده آرد'' برادر بسیار کوشش کرد میراںؑ دیگ دادند آں برادر آب آورد حضرت میراں علیه السلام اور اچیزے مروت کردند آں برادر گفت از برائے الله آورم میراںؑ فرمودند'' برو و در حجره به نشیں یاد خدائے تعالیٰ بکن ایں کار خودی است''** (نقلیات بندگی میاں سید عالمؒ صفحہ ۶۲، حاشیہ صفحہ ۹۲)

ترجمہ: نقل ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام پانی لانے کے لئے جاتے (ایک دفعہ) ایک بھائی نے آکر حضرتؑ سے کہا کہ

ہانڈی ہمارے ہاتھ میں دیجئے ہم پانی لاتے ہیں۔حضرت نے فرمایا ''بندہ لاتا ہے'' برادر نے بہت کوشش کی حضرتؑ نے ہانڈی دی۔ برادرؓ نے پانی لایا حضرتؑ نے ان کو کوئی چیز عنایت فرمائی اس برادر نے کہا میں نے اللہ کے واسطے لایا ہے۔حضرتؑ نے فرمایا ''جاؤ حجرہ میں بیٹھو اللہ کا ذکر کرو یہ کام تمہاری خودی کا ہے''

شرح ﴿۱۵﴾ یہی نقل شریف انصاف نامہ (باب یازدہم میں) کچھ تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔اور بعض جزئیات سے تفہیم میں سہولت بھی ہوتی ہے۔حضرت بندگی میاں شاہ نعمتؓ سے منقول ہے کہ حضرت مہدیؑ سے یاران دائرہ میں سے کسی نے عرض کیا کہ بعض اشخاص نماز فجر کے بعد سوتے ہیں۔مہدی علیہ السلام نے بہت دھمکی دی اور فرمایا کہ اسوقت نہیں سونا چاہئے۔کسی نے کہا مہدی علیہ السلام بھی سوتے ہیں۔تو مہدیؑ مسکرائے اور گوجری زبان میں فرمایا بندہ لوٹ پوٹ کرتا ہے اس کے بعد بندہ نہیں سوئے گا پس مہدی علیہ السلام فجر کی نماز کے بعد چندروز جماعت خانہ میں خاص کر بیٹھتے تھے اور قرآن کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے کہ بندہ کو بیٹھنے نہیں دیتا۔گرادیتا ہے۔لٹاتا ہے۔اسی سبب سے قرآن پر نظر کی جاتی ہے۔

بندگی میاں ولی یوسفؓ نے لکھا ہے کہ نماز فجر کے بعد طالبان مولیٰ اپنے حجرہ میں داخل ہوجاتے تو پھر نماز ظہر کے وقت ہی باہر آتے تھے۔اس تمام دوران ذکر الٰہی میں لگے رہتے تھے۔ذکر کرنے اور جاگنے کی تاکید تھی۔حضرت امام علیہ السلام بھی لیٹ جاتے تھے اس حالت میں بھی ذکر اللہ جاری رہتا تھا لیکن بعض ناسمجھ حضرات نے گمان کیا کہ مہدی علیہ السلام خود سوجاتے ہیں حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السلام نے اس کی تردید وتوضیح کردی۔اگر کسی نے تلاوت کلام اللہ شروع کردی تو احترام کے لئے بیٹھنا ضروری ہوا۔تلاوت کے موقعہ پر لیٹنا بے ادبی ہے۔فرمان خداوندی ہے کہ'' **واذا قری القرآن فاستمعوا وانصتولعلکم ترحمون**''(اعراف) جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''فضیلت'' اگسٹ ۲۰۰۱ء)

شرحِ دیگر

ماہنامہ ''فضیلت'' بابتہ ماہ اگست ۲۰۰۱ء میں بعنوان ''نقلیات مع مختصر شرح'' میرا ایک مضمون چھپا ہے۔اس میں نقلیات حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی وہ شرحیں درج ہیں جو ۱۹۸۳ء میں لکھی گئی تھیں۔ان شرحوں میں اختصار اور ابہام بہت ہے اور مستزاد یہ کہ کاتب کی قطع و بُرید کی وجہ سے، یہ شرحیں بے ربط ہوگئیں۔اس لئے مناسب یہی سمجھا گیا کہ ان شرحوں کو تقاضائے زمانہ کے اعتبار سے زیادہ مفصل اور مبسوط کردیا جائے۔ذیل میں اُنہی نقول کو شرح دیگر کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

نقل (۱):۔جب حضرت (مہدی علیہ السلام) کے بات کرنے کا زمانہ آیا تو پہلی بات جو آپ کی زبان پر آئی یہی تھی کہ ''مہدی موعود آیا''

شرح: ایک کم سن نونہال کی زبان سے سب سے پہلے ایسی بات کا نکلنا حیرت انگیز ہے اور اصل میں یہ ایک خرقِ

عادت ہے اس لئے عُلمائے مہدویہ نے اس واقعہ کو علامتِ ارہاصیہ قرار دیا ہے ارھاص ارھص مادہ سے ہے اور ارھص الشی کا مطلب بُنیاد ڈالنا اور ثبوت بہم پہنچانا ہے۔ اصطلاحاً اُن خوارق کو ارہاص کہا جاتا ہے جو کسی نبیؑ کی ولادت کے قریب ظاہر ہوں اور ایسی علامتوں کو نبوت کے مُبادی اور مقدمات سمجھا جاتا ہے البتہ دعوائے نبوت کے بعد نبیؑ کے ہاتھ پر جو امر خرق عادت ظاہر ہو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور چونکہ حضرت مہدی علیہ السلام خلیفتہ اللہ ہیں اس لئے دعوائے مہدیت (موکدہ) سے پہلے جو خوارق ظاہر ہوں اُن سب کو علمائے مہدویہ نے علائم ارہاصیہ قرار دیا ہے۔ لہذا حضرت مہدیؑ کی سب سے پہلی بات آپؑ کی مہدیت کی ایک علامت ہے اور چونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو مہدیت موعودہ کے منصب پر فائز کرنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ اس لئے جب آپؑ بات کرنے کے قابل ہوئے تو پہلی بات یہی زبان آئی کہ ''مہدی موعود آیا''۔

نقل (۲): حضرت بندگی میاں شاہ دلاورؓ سے نقل ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا ''بندہ ماں کے پیٹ سے باہر ہوتے ہی مجھ کو فرمان خدا ہوا کہ وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن ہے''

شرح: جب آپ شکم مادر سے باہر ہوئے تو سب سے پہلا فرمان ربانی جو آپؑ کو پہنچا وہ ایک آیت قرآنی پر مشتمل ہے یعنے قرآن مجید ابتداء ہی سے حضرت مہدیؑ کے ساتھ ہے اور یہ ارشاد ہے کہ آپ کا عمل آپ کی تعلیم دونوں قرآن شریف ہی پر مبنی ہوں گے اور یہ فرمان الٰہی قرآن مجید میں سورہ حدید میں موجود ہے۔ **ھو الاول و الآخر و الظاھر و الباطن** '' (**وھو بکل شئی علیم**)

مسلم شریف میں ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ایک دُعا سکھائی ہے اور اُس کے ضمن میں اول آخر وغیرہ کی تشریح بھی بیان فرمائی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال . یقول . اللھم انت الاول فلیس قبلک شی و انت الاخر فلیس بعدک شی . و انت الظاھر فلیس فوقک شی و انت الباطن فلیس دونک شی

ترجمہ حدیث:۔ اے اللہ تو ہی اول ہے، تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے (بہ اعتبار وجود) اور تو ہی آخر ہے تیرے بعد کوئی شئے نہیں (یعنے مرتبہ آخر میں بھی کوئی چیز نہیں) اے اللہ تو ہی ظاہر ہے تجھ سے اوپر کوئی چیز نہیں کیونکہ تیری ذات کو اشیاء پر فوقیت حاصل ہے۔ یعنے ذات حق کی فوقیت بہ اعتبار ظہور ہے۔ اے اللہ تو ہی باطن ہے اور تیرے سواء کوئی چیز نہیں یعنے وجود کے چاروں مراتب سے وجود غیر کی نفی ہوگئی

تصوف میں اول سے مراد ذات بلا صفات ہے اور اسی طرح آخر سے مراد ذات کا بصورت صفات ظہور ہے اسی ظہور میں کمالات اَسما اَفعال اور انفعال بھی داخل ہیں۔ ذات مع التشبہ کا کمال ظہور ہوتا ہے اُس کو انفعال کہتے ہیں۔

ھو الظاھر یعنے جو کچھ عالم میں روشن اور ظاہر ہے۔ آثار، انفعال اور اجسام کو ظاہر کہتے ہیں باطن، ہر ظاہر کا ایک باطن ہے۔ سب سے پہلے وجود ہے پھر اُس کا ظہور۔ اس طرح وجود اول باطن ہے۔ ظاہر اور باطن کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ ظاہر بہ معنی

غالب، تو اے خدا سب پر غالب ہے، تجھ پر کوئی غالب نہیں اور یہ کہ تو سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے اور ظہور میں تجھ سے اوپر (فوق) کوئی نہیں کیونکہ حقیقتاً ہر چیز کا ظہور تجھ سے ہی ہے۔ باطن کے معنے ایک یہ بھی ہیں کہ تیرے سواء کوئی ملجاء و ماوا نہیں جس سے التجاء کی جائے، تو باطن ہے اور ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے لیکن تیری حقیقت کوئی نہیں جانتا۔ باطن کے ایک معنے قریب تر کے ہیں جیسے ''والباطن اقرب من کل شی''

خلاصہ یہ کہ مہدی موعودؑ کی پیدائش ظہور حق کی آیت وعلامت ہے۔ ونیز'' جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا''(سورہ الاسراء آیت ۸۱) آواز ہاتف بھی اسی طرف اشارہ کررہی ہے۔

نقل (۳): نقل ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس وقت کہ مجھ کو میری پیدائش کے بعد فرمان (حق تعالیٰ) ہوا کہ اے سید محمد مہدیت کا دعویٰ کر لیکن بندے نے ہضم کر کے عرض کیا کہ اے اللہ حضرت عیسیٰؑ نے اسی طرح بچپن میں دعویٰ کیا تو بہت سی مخلوق فتنہ میں پڑ گئی کہیں ایسا نہ ہو کہ اُمت محمدی بھی فتنے میں پڑ جائے''

قرآن شریف میں سورۂ مریم میں یہ ہے کہ

''پھر وہ اس (بچے عیسیٰ) کو اُٹھا کر اپنی قوم کے لوگوں کے پاس لے آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ مریم یہ تو نے بُرا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی بد اطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی تو مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بولے ...... کہ ہم اس سے کہ گود کا بچہ ہے کیونکر بات کریں۔ بچے نے کہا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے...... یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں اور یہ سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں'' (آیت ۳۴)

اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جھولے یا گود میں عیسیٰ کے کلام کرنے کی وجہ سے لوگ اُن کے نبی ہونے کے بارے میں شک میں پڑ گئے۔ غرض یہ ایک امتحان تھا قوم عیسیٰ کے لئے۔ چونکہ حضرت مہدی موعودؑ اُمت محمدیہ کے حق میں نہایت شفیق اور رحیم اور مہربان تھے اس لئے پیدا ہوتے ہی آپ نے دعویٰ مہدیت نہیں کیا اور اُمت محمدیہ کو ابتلاء میں مُبتلا نہیں کیا بلکہ آپ نے چالیس سال کی عمر میں دعویٰ مہدیت کیا تاکہ لوگ آپ کے اخلاق سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور ان کو عدم واقفیت کا کوئی عُذر نہ رہے۔

نقل (۴): اور نیز حضرتؑ نے فرمایا کہ ''اسی وقت حق تعالیٰ نے خود بندے کو چاروں کتابوں کی تعلیم دی۔ اگر بندہ توریت پڑھتا تو لوگ مُتحیر ہو کر کہتے کہ یہ تجھ کو کیونکر معلوم ہوا اور سمجھتے کہ پھر موسیٰ کا ظہور ہوا۔ مگر بندے نے ہضم کر لیا اور اگر بندہ انجیل پڑھتا تو لوگ کہتے کہ مسیح ابن مریم کا ظہور مکرر ہوا ہے۔ اسی طرح اگر زبور پڑھتا تو کہتے کہ داؤدؑ ہے۔ اگر بندہ کلام اللہ پڑھتا تو کہتے کہ یہ مرد عزیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ مکرر ظہور فرمایا ہے اور لوگ شک و شبہ میں پڑ جاتے اور عام و خاص (میری) نبوت کا اقرار کرنے لگتے۔ لیکن بندے نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہضم کیا۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے بندہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کے بوجھ کو اُٹھانے کے لئے پیدا کیا ہے۔

شــرح : یہ سُنت اللہ رہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے خلفاء کو سب سے پہلے صفت علم سے آراستہ فرماتے ہیں جیسے حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کے بارے میں ارشادربانی ہے کہ **و علـم آدم الاسـمـاء کلھـا** ۔(اور آدم کو سب کے نام تعلیم کئے)اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا'' قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا'' (سورۂ مریم آیت ۳۱) یعنے آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اُس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔ پس اسی سنت کے مطابق اللہ جل شانہ نے حضرت مہدی علیہ السلام کو اپنی چاروں کتابوں کا علم عطا فرمایا یعنے کتاب الہیہ توریت ، زبور، انجیل اور قرآن شریف کا مکمل علم آپؑ کو پیدا ہوتے ہی حاصل ہوگیا چونکہ توریت ، زبوراور انجیل اپنے اپنے زمانوں میں شریعت کے مصادر رہے ہیں اس لئے حضرت مہدی علیہ السلام انبیائے سابقین کی شریعتوں سے واقف تھے۔

نـقـلسـت توریت ، و زبور و انجیل و فرقان و کُل صحف انبیاء پیشین یادمی دانستند و روزے فـرمـودنـد کـه تـورات و انجیل و فرقان بیارند بنده آن را از برمی خواند اگر آن را ازهر نخوانم مهدی موعود نبا شم (معارج الولایت)

تــرجــمــه : نقل ہے کہ آپؑ تورات ، زبوراور انجیل وفرقان اور گذشتہ نبیوں کے تمام صحیفے یاد رکھتے تھے۔ایک دن آپؑ نے فرمایا کہ تورات ، انجیل اور قرآن لائیں بندہ اُن کو ازبر پڑھ کرسناتا ہے۔ اگر میں ان کو حفظ نہ سناؤں تو مہدی نہیں ہوسکتا

نیز فـرمودند که در خاطر شبنده بود که کسے از من از تورات و انجیل سوال کند من جواب آن از توریت و انجیل بدهم اما از من کسے از تورات و انجیل سوالے ننمود (معارج ۳۰۵)

تــرجــمــه :۔ یہ بھی فرمایا کہ بندے کے دل میں یہ بات تھی کہ کوئی مجھ سے تورات وانجیل سے متعلق سوال کرتا تو میں اُسے تورات وانجیل سے ہی جواب دیتا لیکن کسی نے مجھ سے تورات اورانجیل کا سوال نہیں کیا (معارج)

غرض ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے صحف انبیاء کا علم عطا کیا تھا۔

جہاں تک خدا کے آخری کلام ،قرآن مجید فرقان حمید کا تعلق ہے اُس کے متعلق آپؑ کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ تسمیہ خوانی (سواچار سال کی عمر) کے بعد آپ نے کتاب الٰہی کو بظاہر حفظ کرنا شروع کیا اور سات سال کی عمر میں حفظ کی تکمیل سے فراغت پائی اس طرح یہ حقیقت سب کے سامنے آگئی کہ آپ کو کلام الٰہی سے فطری ربط تھا۔ (ماہنامہ فضیلت سپٹمبر ۲۰۰۱ء)

شرح دیگر

نقل نمبر۴ میں ''اِنْتقال ولایتِ محمدیؐ'' کے الفاظ آئے ہیں اور یہ الفاظ ، کتب مہدویہ میں بار بار استعمال ہوئے ہیں۔اس لئے ان کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔

لفظ ''وِلایت'' واؤ کے زیر سے نزدیکی اور قُرب کے معنے رکھتا ہے لیکن اصطلاح صوفیہ میں ''ولایت'' سے مراد قُربِ حق ہے۔اور سلوکِ مہدویہ میں یہی لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ایک حدیث ہے:۔ کنت کنزاً مخفیاً فا حببت ان اعرف فخلقت الخلق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ترجمہ:۔"میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا"۔

یعنے حق تعالیٰ نے حَسبِ تقاضائے حُب ذاتی خود بخود اپنے میں آپ تجلّی کی اور مرتبۂ احدیتِ ذاتیہ سے مرتبۂ وحدت میں تنزل فرمایا اور اپنی ذات کو علم مطلق اور علم اجمالی کے ساتھ مشاہدہ کیا۔ اس مرتبہ کو اَناء مطلق کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور اسی کو اصطلاح میں تعین اول، حقیقت محمدی (ولایت محمدی) اور برزخ کبریٰ، جوہر اول، اناء اول، تجلّی حبِ ذاتی بھی کہتے ہیں۔ وغیرہ

اور اگر ذات میں، حُبِّ ظہور نہ ہوتا، تو کوئی شئے موجود اور ذات حق تعالیٰ کی کسی صفت کے ساتھ موصوف نہ ہوتی البتہ اثر مقامِ وحدت کا محمد ﷺ ہیں

حضرت خواجہ ابن طہٰ عُرف میاں ملک جی المتخلص بہ مہدیؔ فرماتے ہیں۔

کُنت کنزاً کہ بُد قِدم مَستور
چوں زکتمانِ صرف خواست عُبور
کرد نورِ نبی زغیب حُضور
ہرچہ ہست از ولایت است ظہور

ترجمہ:۔ حالتِ قِدم میں، میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ اس خالص پوشیدگی سے گزر جاؤں (باہر آجاؤں) میں نے نورِ نبی (ﷺ) کو حالتِ غیب سے ظاہر کر دیا اور ہر شئے اس ولایت (قُربِ الٰہی) سے ظاہر ہوتی ہے۔

کنزِ مخفی سے مُراد مرتبۂ لاتعین ہے، صوفیہ اِسکو مرتبۂ احدیت کہتے ہیں لیکن محققین مہدویہ کی اِصطلاح میں اس مرتبہ کو احدؔ کہتے ہیں کیونکہ یہ مرتبہ مجہول النعت و منقطع الاشارات کا ہے۔ اس مرتبہ میں اسم وصفت کا ظہور نہیں ہے۔ حالانکہ لفظ احدیت میں تا ہے جو صفت پر دلالت کرتا ہے۔ اَنا سے مراد مرتبۂ حقیقت محمدی ہے اس کو محققین مہدویہ احدیتؔ کہتے ہیں۔ اس حقیقت محمدی کی دو جہت ہیں۔ ایک ولایت دوسری نبوت اور ولایت، باطن مصطفیٰ کی صفت ہے اور نبوت آپ ﷺ کے ظاہر کی صفت ہے۔ اِسی ولایتِ محمدی کے مظہر کامل، حضرت مہدی موعود علیہ السلام ہیں۔

فاحببت اُن اعرف: حالتِ لاتعین میں ظہور کی خواہش پیدا ہوئی یہی خواہش ولایتؔ ہے۔ ظہور کے لئے جنبش کو ولایت کہتے ہیں۔ یہ تحقیقات مہدویوں کی ہے۔

بہ الفاظِ دیگر عدم ظہور میں، ذات، حالتِ سکون بھی تھی، ذات کو اپنے ظہور کی خواہش ہوئی تو حالتِ سکون میں حرکت پیدا ہوئی اِس خواہش اور حرکت کو سلوک میں ولایت کہا جاتا ہے۔

ذات نے اپنے آپ کو دیکھا انسان کی صورت نظر آئی، ذات نے اُسکو اپنے صفات اور کمالات بخشے، اُسی کو اپنا خلیفہ بنایا۔ پس یہ مرتبۂ احدیت یعنے تعین اول (ولایت محمدی) تمامی اوصاف باری کی جامع ہے۔

حدیث: ان اللہ خلق اٰدم علے صورتہ . عن ابی هریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم خلق اللہ اٰدم علی صورتہ . متفق علیہ (مشکات)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو (باعتبار صفات باطنی کے) اپنے ظہور پر پیدا کیا۔ (مشکات)

اس حدیث میں انسان کے مظہرحق ہونے کا مسئلہ مذکور ہے کیونکہ حقیقت کے ظہور کے لئے صورت کی ضرورت پڑتی ہے۔ زبانِ تصوف میں جو باتیں کہی گئی تھیں، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی تائید ہوگئی۔ اور شریعت میں مضمون مذکور مسلم ہوگیا۔ اور انکار کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ مہدیؑ کہتے ہیں

چونکہ از ذاتِ خویش قطعہ نور
حق جُدا کرد بھر کل اُمور
آن ولایت شُدہ بغیب حضور
ہرچہ ہست از ولایت است ظہور

ترجمہ:۔ جب اپنی ذات سے ایک قطعۂ نور (نور کا ایک حصہ) حق تعالیٰ نے (تخلیق) کے تمام اُمور کے لئے جُدا کیا تو وہ (قطعۂ نور) ولایت بن کر عالم غیب سے عالم ظہور میں آ گیا۔ اور اسی ولایت سے ہر چیز ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت مہدیؑ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات پاک سے نور کا ایک قطعہ جُدا کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت جل وعلاء جو خود نور ہیں انہوں نے نور کے ایک تکڑے کو اپنی ذات سے علاحدہ کیا پس اِسی قطعۂ نور کا نام ولایت ہے (گروہ مہدویہ میں) اہل تصوف نے اسی نور کو حقیقتِ محمدی کہا اور مرتبہ وحدت کہا، مہدویوں نے اِس کو ولایت محمدی سے موسوم کیا۔ چنانچہ بندگی میاں ولی یوسفؒ نے اپنی کتاب انصاف نامہ کے بابِ اول فصلِ اول میں "بینہ" کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

" فاعلم ان المراد بالبینہ. الولایۃ الحمدیۃ التی عبرت بقولہ علیہ السلام . انا من نور اللہ" والمومنون من نوری ...." ترجمہ:۔ واضح ہو کہ بیّنہ سے مراد ولایتِ محمدیہ ہے۔ جس کی تعبیر فرمانِ رسول علیہ السلام میں یہ کی گئی ہے کہ میں خُدا کے نور سے ہوں اور مومنین میرے نور سے ہیں...... (انصاف نامہ صفحہ ۱۳)

یعنے ولایت محمدیہ نور الہٰی ہے۔ یہ تعین اول ہے اور ظلِ اول بھی یہی ہے کیونکہ وہ صور معدومات کے ساتھ ظاہر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ۔ الم تر الی ربک کیف مد الظل (فرقان) ترجمہ: کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ اُس نے کیونکر سایہ کو پھیلایا ہے۔ ظل مرتبۂ وحدت ہے۔ اسی کو مہدویوں کی اصطلاح میں ولایت محمدی کہا گیا اور حضرت مہدی موعودؑ کو خاتم یعنے مظہر ولایت محمدی قرار دیا گیا ہے یعنے اللہ تعالیٰ نے حضرت مہدی کو محمد علیہ السلام کی ولایت (باطن) کا خاتم بنایا ہے اور یہ خاص منصب ہے جو صرف آپؑ کو منجانب حق عطا ہوا ہے۔ فقط　(ماہنامہ فضیلت اگسٹ، سپٹمبر ونومبر ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆☆☆